۳۹۸۱۲
~~۵۴۸۵~~

رشد الراشدین

جملہ حقوق محفوظ

سلسلہ مطبوعات صوفی نمبر (۶۱)

رشد الراشدین

مؤلفہ

مولوی محمود علی خاں صاحب پروفیسر رندھیر کالج کپورتھلہ

جس کو باخذ حقوق دوامی

ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی منیجنگ ڈائرکٹر نے

صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین

کیلئے

اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں باہتمام منشی محمد ایوب صاحب منیجر مطبع چھپواکر شائع کیا

باراول

تعداد ایکہزار

قیمت عہ/

صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین پنجاب

ڈائرکٹر صاحبان

(۱) ڈاکٹر شیخ محمد عالم صاحب بی۔اے (آکسن) ایل۔ایل۔ڈی بیرسٹرایٹ لا لاہور

(۲) شیخ محمد ممتاز صاحب فاروقی بیرسٹرایٹ لا گجرات

(۳) سردار محمد عبداللہ خاں صاحب افسر خزانہ بغداد شریف

(۴) رحمت اللہ خاں صاحب پریزیڈنٹ مسلم ایسوسی ایشن آف امریکہ کیلی فورنیا

(۵) ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین مینجنگ ڈائرکٹر

یہ کتاب اور دیگر کئی نادر و بیش قیمت کتابیں صوفی پرنٹنگ کمپنی کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہیں اس کے اراکین جنہوں نے پچیس یا زیادہ حصے خریدے حسب ذیل اصحاب ہیں:۔

(۱) حضرت سجادہ نشین صاحب جلالپور شریف (۲) بابو دیالداس صاحب بکھیجہ ہیڈکلرک سپلائی و ٹرنسپورٹ بوشہر ایران ساکن لکی مروت ضلع بنوں (۳) کپتان جمال الدین صاحب بہادر آئی۔ایم۔ایس آگرہ (۴) جمعدار عطا محمد صاحب ساکن ہبوہ حال ۱/۲ فرانیٹر فورس علی پور (۵) ایم۔ایم اسلم خانصاحب پیٹرس ہوس کالج کیمبرج (۶) ملک دیارام صاحب پنجاب پولیس گجرات (۷) چوہدری عالم دین صاحب آف سہنہ انسپکٹر ڈاکخانجات لورالائی بلوچستان (۸) شیخ محمد ممتاز صاحب فاروقی بیرسٹرایٹ لا گجرات (۹) ڈاکٹر شیخ محمد عالم صاحب بیرسٹرایٹ لا لاہور (۱۰) پروفیسر شیخ محمد جمیل صاحب اورسیر کنو ڈجی۔آئی۔پی۔ریلوے (۱۱) رحمت اللہ خاں صاحب پریزیڈنٹ مسلم ایسوسی ایشن آف امریکہ (۱۲) ایک خاتون معرفت ایڈیٹر صاحب صوفی (۱۳) ملک محمد اکرم خاں صاحب زمیندار پنڈی بہاؤالدین (۱۴) بابو معراجدین صاحب کلرک لوکو سپرنٹنڈنٹ آفس یوگنڈا ریلوے کلینڈائن ممباسہ (۱۵) پسران ملک محمد الدین ایڈیٹر صوفی مشترک نام سے (۱۶) محمد عبدالستار صاحب جنرل مرچنٹ لداخ (۱۷) ڈاکٹر عبدالواحد صاحب پولرڈ سپینسری سرینگر کشمیر (۱۸) باغ دین صاحب یو نائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ (۱۹) نورالدین صاحب براڈرک امریکہ (۲۰) فوجدار خانصاحب براڈرک امریکہ (۲۱) ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی (۲۲) پیر بخش ولد فیض محمد صاحب براڈرک یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ (۲۳) سردار محمد عبداللہ خاں صاحب بہادر لوکل انسپکٹر آفیسر آف اکونٹس بصرہ (۲۴) مولانا محمد محی الدین صاحب ریٹائرڈ چیف جسٹس ہائیکورٹ دکن حال دہلی

رُشدُ الرّاشِدین

فی

خِدمَتِہ الحقّ المُبین

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتَابَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الَّذِیْ اَرْسَلَهٗ بِکِتٰبٍ عَزِیْزٍ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ فَمَنْ یُّؤْمِنْ بِهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝ وَعَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝

مولوی مرزا احمد سلطان صاحب نے جو خلد آرمگاہ محمد بہادر شاہ دہلی کے نبیرہ زادہ ہیں تصحیف کاتبین نام ایک سالہ تحریر فرمایا ہے جسمیں دعوے کیا گیا ہے کہ قرآن کریم میں تحریف و تغلیط کا عمل دخل اس کثرت سے ہو تا رہا ہے کہ کلام الٰہی درجہ فصاحت سے گر گیا ہے۔ اور صحیح اور سچّا قرآن جو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اور جسکو جناب علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے جمع کیا تھا۔ دُنیا کے پردہ سے نابود ہو چکا ہے۔ بلکہ جو مصاحف جناب صدیق حضرت عثمان اور حجاج بن یوسف کے زمانہ میں لکھے گئے تھے۔ وہ بھی موجود نہیں رہے اور اب جو کچھ ہے وہ مختلف زمانوں کے جاہل کاتبوں کی غلط تحریروں کا مجموعہ ہے

اِس دعوے کے ثبوت میں قرآن کی چند آیتوں کو حیطۂ تحریر میں لانے اور انپر اپنے خیال کے موافق عربیت و فصاحت کے متعلق اعتراض قائم کرنے کے بعد اہلسنت پر چند غلط تہمتیں تراشی گئی ہیں اور نتیجہ پر پہنچ کر شیعہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

یقین جانئے آپ کا خدا اور رسول و قرآن اہلسنت کے خدا اور رسول اور قرآن سے بالکل جدا ہیں اور اسی سبب سے اُن کے عقاید آپ کے اصول عقائد سے مغائر و مبائن ہیں" (صفحہ ۳۱ مطبوعہ ۱۹۱۸ء)

یہ تحریر ثبوت و دلائل کے لحاظ سے کسی طرح قابل التفات نہیں مگر دل آزار طرز کلام میں قرآن کریم کی نسبت ایسی بے باکانہ جرأت دکھانے اور اہلسنت پر غیر مہذب الفاظ میں ایسے غلط اتہام عائد کرنے کا ارتکاب کیا گیا ہے کہ دل بے اختیار افسوس کرتا ہے اور عوام الناس کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ان دلیرانہ غلط کاریوں کی تنقید کیجائے اور دیکھا جائے کہ قرآن کریم کی عربیت و فصاحت سے منکر ہونے اور عقائد اہلسنّت کا چہرہ بگاڑنے میں حق و انصاف کا کہاں تک خیال رکھا گیا ہے۔ اس تحریر میں ان امور پر محض اسی نظر سے بحث ہوگی اور چونکہ قرآن کریم پر مذہب اسلام کا انحصار ہونے سے کسی اسلامی فرقہ کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور شیعی روایات میں غور کیا جائے۔ تو تحریف کی وہ شکل ثابت نہیں ہوتی جسپر شیعہ فریق کے بعض کوتاہ نظر افراد زور دیتے ہیں اسلئے طالبان حق سے امید ہو سکتی ہے کہ اس مضمون کو اطمینان خاطر سے دیکھیں تو صحیح نتیجہ پر پہنچ سکینگے۔ نیز ایک دوسرے کے عقائد کو غلط فہمیوں سے یکسو ہو کر سمجھنے کی سعی کرنا ہی ایک مبارک عمل ہے جس میں نیک نیتی کے نتائج کی توقع امکان سے خارج نہیں۔ میں اپنی ناچیز کوشش کو اہل انصاف کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اس میں بصارت چشم اور بصیرت قلب سے غور کیا جائیگا +

باب[۱] اوّل

تحریف کا عقلی استبعاد

اہلسنت و شیعہ کا حقیقی اور واحد اختلاف جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانشینی اور مسئلہ خلافت میں ہے اور اس کا آغاز اُن واقعات سے ہوتا ہے جو رسُول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات حسرت آیات کے بعد پیش آئے۔ اہل تشیع اُس انتظام کو ناجائز تصور کرتے ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد قرار پایا۔ اسلئے مہمات دینی و دنیوی کا تمام نظام عمل جو اُس زمانے میں ظہور پذیر ہوا اُنکی نظر میں قابل اعتراض ہے۔ اور وہ لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہر ایک فعل کو نظر اشتباہ سے دیکھنے کے خوگیر ہو گئے ہیں۔ منجملہ ان کوششوں کے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد اقتضائے حالات سے کیگئیں ایک کام جمع و ترتیب کلام اللہ کا بھی ہے جسمیں اہل تشیع کو کلام ہے۔ اور اسی بحث کو تصحیف کاتبین کا مقصد اوّل قرار دیا گیا ہے اور موجودہ قرآن کو دو طرح سے محرف مانا گیا ہے۔ ایک مسلک صاحب عالم نے ایجاد کیا ہے۔ اور دوسرا مسلک اسی کتاب کے ایک طولانی حاشیہ میں جناب کلب عباس صاحب کیجانب سے پیش ہوا ہے مرزا صاحب نے تحریف قرآن کو شیعہ و سُنی کے لئے باعث ترک ملاقات تو قرار دیا ہے مگر صاف چھُپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔ یعنے قرآن کو محرف بھی کہتے ہیں۔ کمی آیات و سورے کے بھی قایل ہیں (صفحہ ۴۲) پھر یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ "(۱) قرآنمجید میں کسی بشر کا کلام شریک نہ ہوگا (۲) حدود و اصول قرآن ضائع نہ ہو سکینگے۔ (۳)...... (۴) آیات و سور قرآنی خلاف ترتیب تنزیل ہو کر دنیا میں باقی رہینگے"۔ (صفحہ ۲۰) غرض ان کا خیال ہے کہ رسُول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عہد مبارک میں جو متعدد مصحف جمع کئے گئے تھے یا حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں تحریر ہوئے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلوا دئیے حضرت عثمان نے جو قرآن لکھوا کر مختلف ممالک میں بھیجے جب عالم اسلام اُن سے برگشتہ ہوا تو وہ بھی ضائع کر دیئے گئے۔ حجاج بن یوسف نے پھر لکھوائے مگر اُسوقت اسلام ممالک غیر میں پھیل چکا تھا۔ عربی سے ناواقف کاتبوں نے لکھے بہت سی غلطیاں کر دیں۔ اور "اُس کثرت" (صفحہ ۲۰) سے تحریف ہوئی کہ قرآن میں معاذاللہ کوئی فصاحت و بلاغت نہ رہی،

اس سے بڑھ کر کلب عباس صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن کریم زمانہ رسالت پناہی میں جمع ہو چکا تھا۔ مگر شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) نے مالک وحاکم مطلق بننے کے لئے قرآن میں اپنی رائے کے مطابق تغیر وتبدل کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وقت آیا۔ تو ان کو اپنی خاص اغراض کے لئے جدید قانون مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور قانون قرآن ہی کی شکل میں مقبول ہو سکتا تھا۔ اسلئے وہ دوبارہ تصنیف کیا گیا۔ جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا زمانہ آیا۔ تو آنجناب نے اس قرآن سے لوگوں کو مانوس پایا۔ اور سچا قرآن ظاہر کرنے سے فتنہ کا اندیشہ کیا۔ اسی محرف قرآن کو غنیمت سمجھا۔ بنی امیہ کو پھر جدید آئین وضوابط کی ضرورت ہوئی اور محافظ شریعت کہلانے کا شوق چرایا تو ان کے حکم سے حجاج نے پھر قرآن میں دخل وتصرف کیا۔ موجودہ قرآن اسی وقت کی تصنیف ہے، کیونکہ بعد میں ملکی قوانین احکام شریعت سے بالکل ہی جدا ہو گئے تھے اور مصالح حکومت کے لئے قرآن میں تصرف کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ اس لئے آئندہ قرآن میں تغیر کرنے کو کفر سمجھ لیا گیا۔

یہ ان دونوں صاحبوں کا ذاتی اجتہاد ہے اور حضرات شیعہ کا عام خیال دیکھا جائے جو انکی روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ تو اس کے مطابق قرآن میں کوئی ایسی تھوڑی بہت تحریف نہیں ہوئی جس کے ہوتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ موجودہ محرف قرآن کو غنیمت سمجھتے۔ موجودہ قرآن کی آیات چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۶۱۶) سے زیادہ نہیں ہیں (اتقان باب نوزدہم) مگر شیعی روایات میں ہشام بن سالم امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول بیان کرتا ہے کہ

اِنَّ الْقُرْاٰنَ الَّذِیْ جَاءَ بِہٖ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ سَبْعَۃَ عَشَرَ اَلْفَ اٰیَۃٍ (اصول کافی۔ کتاب فضل القرآن۔ باب النوادر)

قرآن جو جبرائیل علیہ السلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا تھا سترہ ہزار آیتیں رکھتا تھا۔

گویا ایک ثلث سے کچھ اوپر باقی ہے اور دو ثلث کے قریب نابود کر دیا گیا ہے اور موجودہ آیات میں جو کہیں کہیں ایک ایک دو دو لفظ حذف کر دیئے گئے ہیں اور جن کے تذکرے شیعی روایات میں جابجا موجود ہیں وہ نقص اس کمی کے علاوہ ہے۔

اچھا تو جب ایسے زبردست دعوے کئے جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کے قرائن ودلائل بھی ایسے ہی زبردست ہونے چاہئیں۔ مگر افسوس ہے کہ اس بارہ میں کامیابی کی صورت مفقود نظر آتی ہے قرآن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور حضرت کے زمانے میں جسقدر نازل ہوتا گیا لوگ پارۂ دل اور لخت جگر سمجھ کر آغوش آرزو میں لیتے گئے اور اپنی استعداد کے موافق کسی نے کوئی

اور کسی نے کوئی حصّہ اور کسی نے سب کچھ یاد کر لیا۔ یا دنہ ہو سکا تو کوئی حصّہ کاغذ پر کوئی ہڈی پر کوئی لکڑی کے ٹکڑے اور درخت کے پتہ پر لکھ لیا۔ اور بالیقین آنحضرت کے وقت میں جو قرآن یاد کیا اور لکھا اور پڑھا جاتا تھا۔ وہ بعینہ وہی قرآن ہوگا جو حضرت پر نازل ہوا۔ حضرت کے وصال پر خلفاء ثلثہ نے اپنے اپنے وقت میں اس کے اندر رد و بدل کر لیا اور اپنے وقت کا محرف قرآن لوگوں میں زبردستی رائج کر دیا ہوگا۔ اور لکھے ہوئے تمام مصاحف اور مختلف پُرزے اور پرچے جلوا دیئے ہوں گے جب بھی یقیناً جو جو حصّہ تمام صحابہ کو اور جو مکمل قرآن بعض بعض کو یاد ہوگا۔ اُس کو سینوں کے اندر سے محو کر دینے کی طاقت خلفا ایک طرف کسی فرد بشر میں نہ ہو سکتی ہے نہ تھی۔ بالخصوص جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور آپ کی وساطت سے جناب حسنین علیہما السلام اور ان کی اولاد احفاد اور ائمہ ہدےٰ تک ضرور وہی سچا قرآن پہنچا ہوگا۔ جناب امیر علیہ السلام اور دیگر ائمہ اطہار کے فرامین و مواعظ اہلسنت کے ہاں متروک یا محرف کر دیئے گئے ہوں تو تعجب نہیں مگر شیعیان اہلبیت تو یقیناً اپنی ہدایت اور احکام شریعت کا تمامتر انحصار انہی بزرگواروں کے ارشاد و ملفوظات پر رکھتے ہیں اور جناب مرتضوی اور دیگر ائمہ اہلبیت کے ارشادات کا بہت بڑا ذخیرہ دفاتر کتب اثنا عشریہ میں موجود اور محفوظ ہے اور اس میں جابجا آیات قرآنیہ سے استناد بھی کیا گیا ہے خلفاء ثلثہ پر قرآنیں ردوبدل کرنے بلکہ اُس کے بہت بڑے حصّہ کو بیک قلم حذف کر دینے کا الزام صحیح ہوتا تو کم از کم شیعی روایات میں جہاں موجودہ قرآن کی آیات بکثرت منقول ہیں وہاں اس بڑے حصّہ کے اقتباسات بھی دیکھے جاتے جو حذف کر دیا گیا ہے اور جہاں قَالَ اللہُ عَزَّ وَجَلَّ کے آگے موجودہ قرآن کی آیتیں ہر جگہ نظر آتی ہیں ہاں اس سے بہت زیادہ قَالَ اللہُ عَزَّ وَجَلَّ کے آگے وہ آیتیں لکھی ہوتیں جن سے اہلسنت کے کان آشنا نہ ہوتے کیونکہ ائمہ ہدےٰ کی مبارک زبانوں پر جسطرح موجودہ قرآن کی آیتیں بکثرت جاری ہیں اور مواعظ و احکام میں وہ اُنسے کام لیتے ہیں اسی طرح قرآن کے محذوف حصّے بھی اُن کی زبان پر جاری ہونگے اور جو مواعظ و احکام اُن حصّوں سے مخصوص ہونگے اُن کے متعلق ارشاد و ہدایت کرنے کا فرض بھی ائمہ ہدےٰ پر عاید تھا اور ہمارا ایمان ہے کہ آئمہ نے اپنے فرائض ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی تو محذوف قرآن کی آیتیں بھی اُن کی زبان سے ادا ہونی چاہیئے تھیں۔

یہ مانا کہ خلفاء ثلثہ کے قرآن کو محذوف کر دینے کا ایسا اثر ہوا کہ سچے قرآن کا پڑھنا اور یاد رکھنا بھی ائمہ ہدےٰ کے نزدیک امام آخرالزمان کے آنے تک ممنوع قرار پا گیا چنانچہ سالم بن سلمہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق کے حضور میں قرآن کا کوئی حصّہ موجودہ تحریر کے خلاف پڑھا تو امام

موصوف نے فرمایا۔

كُفَّ عَنْ هٰذِهِ الْقِرَاءَةِ اِقْرَاءْ كَمَا يَقْرَءُ النَّاسُ حَتّٰى يَقُوْمَ الْقَائِمُ فَاِذَا قَامَ الْقَائِمُ قَرَءَ كِتَابَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى حَدِّهٖ (اصول کافی کتاب فضل القرآن باب النوادر)	اس قرارت کو چھوڑ و اور جس طرح لوگ پڑھتے ہیں پڑھے جاؤ جب تک امام آخر الزمان نہ آئیں جب وہ تشریف لائینگے تو کلام اللہ کو جسطرح پر واقع میں ہے تلاوت فرمائینگے۔

مگر اس قسم کی ممانعت عوام النّاس کے لئے تھی ائمہ ہدے اس سے مستثنیٰ تھے چنانچہ سلیم بن قیس الہلالی حضرت امیر المومنین علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہٗ سے روایت کرتا ہے۔

وَجَعَلَنَا مَعَ الْقُرْاٰنِ وَجَعَلَ الْقُرْاٰنَ مَعَنَا لَا نُفَارِقُهٗ وَلَا يُفَارِقُنَا (اصول کافی کتاب الحجۃ باب ان الائمۃ شہداء اللہ)	حقتعالےٰ نے ہم کو قرآن کے ساتھ رکھا ہے اور قرآن کو ہمارے ساتھ رکھا ہے ہم قرآن سے جدا نہ ہونگے اور قرآن ہم سے جدا نہ ہوگا۔

اسی امتیاز خاص کی وجہ سے ائمہ ھدے عوام الناس کو سچے قرآن کی تلاوت سے منع کرنے کے باوجود قرآن کی وہ آیتیں جن میں چند الفاظ اول بدل کر دیئے گئے ہیں اکثر بیان فرماتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ سچی وحی کے فلاں الفاظ کو اس طرح پر متغیر کر دیا گیا ہے۔ تو جس طرح موجودہ آیتوں کے محذوف الفاظ کو تلاوت کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کی تلاوت تا قیام امام القائم جائز نہیں اسی طرح اُن آیات کا ذکر بھی ائمہ کی زبان سے سنا جانا چاہیئے تھا جو حذف کر دیگئی ہیں اور موجودہ قرآن میں موجود نہیں ہیں مگر حیرت ہے کہ روایات ائمہ میں کہیں بھی قال اللہ عزّوجل کہہ کر ایسا جملہ مذکور نہیں ہوا اور دو ثلث کے قریب قرآن خلفاء ثلثہ کی معجز نما تحریف سے ایسا گم ہوا کہ علی طور پر جناب علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اطہار کے دل وزبان سے بھی محو کر دیا گیا۔

علےٰ ہذا القیاس جب دعوےٰ کیا جاتا ہے کہ تحریف ایک ہی دفعہ نہیں۔ تین بار شیخین۔ عثمان اور حجاج کے زمانہ میں ہوئی تو دعوے کو اسقدر طویل بنا دینے کے بعد ایسے ہی طویل ثبوت کی ضرورت تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا قرآن بدلا گیا۔ اور شیخین نے معاذ اللہ نیا قانون قرآن کے نام سے جاری کیا۔ تو روایات میں وہ آیات ہونی چاہیئے تھیں جو شیخین کے قرآن میں نہوں اور حضرت عثمان پر شیخین کے قرآن کو بدلنے کا الزام ثابت کرنا تھا تو ایسی روایات دکھائی جاتیں جن میں شیخین کے زمانے کا کوئی متکلم قرآن کی وہ آیت پڑھتا جو عثمان کے قرآن میں نہو اور حضرت عثمان کے بعد بقول اُن کے حجاج پھر وہی جرم کرتا ہے اور اُسوقت کا جدید دستور العمل

سب قرآنوں کی جگہ رواج پاتا ہے۔ تو پھر سند پیش کرنی چاہیئے تھی کہ فلاں آیت عثمان کے قرآن میں یوں تھی اور حجاج کے قرآن میں اس کے خلاف۔ اور اگر یہ نہیں اور ہمیشہ ایک قرآن دیکھا اور سُنا گیا ہے تو تین بار تحریف ہونے پر کیونکر یقین کر لیا گیا ہے +

تحریف قرآن کی جو شکل مرزا احمد سلطان صاحب نے دریافت کی ہے اور جس کے ثبوت میں مصاحف زمانہ رسول اور مصاحف عثمانیہ کے ناپید ہونے۔ نقاط و اعراب کے ایجاد کئے جانے اور خط نسخ کے جاری ہونے سے استشہاد کیا گیا ہے۔ اس میں نقاط و اعراب کے ساتھ خط نسخ کے زمانہ کے بعد میں ایجاد ہونے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ جو تحریر نقاط و اعراب سا تھ خط نسخ میں لکھی ہوئی آج موجود ہے وہ خود بھی نقاط اعراب اور خط نسخ کیساتھ ہی معرض وجود میں آئی ہوگی۔ بلکہ جو تصنیف پہلے کسی اور شکل سے اور کسی اور خط میں لکھی جاتی ہوگی وہی ممکن ہے کہ بعد میں نقاط و اعراب کے ساتھ خط نسخ میں نقل کر لیجائے۔ اسیطرح اگر کوئی کتاب مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود نہ ہو تو نہیں کہہ سکتے کہ کتاب ہی معدوم ہو گئی پس مصاحف عثمانیہ کے ضائع ہونے اور نقاط و اعراب وغیرہ کے ایجاد کئے جانے پر طویل بحث کرنے سے صاحب موصوف کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکے۔ اور بوجہ ایک احتمال پیدا کر کے اسپر یقین کر لیا ہے کہ حجاج کے زمانہ سے ممالک غیر کے کاتبوں نے جو عربی سے بھی ناواقف تھے نقلیں کرنی شروع کیں تو مختلف اغلاط قرآن میں دخل پاگئی ہونگی۔

یہ صورت ہوتی تو مختلف قرآنوں میں مختلف اغلاط نظر آتیں اور ایک ملک کا قرآن دوسرے ملک کے قرآن سے نہ ملتا کیونکہ اُسوقت تک اسلام بہت سے اور دست ممالک میں پھیل گیا تھا۔ اور ذرائع آمدورفت اور سلسلہ خط و کتابت کا بھی جو سہل الحصول اور سریع السیر انتظام آج کل ہے وہ گذشتہ زمانوں میں ممکن نہ تھا۔ اور قرآن کے بھی صرف ایک دو یا دس پانچ نسخے نہ تھے جن کو تمام ممالک میں یکے بعد دیگرے گشت کروایا گیا ہو۔ بلکہ ہر ملک اور ملک کے ہر گوشہ میں صدہا نسخے[1] ہر زمانے میں اور روزانہ ایسے لوگوں کے ہاتھ سے لکھے جاتے تھے جن کی مادری زبان عربی نہ تھی۔ اور پھر یہ بھی قرین قیاس نہیں کہ حجاج ہی کے دربار میں عربی سے ناواقف کاتبوں کا ہجوم ہو گیا ہو۔ اور آئندہ غلط لکھنے والوں کو تحریر قرآن کا

---

[1] جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جو قرآن نیزوں پر بلند کئے گئے تھے اُن کی تعداد پانسو تھی حالانکہ یہ واقعہ حضرت عثمان کے جمع قرآن سے صرف سات سال بعد کا ہے (مروج المذہب مسعودی جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۰ بوساطت تہذیب الاخلاق)

موقع نہ ملا ہو۔ بلکہ غالب گمان یہ ہے۔ کہ حجاج چونکہ خود عربی دانی اور فصاحت تقریر میں ممتاز تھا اور عربی بولنے والے علاقہ میں حکومت کرتا تھا اس کے سامنے جن سے تحریر قرآن کا کام لیا گیا ہوگا وہ بعد والوں کی نسبت پھر بھی بہترین کاتب اور عربی دان منشی ہونگے کاتبوں کی جہالت سے قرآن محرف ہوا ہوگا۔ تو اسکا زیادہ احتمال مابعد کے زمانوں میں ہے اس لئے ہونا یہ چاہیئے تھا۔ کہ عراق میں تحریر شدہ قرآنوں کے اندر ایک طرح کی اغلاط ہوتیں تو ایرانی نسخوں میں ان سے مختلف تاتاری علاقوں میں اور طرح کی تصحیف ہوتی تو افریقیہ واندلس میں اور۔ اس طرح پر کسی ایک علاقہ کا قرآن دوسرے علاقہ کے قرآن سے نہ ملتا۔

اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے مختلف ممالک کے اختلافات تحریر پیش ہونے چاہیے تھے۔ اور اگر مختلف ممالک میں لکھے ہوئے مختلف قرآنوں کے نسخے دستیاب نہ ہوتے جب بھی قرآن کی تفسیریں ہر مملکت میں ہر صدی کے اندر سینکڑوں لکھی گئی ہیں اور لکھنے والے شیعہ بھی ہیں سنی بھی ہیں۔ خارجی بھی معتزلی بھی۔ ہر خیال اور عقیدہ کے پیرو اس خدمت میں مصروف رہے ہیں اور رہتے چلے آتے ہیں اور ان تفسیروں کے انبار در انبار ہر بستی میں مختلف علماء کے پاس اور ہر مملکت میں بڑے بڑے کتب خانوں کے اندر موجود رہے اور اب تک موجود ہیں ضرور دیکھا جاتا کہ ایک علاقہ کی تفسیروں میں آیتیں کچھ لکھی ہوئی ہیں اور دوسرے علاقہ کی تفسیروں میں کچھ اور۔

مگر افسوس ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک کے۔ زمانہ شیخین کے زمانہ عثمان کے اور زمانہ حجاج کے لکھے ہوئے مصحفوں کا وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا میں نشان نہیں جس سے وقت وقت کی تحریف کا ثبوت ملتا۔ احادیث نبویہ اور فرامین ومواعظ ائمہ میں قرآن کے اُن عظیم المقدار حصوں کا کوئی اقتباس نہیں جو خلفا نے حذف کر دیئے ہیں۔ مختلف ممالک اور مختلف زمانوں میں تحریر شدہ قرآنوں اور تفسیروں کے اندر آیات کا کوئی تفاوت نظر نہیں آتا جس سے کاتبین کی غلط نویسی کا یقین آئے۔ محض اتنی سی بات ہاتھ لگی ہے کہ شیخین (رضی اللہ عنہما) نے سور قرانیہ کو ایک مصحف میں ترتیب دلوایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف محاورات عرب کے مطابق قرآن کے پڑھنے والوں کو روکنے کے لئے اور صرف لغت قریش کے موافق قرآن کی اشاعت کرنے کے لئے شیخین کے جمع کردہ مصحف کی نقلیں اتروائیں یا حجاج نے اپنے زمانے میں قرآن لکھوائے اور بلاد وامصار میں بھجوائے۔ ان تمام الفاظ اور

اُن کے مفہوم و مدعا کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ولیس خلفا سے منافرت ہے حجاج کے ظالم وسفاک ہونے کا یقین ہے گمان کیا جاتا ہے کہ بجائے جمع و ترتیب یا نقل و اشاعت کے قرآن کے الفاظ و عبارات میں تحریف کیگئی ہوگی۔ یہاں تک بھی میلان طبیعت کا اقتضا ہے اور جائے تعجب نہیں۔ کیونکہ جب ایک بار کسی شخص کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو جائے تو اُسکے ہر قول و فعل میں خردہ گیری کرنے کی خواہش پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ مگر ہمارے زود رنج و ودیر پشیمان بھائیوں نے غضب یہ کیا کہ "تحریف کیگئی ہوگی" کہتے کہتے فرط غضب سے "تحریف کی گئی ہے" کہنا شروع کر دیا۔ اور دیکھا نہیں کہ اسکا ثبوت کہاں سے لائیں گے +

صاحبو! دیکھئے۔ قرآن کے ساتھ مسلمانوں کا شغف تمام دُنیا کو حیرت میں ڈالے ہوئے ہے۔ اور جس کثرت سے یہ کتاب ہر زمانے میں پڑھی پڑھائی جاتی رہی ہے اس کا دنیا کی کوئی آسمانی اور انسانی تصنیف مقابلہ نہیں کر سکتی (ملاحظہ ہو انسائی کلوپیڈیا برٹانی کا لفظ قرآن) تمام قرآن کو بر زبان یاد کرنا مسلمانوں کا مایہ امتیاز رہا ہے۔ دیگر مذاہب و علوم کی کسی کتاب کو یہ شرف شاذ و نادر ہی حاصل ہوا ہوگا۔ اور سب قرآن نہیں تو اُس کے حصے جو نماز وغیرہ میں کثرت سے پڑھے جاتے ہیں قریب قریب ہر مسلمان کے ورد زبان ہیں۔ روزانہ قرآن کے کئی کئی پارے اکثر مسلمان ہمیشہ سے تلاوت کرتے رہے ہیں۔ تمام اسلامی فرقوں کے اصول و فروع اور عقاید و اعمال کی کتابوں میں اوراد و اشغال کے طوماروں میں۔ تاریخ و سیر۔ فصاحت و بلاغت۔ صرف و نحو۔ شعر و سخن کی کتابوں میں حتے کہ حکایتوں اور داستانوں کے دفتروں میں۔ غرض مسلمانوں کے ہر فرقے۔ ہر فن۔ ہر ملک اور ہر زمانے کی تصنیفوں میں قرآن کی آیتوں کی آیتیں مندرج ہیں اور سب سے قطع نظر خود شیعی بزرگواروں کی تصانیف میں۔ انکے مجتہدوں اور مقتداؤں کے کلام میں ائمہ اطہار کے ملفوظات اور ارشادات میں۔ احادیث نبویہ میں جو خود شیعی حفاظ حدیث نے جمع کی ہیں مبدار آغاز اسلام سے اسوقت تک کسی سن و سال کی تحریر دیکھو قرآن کریم کی آیات جا بجا مذکور ہونگی۔ اور اوراد و اشغال کے ذکر میں سورتوں کی سورتیں اور دیگر مطالب و مقاصد کے ذکر میں آیتوں کی آیتیں مندرج نظر آئینگی۔ ان سب کتابوں کو دیکھو اُن کے اندر اقتباسات قرآنیہ کو ڈھونڈو زمانہ رسالت پناہی میں اور آج کے دن۔ ہزار برس پہلے اور ہزار برس بعد کی ہر تصنیف میں ہر روایت میں یہی ایک شکل ایک عبارت اور

ایک مفہوم کی آیتیں نظر آئینگی اور کسی جگہ کوئی عبارت ایسی نظر نہ آئے گی جس کو آیت قرانیہ کہا گیا ہو اور موجودہ قرآن میں نہ ملے۔ یہ ہے وہ تواتر جو صرف قرآن کریم کو حاصل ہے اور دنیا کی کسی کتاب کو میسر نہیں۔ انجیل و تورات کے ماننے والے تعداد میں مسلمانوں سے زیادہ ہیں مگر ان کا سو برس بعد کا اڈیشن کسی پہلے اڈیشن سے نہیں ملتا اور ہمارے ہاں تیرہ سو برس میں کسی ایک شخص کی زبان سے آیت قرانیہ میں تفاوت سُنا نہیں گیا۔ یہی وہ حفاظت ہے جو خدائے پاک و برتر نے اپنے کلام پاک کی ہمیشہ کی املا کرتا رہے گا۔

صاحب عالم کہتے ہیں کہ قرآن کتاب ہے اور کتاب ممکن التحریف ہے تو قران میں تحریف کیوں نہو۔ مگر اُنہوں نے خیال نہیں کیا کہ تحریف کا یا کسی اور واقعہ کا ممکن ہونا اور بات ہے اور وجود میں آنا اور۔ بہت سی ممکن باتیں ہیں جو قیامت تک موجود نہ ہونگی۔ اور یہی تو اعجاز ہوگا۔ کہ قرآن کریم باوجود کتاب ہونے اور باوجود ممکن التحریف ہونے کے محرف نہ ہو سکے۔ اگر قرآن ممکن التحریف نہوتا۔ تو اس کی نسبت غیر محرف رہنے کا دعوے کرنے میں اعجاز کیا تھا۔ قرآن کا اعجاز ثابت ہوتا ہے۔ تو اسی صورت میں کہ وہ باوجود ممکن التحریف ہونے کے محرف نہیں ہو سکا۔ اس کے اعجاز سے جلنے والے اور اس کی عظمت پر حسد کرنے والے زمانہ رسول علیہ السّلام سے لے کر آجتک اس کی کسی ایک آیت کو بھی بدلکر مشہور کرنے اور اپنے دخل و تصرف کو موثر بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور اور اُسوقت سے آجتک جن الفاظ کو قران کہہ کر پیش کیا گیا ہے۔ بعینہٖ وہی نکلے ہیں جو آجکل کے قرانوں میں مکتوب و مسطور ہیں۔

لیکن اگر قرآن کوئی اور چیز ہوتی اور مروجہ مصاحف جداگانہ تصنیف ہو کر قرآن کے نام سے مشتہر کئے جاتے یا اگر قرآن یہی ہوتا۔ مگر مختلف مقامات سے اسکا دو تہائی حصّہ حذف کر دیا جاتا۔ اور باقی حصّے میں ایسا تغیر و تبدل ہوتا کہ اس کا مفہوم و مدعا بدلجاتا۔ اور فصاحت باقی نہ رہتی تو اور نہ سہی ائمہ اہلبیت جو اشاعت مذہب اسلام اور اظہار حق و معارف قرآنیہ کی ذمہ واری اور تبلیغ احکام الٰہی کے شغف و محبت میں اور سب مسلمانوں سے بالاتر تھے حقیقت حال سے پردہ اُٹھانے اور شاہد قرآن کے منور خط و خال کو دُنیا سے روشناس کرنے کا کوئی موقع فروگذاشت نہ فرماتے حیدر کرار اور اُن کے اخلاف و احفاد کو معاذ اللہ ظالم بدہاں ایسا بزدل قرار دینا کہ خلفاء ثلٰثہ

اور ان کے ہمخیالوں کے اجتماع سے خوف زدہ ہو کر امر حق کا اظہار کرنے سے باز رہے دوستی کے لباس میں عداوت اور اسلام کے پردہ میں کفر و نفاق کا اظہار ہوگا جس نفس قدسیہ نے آٹھ سال کی عمر میں ہر طرف سے اعدائے اسلام کے نرغہ میں محصور ہونے اور خاص اپنے کنبہ اور برادری کو درپئے آزار دیکھنے کے باوجود کلمۃ الحق کے اظہار سے گریز نہ کیا اور جسنے تاریخی شہرت حاصل کرنے والی خوفناک شب میں تن تنہا متعدد برہنہ تلواروں کے سایہ میں خوابگاہ رسول کی پاسبانی کی اور جس کے صادق و مصدوق فرزندوں نے اپنے اور اپنی اولاد کے حلقوم پر تیغ و تبر کے زخم برداشت کئے یا زہر قاتل سے قلب و جگر کو چھلنی کروا دیا۔ مگر فاسقوں اور فاجروں کی عظمت و جبروت سے مرعوب نہ ہوئے وہ جس کام کیلئے دنیا میں آئے تھے۔ اسکو بجالائے اور جو درخت خود اُن کے گھر میں نشو نما پا کر بار ور ہوا تھا اُس کے گل و ثمر کو عالم میں تقسیم کرنے کے فریضہ عینی سے ایسے قاصر رہے کہ کسیوقت بھی قرآن کے محذوف حصّوں کا اظہار نہ کر سکے۔ معاذ اللہ باور نہیں ہوتا کہ ائمہ ہدیٰ کا قدر شناس اُن کی مقدس جناب میں اخفاء قرآن کا ایسا نازیبا عقیدہ رکھ سکتا ہو۔

علی الاعلان علی رؤس الاشہاد صداقت قرآنیہ کو نمایاں کرنے کے فرض سے قطع نظر کیجائے تو اپنی خلافت کے زمانہ میں جناب حیدر کرار کو اور اپنے معتقدین کے خفیہ جلسوں میں دیگر ائمہ اطہار کو بہت موقعے حاصل تھے کہ کم از کم مومنین صادق کو سچے اور اصل قرآن کی تعلیم دیتے اور اُن کے مواعظ و فرامین میں محفوظ رہکر وہ تعلیم شیعیان اہلبیت میں مشتہر ہوتی[1] اور اب جبکہ ایک عرصہ دراز سے اہل تشیع تقیہ کی پابندی سے آزاد ہو کر اپنے

[1] اگر اس موقع پر وہی عذر پیش کیا جائے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ کہ اصل قرآن کو پڑھنے اور اُسپر عمل کرنے سے ممانعت ہو چکی ہے اور جب تک امام آخر الزمان ظہور نہ فرمائیں اُس قرآن کو مشتہر کرنا جائز نہیں تو ماننا پڑے گا۔ کہ تحریف کا الزام خلفائے ثلثہ پر غلط ہے۔ بلکہ اُنہوں نے یہ کام الہام ربانی سے کیا تھا۔ کہ قرآن کا جسقدر حصہ امام آخر الزمان کے وقت تک ممنوع التلاوت اور ناقابل عمل تھا۔ اس کو حذف و تبدیل کر دیا اور ایک طرح سے فعل خداوندی کی اصلاح کی۔ کیونکہ حقتعالےٰ کیطرف سے قرآن کے اُن حصّوں کا نازل ہونا جنپر تیرہ سو سال تک عمل کرنے کا موقع آنے والا تھا معاذ اللہ ایک غلطی کا ارتکاب تھا اور چاہیئے یہ تھا کہ بقدر ضرورت وحی کا القا ہوتا اور جو فرائض امام آخر الزمان کے وقت میں عائد ہونے والے تھے اُن کی وحی جناب امام کے واسطے ملتوی رکھی جاتی اور اُنہی کی ذات پر نبوت کا

اصول و عقائد علی الاعلان ظاہر کرتے ہیں اس زمانے میں ان کے پاس منزل من اللہ قرآن کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱ خاتمہ ہوتا لیکن ایسا نہیں ہوا اور قبل از وقت تمام وحی نازل کردیگئی تو اس میں خلفا کی اصلاح و ترمیم بالکل حق بجانب تھی اور ائمہ کو جو امر خلفا کی شکایت میں فریاد و واویلا کرنے کے بعد معلوم ہوا وہ کسی طرح کی وحی سے خلفا کو پہلے معلوم ہو گیا تھا۔ اور اسلئے اُنھوں نے قرآن کے دو تہائی حصہ پر قلم پھیر دیا +

شیعی مسلک کے مطابق ارادۂ باریتعالےٰ کا بدلجانا حیرت انگیز نہیں۔ ابی حمزہ ثمالی امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ حقتعالےٰ نے امام الزمان کی بعثت کا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سال بعد مقرر کیا تھا۔ مگر امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے حقتعالےٰ کا غضب نازل ہوا تو امام کی بعثت کو بڑھا کر ایک سو چالیس سال کی میعاد کردی مگر ہمنے تم لوگوں سے قصہ بیان کر دیا اور تمنے اسکو شہرت دیدی تو اب غیر متعین وقت تک امام کی تشریف آوری ملتوی کر دی گئی (اصول کافی کتاب الحجۃ باب کراہیۃ التوقیت) اس عقیدہ کو عقیدۂ البداء کہتے ہیں اور اصول کافی کتاب التوحید میں ایک باب البداء کے نام سے قایم کیا گیا ہے جسمیں لکھا ہے کہ اس عقیدہ سے بڑھ کر خدا کی عبادت اور خدا کی تعظیم کسی فعل سے نہیں ہو سکتی اور وہ عقیدہ یہ ہے کہ خدا کا ایک علم مخزون ہے اسمیں جس امر کو چاہے مقدم مؤخر کر دیتا ہے۔ البتہ جو علم ملائکہ اور انبیا کو دیا جاتا ہے اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا مگر ہمنے مذکورہ بالا حدیث میں دیکھا کہ امام کے آنیکا وقت ائمہ کو بتا کر بھی اس میں تغیر کر دیا گیا۔ تو جسطرح وہاں واقعات مابعد نے ثابت کر دیا کہ امام کا وقت مقرر کرنا مناسب نہ تھا۔ اسی طرح یہاں تمام شریعت اسلامیہ جو قیام قیامت تک کارآمد ہو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمانے کے بعد حالات نے ظاہر کیا کہ اسکا بڑا حصہ تیرہ سو سال تک بھی کارآمد نہ ہوگا پس ائمہ کو اسکے اخفا کا حکم دیدیا گیا چنانچہ اصول کافی کتاب الایمان والکفر میں ایک باب کتمان کا قائم کیا گیا ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ کہ تم ایسے دین پر ہو جسکو مخفی رکھنے میں عزت ہے اور مشتہر کرنے میں ذلت ہے۔ اور دین کی اشاعت ایسا ہی گناہ ہے جیسے دین کا انکار (اِنَّکُمْ عَلٰی دِیْنٍ مَنْ کَتَمَهٗ اَعَزَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَذَاعَهٗ اَذَلَّهُ اللّٰهُ + اِنَّ الْمُذِیْعَ لِاَمْرِنَا کَالْجَاحِدِ لَهٗ) یہ سب کچھ شیعی مسلک کے مطابق تعجب خیز نہیں عجب اور لاینحل معما ہے تو یہ کہ معاذ اللہ دین سے بیگانہ اور نفاق سے ملوث خلفا کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ شریعت کے اسقدر احکام اور قرآن کا اسقدر حصہ قابل اخفا ہے اور اسکو حذف کر دینا چاہئے۔ ؎ سر خدا کہ عارف سالک بکس نگفت + در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

مگر نہیں یہ سب کچھ یاروں کی جدت طرازی اور افتراع نفس ہے۔ خدا کا علم ہر طرح سے مکمل ہے اور عالم میں جو کچھ تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ اس کو سب کا علم ہے۔ اور اسی علم کا کوئی حصہ مقربین خاص کو عطا کیا ہے جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ وہ فرماتا ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ ط وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ط اور ارشاد ہے عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ اسیطرح جو احکام اُسنے نافذ فرمائے ہیں مخفی رکھنے کیلئے نہیں ہیں جس شخص تک وہ پہنچیں اُنکا شائع کرنا اُسپر فرض ہے اور وہ ہر کہ اظہار حق پر حق تعالی حافظ و ناصر ہوگا۔ اظہار حق کو انکار حق کے برابر جرم ماننا ہو نہایت بیباکی ہے اور تقیہ کو فرض کہنا سخت بزدلی وہ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط اور ارشاد ہے وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ نیز اگر

بقیہ صفحہ ۱۳ پر دیکھو

اصل نسخے موجود تھے جن کو وہ تلاوت کرتے۔ نمازوں میں پڑھتے لوگوں کو اسکے اعجازی اسلوب ادا کا قائل بناتے اور دکھاتے کہ ان کے پاس وہ دولت ہے جو عالم اسلام میں کسی کے پاس نہیں ۔

اس فرض اشاعت کے علاوہ جو اہلبیت نبوت پر یقیناً عائد رہا ہے جسوقت جنگ صفین میں فریق مخالف نے عاجز آکر قرآن کے نسخے نیزوں پر بلند کئے ہیں اور حکم قرآنی کے مطابق فیصلہ کرنے کی طرف بلایا ہے اور جان نثاران جناب مرتضوی اُن کے فریب میں آکر جنگ کو روکنے کے خواہشمند ہوتے ہیں اور جناب علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے حتے المقدور رفقا کو اُنکے فریب سے آگاہ کرنے اور جنگ کو جاری رکھنے کی کوشش کی ہے مگر کچھ اثر نہیں ہوا اور حضرت کو بادل ناخواستہ نہایت افسوس کے ساتھ امتناع جنگ کا حکم صادر فرمانا پڑا ہے (طبری واکثر خطبات نہج البلاغت) اسوقت خاص موقع اور مصلحت وقت کا تقاضا تھا کہ جناب حیدر کرار فرماتے اور ہمراہیوں کو آگاہ کرتے کہ جو قرآن نیزوں پر بلند ہے وہ قرآن ہی نہیں۔ شیخین اور عثمان کے وقت کے آئین و قوانین کا مجموعہ ہے۔ اس میں وہ آیات ہی نہیں رکھی گئیں جن سے ہم وصی رسول اور واحد مستحق امامت قرار پاتے ہیں تو اس قرآن کی عظمت کیا اور اسکے فیصلہ پر انحصار کیسا۔ سچا قرآن ہمارے پاس ہے۔ مخالفین اس کے فیصلہ پر رضامند ہونا منظور کریں تو جنگ ختم کیجاسکتی ہے۔ ورنہ غلط کتاب اور اسکے غلط احکام ہی پر رضامند ہونے کی سزا ہے جو جنگ کی صورت میں ہمارے ہاتھوں سے اُن کو دیجا رہی ہے۔ اسکو روکنا اور اُسی غلط فیصلہ پر خود ہم کو رضامند ہونا کیا معنے رکھتا ہے۔ مگر آہ جناب مرتضوی کی اُسوقت کی تمام تقریریں اور دیگر مواقع کے فرامین و اقوال شیعیان علی کے پاس محفوظ ہیں اور انہیں ملتا تو تحریف قرآن ہی کی نسبت جناب مرتضیٰ کی جانب سے کسی صراحت و کنایہ کا نشان نہیں ملتا۔

جب یہ کیفیت ہے اور جناب علی مرتضیٰ بالخصوص اور تمام ائمہ ہدے اکثر و بیشتر موجودہ قرآن کے آیات و سور سے استشہاد کرتے رہے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ تحریف قرآن کا دعوے زمانہ مابعد میں ایجاد ہوا ہے اور جب بحث خلافت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی امامت و وصیت کا صریح حکم قرآن کریم سے مل نہیں سکا تو روائتیں وضع کی گئی ہیں کہ قرآن کے وہ الفاظ ہی نکال ڈالے گئے ہیں جو حضرت علی کی جانشینی کا فیصلہ کرتے تھے بلکہ قرآن کا بہت سا حصہ حذف کردیا گیا ہے جو امام آخرالزمان کے وقت میں ظاہر ہوگا۔ گویا رسول خدا صلی اللہ

بقیہ صفحہ ۱۲۔ مجرمانہ طور پر کسی نے کسی امر حق کو معدوم کر دیا ہی تو اس کا اثر یہ نہیں ہوسکتا کہ آئندہ کے لئے اس کو مخفی رکھنا فرض قرار پا جائے

بقیہ صفحہ ۱۷ پر

علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی ایک عرصہ دراز کے لئے تنزیل قرآن کا مقصد اولین اور نصف سے زائد کلام الٰہی مخالفین نے ایسے پُراسرار طریق پر ضائع کر دیا کہ اس عرصہ میں اسکے مطالب و مقاصد سے کسی کو براہ راست اطلاع نہ ہو سکی اور بعثت رسُول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ایک سب سے بڑا مدعا یعنے حضرت علی کا بلافصل جانشین ہونا اور امامت وخلافت کا اُنکی اولاد میں متوارث چلے آنا ظہور پذیر ہو ہی نہ سکا۔ حالانکہ جب اسلام خدائے علیم وقدیر کی طرف سے بھیجا گیا ہے تو اس کے اغراض و مقاصد کی کیسی ہی مخالفت کیجاتی اس کی تمامتر ترقیوں اور کامیابیوں کو ضرور پورا ہو کر رہنا تھا اور جس طرح جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے خلاف کفار عرب کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں اور خدا کا نور کامل ہو کر رہا۔ اسی طرح اگر امامت بھی رسالت کی مانند منزل من اللہ ہوتی اور اگر جناب علی مرتضیٰ کا بحیثیت وصی رسول مسند امامت کو زینت دینا اغراض اسلام میں داخل ہوتا۔ اور قرآن کریم میں اسکے متعلق صریح ہدایات درج کر دیجاتیں تو مخالفت بیشک ہوتی مگر یہ مدعا پورا ہو کر رہتا اور رسالت کے بعد امامت کو زینت دینا اغراض اسلام میں داخل ہوتا اور قرآن کریم میں اسکے متعلق صریح ہدایات درج کر دیجاتیں تو مخالفت بیشک ہوتی۔ مگر یہ مدعا پورا ہو کر رہتا اور رسالت کے بعد امامت کو جلوہ فگن ہونے سے کوئی انسانی کوشش روک نہ سکتی اور جن جہات جلیلہ کا رستہ دکھانے کیلئے قرآن میں احکام صادر ہو چکے تھے عاجز اور خود غرض انسانوں کو اسکے روک دینے اور قرن ہائے دراز تک اسکے حکم کو مخفی رکھنے میں کامیابی نہ ہوتی۔ ایسا نہیں ہو سکتا اور ملت حنفہ حنیفیہ کا کوئی مدعا اپنے وقت پر ظہور پذیر ہونے سے رُک نہیں سکتا۔ تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جو کچھ ہوا یہی منشاء ربانی تھا۔ اور خدا کا بے عیب ہاتھ رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں کارفرما ہو کر نور رسالت کو تمامیت تک پہنچا چکا۔ تو اسکی قیام و دوام کے لئے ناقص انسانی ہاتھوں سے کام لینے کی نوبت آئی اور انسانی کوششوں سے جو جو مکمل یا نامکمل کام ہو سکتے تھے اپنے اپنے وقت میں پورے ہوتے رہے اور اسی ضمن میں وقت معین پر دین متین کی جو خدمات جناب علی مرتضےٰ کے سپرد تھیں وہ آنجناب کی ذات سے پوری کروائی گئیں۔ تنزیل قرآن کا کوئی مدعا فوت نہیں ہوا اور مشیت ربانی پر مشیت انسانی غالب نہیں آسکی۔ کلام الٰہی مکمل تھا اور مکمل رہا اور انسانی ہاتھ اسکو ناقص نہ کر سکتے تھے نہ کر سکے۔

بقیہ صفحہ ۱۴۔ بلکہ اہل انصاف پر فرض ہوگا کہ مخفی امر کو حتی الامکان اشاعت دین اور اگر اسکے خلاف اسکو مخفی رکھنے کی کوشش میں مصروف ہونگے تو مددگار جرم تصور ہونگے اور حسب حکم باریتعالےٰ لعنت کے مستوجب ٹھہرینگے خدا فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰۗىِٕكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ط۔ اور ارشاد ہوتا ہے تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط

(۲)
باب دوم

جمع قرآن اور خدمات جناب شیخین (رضی اللہ عنہما)

اب سوال ہوتا ہے کہ قرآن کریم مکمّل تھا۔ تو خلفاءِ ثلثہ (رضوان اللہ علیہم) نے اس میں تصرف کیوں کیا؟ کسی چیز کو ناقص سمجھکر مکمّل کرنے کے لئے تصرف ہو سکتا ہے۔ مگر مکمّل پر تصرف کرنے کا نتیجہ اُسکو ناقص کرنے کے سوا کیا ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ تصرف کچھ نہیں کیا۔ سوا اس کے کہ مکمّل کو ناقص کرنے والوں کے تصرّف سے محفوظ رکھنے کا سامان کر دیا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی دنیا میں آنے کی صورت بھی دنیا کی تمام تصانیف سے نرالی ہے۔ انسان تصنیف کرتا ہے۔ تو مضمون کو اوّل سے آخر تک سوچکر قلم اُٹھاتا ہے۔ اور لکھتا ہوا آغاز سے انجام تک پہنچ جاتا ہے۔ خدا نے جتنی کتابیں دُنیا میں بھیجیں اُن میں سے اکثر کی تنزیل وتدوین کا علم دنیا کو نہیں۔ ایک توریت کا حال ملتا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر جاکر الواح پر لکھے ہوئے احکام لے آئے مگر قرآن ایک ایک۔ دو۔ دو۔ دسؔ۔ دسؔ اور بیسؔ بیسؔ آیتوں کی قسط میں وصول ہؤا ہے اور قسطیں بھی ایک سورہ کی متواتر نازل نہیں ہوئیں یا کبھی ایک یا چند آیتیں آغاز کی نازل ہوگئی ہیں۔ کبھی آخر کی اور کبھی بیچ میں سے کسی اور مقام کی۔ اور یہ بھی نہیں ہوا کہ ایک سورہ کو مکمل کر دینے کے بعد دوسری سورہ کو شروع کیا گیا ہو۔ نہیں بلکہ کئی کئی سورتیں بیہم نازل ہوتی رہی ہیں۔ اور ہر ایک آیت کا الہام ہونے کے بعد القاء ربانی سے ہی معلوم ہوتا رہا ہے۔ کہ اس کو فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد رکھا جائے (مشکوٰۃ بروایت احمدؒ ترمذی وغیرہما کتاب فضائل القرآن) اور نزول قرآن کا یہ سلسلہ وفات جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰت والتحیات تک برابر جاری رہا ہے۔ بلکہ وفات کے قریب وحی پہلے کی نسبت زیادہ نازل ہوئی ہے (بخاری کتاب فضائل القرآن) اور خاص رحلت فرمانے کے دن اور بھی زیادہ احکام کا نزول ہؤا (مسلم کتاب التفسیر) اور کبھی کسی سورہ کی نسبت یہ حکم بھی نازل نہیں ہؤا کہ فلاں آیت پر یہ سورہ ختم ہوگئی۔ آئندہ

اس سورہ میں اضافہ ہوگا۔ ہاں ہر ایک سورہ جسقدر نازل ہوتیں گئی نمازوں میں اور تلاوت کرتے ہوئے اسی ترتیب کے موافق جو اسوقت تک موجود ہوئی پڑھی جاتی رہی خواہ خدا کے علم میں وہ سورہ مکمل ہوچکی ہو یا اس کے کسی مقام پر کچھ اور اضافہ ہونے والا ہو۔

اسطرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عین وقت وفات تک قرآن کے تمام ہونے بلکہ اُس کی مختلف سورتوں کے مکمل ہونے کا بھی کسی کو یقین نہ تھا حضرت کا وصال ہؤا۔ وحی کا انقطاع ہوگیا۔ تو سب کو یقین آیا کہ حقتعالے کی طرف سے جو پیغام آنے والا تھا مکمل ہوچکا۔ اس صورت میں تمام قرآن ایک طرف کوئی ایک سورہ بھی ایسی نہ تھی جس کو مکمل ہونے کے یقین سے ایک کاغذ پر لکھ لیا جاتا جبکہ کاغذ تھا بھی کمیاب تو افسوس ہوتا ہوگا جبکہ لکھی ہوئی سورہ کے ایک یا چند مقامات پر اور آیات درج کرنے کی صورت میں وہ پرچہ بیکار یا غیر مربوط ہوجاتا ہوگا۔ اس لئے اکثر و بیشتر مختلف پرزوں پر لکڑی کے ٹکڑوں پر۔ شانہ کی ہڈیوں پر اور چمڑوں پر کہیں ایک آیت کہیں دو آیتیں کہیں زیادہ لکھی پڑی رہتی تھیں۔ اور کلام الہی کے عاشق ایسے مختلف مجنس اور مختلف القامت انباروں کی جان سے زیادہ عزیز سمجھکر حفاظت کرتے رہتے تھے۔ ایسی بے سامانی کے عالم میں تمام قرآن کو ضبط تحریر میں لانے کا حوصلہ ایسا دشوار تھا کہ جان و مال سے زیادہ عزیز رکھنے کے باوجود آنحضرت کی حیات میں تمام وحی کو لکھ لینے والے شیعی روایت میں حضرت علی کے سوا کوئی نہیں (اصول کافی کتاب الحجۃ باب لم یجمع القرآن کلہ الا الائمۃ) اور حضرت علی نے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمع کیا ہے جیسا کہ جابر بن یزید حضرت امام باقر علیہ السلام کی زبان سے جناب علی مرتضےٰ کا ایک خطبہ روایت کرتے ہیں اور اس کے آغاز میں حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ یہ خطبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے سات روز بعد جبکہ حضرت علی قرآن کی جمع و تالیف سے فارغ ہوئے تو بیان فرمایا ہے (کافی کتاب الروضہ خطبۃ الوسیلہ)۔ سنی روایت میں تمام قرآن جمع کرنے والے حضرت انس کو صرف چار اُبیؓ ابن کعب۔ معاذؓ بن جبل۔ زیدؓ بن ثابت اور ابو زیدؓ رضوان اللہ علیہم یاد رہے ہیں (مشکوٰۃ از بخاری و مسلم باب جامع المناقب) اور دیگر روایتوں میں حضرت ابن مسعود۔ جناب علی مرتضےٰ۔ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ

(رضوان اللہ علیہم) کے اسماء گرامی بھی جامعین قرآن میں شمار ہوئے ہیں۔ ممکن ہے چند اور باہمتوں نے بھی جمع کرنے کی کوشش کی ہو مگر بہرکیف وہ تھے معدودے چند اور اُن کے سوا سب یا اکثر مسلمانوں کو سامان تحریر کے کمیاب ہونے اور قرآن میں پیہم اضافہ ہوتے رہنے کے سبب سے تمام قرآن کو جمع کرنے کی ہمّت نہیں ہوئی اور جن جن بزرگواروں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں قرآن جمع کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ان میں سے بھی کسی کا مصحف مکمل قرآن کہلانے کے قابل نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ نیز تمام قرآن جمع کرنے والوں کے مصحف بھی کاغذ کے مجلد مجموعہ میں محفوظ نہونگے۔ کیونکہ ایک طرف کاغذ کی کمیابی کی شکایت ہے اور کتاب کے ہر موقع پر آیات ایزاد ہونے کا احتمال تو دوسری طرف جمع قرآن کی تمام روایتوں میں پرزوں۔ ہڈیوں اور چمڑوں وغیرہ سے نقل کرنے کا ذکر ہے۔ کسی ایک مجلد کا ذکر جسپر تمام قرآن لکھا ہوا کسی کے پاس پایا گیا ہو کسی روایت سے ثابت نہیں +

یہ تھی کیفیت تحریر قرآن کی جسوقت جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ ہاں اہل عرب کا حافظہ اور قوت یادداشت غضب کی تھی۔ مجلسوں میں شاعر کی زبان سے ایک بار قصیدہ سنتے تھے۔ اور ازبر کر لیتے تھے۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو آیت اور جو سورہ سن پاتے تھے۔ ضرورت کے مطابق سبکو اور سب کی سب اکثر کو یاد ہو جاتی تھی اور جو جو اضافہ ہوتا رہتا تھا جس جس کے کان تک پہنچتا تھا۔ اسے بھی یاد کر لیتا تھا۔ جو نہ سن سکتا تھا مجبور تھا۔ اسطرح کے حفاظ قرآن کثرت سے تھے اور تلاوت و قراءت کا انحصار اسی حافظہ و یادداشت پر تھا ورنہ مختلف چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں اور پرزوں کو دیکھ دیکھ کر تلاوت کرنے کا کام ظاہر ہے کہ اشکال سے خالی نہ تھا +

مگر حافظہ کی یہ قوت اور اس شکل میں قرآن کی حفاظت صرف ملک عرب اور اُسی زمانے کے اہل عرب میں ممکن تھی۔ ہمیشہ کے لئے اور تمام دُنیا کیواسطے یہ انتظام کافی نہو سکتا تھا۔ اُدہر قدرت کا قاعدہ ہے۔ کہ جب تک ضرورت مجبور نہ کرے ایجاد کا خیال پیدا ہو نہیں سکتا۔ حافظہ پر کامل اعتماد تھا۔ تو یکجا کرنے اور صفحہ قرطاس پر لانیکی خواہش کیوں ہوتی۔ قدرت کو یہ خدمت لینی منظور تھی اسلام کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے ارشاد سے اور کلام الٰہی میں علم وحکمت کے فضائل مذکور ہونے سے نوشت وخواند کا چرچا پھیلا اور تحریر کا ملکہ پیدا ہوتے ہی حسب قاعدہ حافظہ میں کمی آنی شروع ہوئی اُدھر جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کثرت سے شہید ہوئے آئندہ نسلوں میں اُس کثرت سے حفاظ پیدا ہوتے نظر نہ آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دوربین نظر جو کئی موقعوں پر وحی سے پہلے آنے والے حکم کی ضرورت کو محسوس کر لینے کی قوت ظاہر کر چکی تھی اسوقت بھی بر سر کار آئی اور آنجناب نے قرآن کو ایک جگہ کاغذ پر تحریر کر لینے کی مصلحت پر زور دیا اور آپ کے مشورہ سے حضرت ابوبکر صدیق آمادہ ہوئے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس خدمت جلیلہ پر مامور فرمایا۔

زید بن ثابت کاتب وحی رہ چکے تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قرآن سُنا چکے تھے اور اپنی وفات تک ہمیشہ لوگوں کو قرآن سنانے کی خدمت بجا لاتے رہے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر مبارک کے آخری رمضان میں جبریل علیہ السلام کی معیت میں دوبار قرآن کا دور کیا ہے تو زید بن ثابت کو اس تلاوت کے وقت حاضر رہنے اور زبان حقیقت ترجمان سے اسوقت تک جسقدر قرآن نازل ہو چکا تھا۔ وہ سب کچھ سُننے کا فخر حاصل تھا۔ (اتقان بحوالہ شرح السنۃ بغوی آخر باب شانزدہم) اس کے علاوہ حضرت زید بن ثابت کو خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیکر تعلیم دلوائی اور اپنے حضور میں بطور سررشتہ دار کے تمام خط وکتابت کا پڑھنا اور لکھنا اُن کے سپرد کیا تھا (سنن ابی داؤد کتاب العلم) اس طرح پر فن تحریر میں اور کتابت احکام وفرامین میں زید بن ثابت کو امتیاز خاص حاصل تھا۔ جو تحریر قرآن کے لئے ان کے انتخاب کا باعث ہوا۔

کام بظاہر کچھ دشوار نہ تھا حضرت زید بن ثابت اپنے حافظہ سے کام لیتے یا کسی اور حافظ سے سُنتے جاتے تو اوّل سے آخر تک قرآن کریم تحریر کر سکتے تھے۔ یا جن لوگوں نے قرآن جمع کیا ہوا تھا۔ اُن کے تمام پرچے جمع کرتے اور نقل کر لیتے۔ قرآن کا اسلوب خاص ہے۔ اور اُسوقت سے لے کر آج تک عربی زبان کا کوئی جملہ جو انسانی طبیعت سے نکلا ہو طرز ادا میں قرآن کے مشابہ نہیں ہو سکا۔ وہ لوگ بیس سال تک

قرآن کی روانی اور سلاست سے گوش آشنا ہوتے رہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے روزانہ سنتے اور خود پڑھتے پڑھاتے رہے تھے۔ اثنائے تحریر و تقریر میں کوئی انسانی عبارت سامنے آتی تو فوراً پہچان کر قرآنی عبارت سے علیحدہ کر سکتے تھے یہ سب کچھ سہل تھا۔ مگر حقیقت میں کئی طرح کی دشواریاں بھی تھیں۔ جن لوگوں نے قرآن جمع کیا ہوا تھا۔ اگر انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو دن پہلے بھی قرآن لکھا ہے تو اسپر یقین نہ ہو سکتا تھا۔ کہ مکمل قرآن ہے۔ کیونکہ اسوقت تک وحی کا سلسلہ منقطع نہ ہوا تھا۔ دوسرے مختلف سورتوں کے اندر مختلف مقامات پر آیات کے اضافہ ہونے کی شکل یہ تھی کہ کبھی سفر میں وحی کا القا ہوا ہے۔ کبھی حضر میں۔ کبھی حرم سرا کے اندر وحی نازل ہوئی ہے کبھی کسی اور مقام پر۔ کبھی شب کو تنہائی میں اور کبھی دن کو بھری محفل میں۔ اگرچہ تازہ وحی فوراً ضبط تحریر میں لائی جاتی تھی (خواہ کھجور کے چھلکے پر ہی کیوں نہو) اور لوگ نئے پیغام کی خبر سنکر پروانہ کیطرح گرتے تھے۔ مگر ہر ایک وحی سے سب دور اور نزدیک والوں کا یکساں مطلع ہونا دشوار تھا۔ کسی موقعہ پر کسی کا اور کسی موقع پر کسی اور کا کسی نہ کسی پیغام سے ناواقف رہجانا اغلب تھا اور جو کچھ یاد ہوا اس میں سے کسی ٹکڑے کا کسی وقت حافظہ میں نہ رہنا بھی ممکن تھا۔ حفاظ قرآن اپنے حافظہ کے وثوق پر اپنی ذات خاص کو فیضیاب کرنے کے لئے جو کچھ یاد ہے۔ اس سے کام لے سکتے تھے اور جسقدر حصہ کسی کو یاد ہے اس کے اندر اس کے علم کے بغیر کسی آیت کا اضافہ ہو چکا ہے تو اس آیت کا اضافہ ہو چکا ہے تو اُس آیت کو تلاوت نہ کرنے سے وہ قصوروار نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن جب تمام دنیا کو نور ہدایت سے منور کرنے کا دستور العمل مکمل شکل میں جانشین رسول علیہ السلام کے دربار سے مشتہر ہونے کو تھا۔ تو اکیلے زید بن ثابت یا کوئی سے ایک دو حافظوں کے اعتبار پر یا کسی شخص واحد کے جمع کردہ قرآن کے بھروسہ پر تمام قرآن یا اس کے کسی پارہ کو مکمل قرار دینا احتیاط کے خلاف تھا۔ اور کامل تحقیق و تلاش کی ضرورت تھی کہ کہیں اور کسی کے علم میں کوئی آیت یا اسطرح کوئی ٹکڑا ایسا نہو جو درج کرنے سے رہجائے (اتقان باب ہژدہم) تیسرے اسپر بھی سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ کہ سورتوں کے اندر آیات کی ترتیب حکم ربانی سے ہوئی ہے اور اس ترتیب کو بدلنا جائز نہیں مگر تحریریں جو دستیاب ہو سکتی تھیں اکثر چھوٹے

چھوٹے پرچوں پر تھیں جنپر بڑی سورتیں یکجا سما نہیں سکتیں اُن پرچوں کو یکے بعد دیگرے ترتیب دینے میں حافظہ سے کام لینا پڑتا ہوگا اور کبھی سہو و تذبذب پیدا ہو جاتا ہوگا۔ تو ایک دوسرے سے دریافت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہوگی۔ یا جو جو آیتیں لکھنے والوں کے اپنے حافظہ سے باہر دوسروں کے یاد دلانے سے خیال میں آتی ہونگی ساتھ ہی اُن کی ترتیب کا سوال پیش آتا ہوگا۔ اور اس کے متعلق مزید شہادت لینی اور غور کرنا پڑتا ہوگا +

سورتوں کی ترتیب میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ وہ بھی رسول علیہ السلام کے ارشاد پر مبنی ہے اور بعض کے نزدیک صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کے اجتہاد پر مگر جیسا کہ تفسیر اتقان میں علامہ زرکشی کی کتاب بُرہان کے حوالہ سے لکھا گیا ہے اختلاف محض لفظی ہے۔ مختلف روایات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے متعدد سورتوں کی ترتیب کا ذکر پایا گیا ہے۔ اکثر سورتیں آنحضرت کی تلاوت میں بار بار ایک ہی ترتیب سے سنی گئی ہیں۔ بعض صورتوں کے اسباب نزول اور عبارت کے موقعے معلوم تھے۔ جن سے ترتیب میں مدد ملی ہے۔ پس بقول امام مالک سب کچھ اسی طرح ہوُا ہے جسطرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا گیا ہے اور چونکہ روایات کی تلاش اور اسباب نزول اور دیگر قرائن کی تحقیق میں صحابہ کرام کو ایک دوسرے سے دریافت اور تجسس کرنے کی سعی کرنی پڑی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ترتیب صحابہ کرام کے اجتہاد سے ہوئی ہے (اتقان باب شانزدہم فصل ترتیب سور) +

یہ سب کام مختلف حفاظ کے قوائے حافظہ کو ٹٹولنے۔ مختلف چھوٹی چھوٹی تحریروں کو دیکھنے۔ ترتیب آیات و سور کے متعلق مختلف روایتوں اور شہادتوں کو جمع کرنے اور اُن کے ضعف و قوت کا وزن کرنے پر موقوف تھا اور یہ سب کچھ کیا گیا ہے۔ تو قرآن کو ایک مجلد میں محفوظ ہونے کا موقع ملا ہے۔ اور اس کام کے لئے وقت بھی وہی موزوں تھا۔ جبکہ اکثر صحابہ اور حفاظ قرآن موجود تھے جنہوں نے خود جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن سنا ہوُا تھا۔ سال وفات کی قرات و تلاوت کی مجلسیں دیکھی ہوئی تھیں اور نیک کام میں مدد دینے اور شرکت کرنے کا ہر شخص کے دلمیں اشتیاق تھا۔ کچھ زمانہ اور گذر جاتا اور وفات رسول علیہ السلام

سے سو برس بعد یہ کام کرنا چاہتے تو تمام قرآن کے یکجا جمع ہونے کا اہتمام کبھی نہ ہو سکتا اچھا تو جب نقل و تحریر کا کام شروع کیا گیا ہوگا۔ تو اس کا اکثر و بیشتر حصہ بلا اختلاف ضبط تحریر میں آسکا ہوگا کیونکہ جو حصے تمام یا اکثر مسلمانوں کو یاد تھے اور نماز وغیرہ میں پڑھے جاتے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بکثرت سنے جاتے تھے ان کی تحریر میں کوئی اختلاف رونما نہ ہوا ہوگا۔ نماز میں بھی اُن دنوں کی ہمارے زمانے کی سی نہ تھیں کہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰا اور قُلْ ھُوَاللّٰہُ پر ہی انحصار ہو وہاں مغرب کی سب سے چھوٹی نماز میں وَالطُّوْرِ جیسی صورتوں کی یا سورہ اعراف کو دونوں رکعتوں میں نصف نصف پڑھنے کی روایتیں موجود ہیں صحابہ قرآن کے ایسے عاشق تھے کہ آنحضرت کے پیچھے نماز پڑھ کر جاتے تو اور لوگوں کے ساتھ پھر نماز پڑھنے میں مصروف ہو جاتے اور سورۂ بقرہ تک پڑھتے ہوئے نہ تھکتے جس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو روکنا پڑا کہ لوگوں کو فتنہ میں نہ ڈالو اور ایسی لمبی قراءت نہ پڑھو (مشکوۃ باب القراۃ فی الصلوۃ) ایسی مشق و مہارت کی وجہ سے بہت سا کام نہایت آسانی سے طے پا گیا ہوگا۔ پھر بھی تلاش تھی اُن جواہر ریزوں کی جو حضرت کے زمانہ رحلت کے قریب نازل ہوئے۔ اور اکثر لوگوں کی زبان پر جاری نہ تھے کہ وہ کیا کیا ہیں اور کہاں کہاں رکھنے چاہئیں یا سورتوں کو ترتیب دینے میں کہاں تک احکام اور اُن کی روایات موجود ہیں اور کہاں تک قرائن و واقعات سے پتہ لگانے کی ضرورت ہے۔ اس احتیاط کے لئے بار بار لوگوں سے پوچھنے اور ایک شخص کے بتانے پر دوسروں سے اس کی توثیق کرنے کی ضرورت پیدا ہوئی جس کو کلب عباس صاحب اعتراض کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ کہ

حیات رسول میں بہت سے قرآن کامل جمع ہو چکے تھے از اں جملہ کتب احادیث میں مصحف عائشہ۔ مصحف عثمان۔ مصحف اُبیّ ابن کعب و مصحف ابن مسعود وغیرہ مشہور ہیں اور اُبی اور ابن مسعود اور معاذ بن جبل اور سالم غلام حذیفہ حفاظ صحابہ سے مشہور ہیں باوجود اس سامان کے شیخین اور عثمان رضوان اللہ علیہم نے اپنے اپنے زمانوں میں آتے جاتے چلتے پھرتے مسلمانوں سے آیت آیت لیکر قرآن جمع کیا اور ہر ایک آیت کے قرآنی آیت ہونیکی نسبت دو دو صحابہ کی گواہی لی۔"

اس بیان میں یہ تو غلط ہے کہ حضرت کے زمانے میں بہت سے کامل قرآن جمع ہو گئے تھے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ قرآن کا جمع کرنا اُن حالات میں کسقدر دشوار تھا اور جمع کرنے والے معدودے چند سے زیادہ ثابت بھی نہیں ہوتے اور جنہوں نے حیات رسُول میں قرآن جمع کیا اُن کے قرآن مکمل قران ہو ہی نہ سکتے تھے ہاں لوگوں سے آیات کی نسبت دریافت کرنے کا واقعہ بیشک صحیح ہے مگر جو آیتیں آخر ترین زمانے میں نازل ہوئیں یا جن کا علم بہت کم لوگوں کو تھا اُن کو تلاش کرنے کی اور کیا صورت ہو سکتی تھی اور اگر اُن کو کسی ہڈی یا چمڑے پر لکھا ہوا پایا تو اُن کے جائے وقوع اور ترتیب تحریر کو معلوم کرنے کی اور کیا سبیل تھی آہ چشم بد اندیش کو ہنر بھی عیب بنکر نظر آتا ہے۔ حالانکہ یہ تلاش و تحقیق کی انتہائی کوشش تھی۔ جو انسانی طاقت کر سکتی ہے کہ سب لوگوں کو قرآن کے متعلق جو کچھ معلوم ہے اظہار کرنے کی دعوت دی ہے۔ اور جب کوئی ایسی آیت پیش ہوئی ہے۔ جو اکثر لوگوں کو معلوم نہیں تو اُس کو بے سوچے سمجھے قبول بھی نہیں کیا۔ اس کو کسی مقام پر لکھا پایا ہے تو دریافت کیا ہے کہ کوئی اس آیت کو رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لکھوائے جانے کی شہادت بھی دیتا ہے یا کسی نے اپنے حافظہ سے کوئی ایسی آیت پیش کی یا کوئی عبارت دیکھی گئی تو باہم ملکر غور کیا کہ وجوہ نزول قرآن یعنے قرآن کے اسلوب اور طرز ادا کے مطابق ہے یا نہیں۔ یا اور سب طرح تسلّی ہو گئی تو ترتیب معلوم کرنے کے لئے ایسے گواہ کی شہادت بہم پہنچائی جس نے آنحضرت کی آخری تلاوت میں اس آیت کو سنا ہے یا ایسی گواہی تلاش کی جس کے سامنے حضرت نے اس کو کسی خاص مقام پر لکھنے کا حکم دیا ہے۔

اس جستجو کی وہ شکل تھی جسپر ہمارے مہربان آتے جاتے چلتے پھرتے مسلمانوں سے آیت آیت لے کر جمع کرنے کا اعتراض کرتے ہیں۔ آج کا زمانہ ہوتا تو سرکاری گزٹ میں اعلان کیا جاتا۔ اخباروں میں مشتہر کیا جاتا۔ دیواروں پر نوٹس لگتے۔ اُس زمانے میں اُن سب کا قائم مقام در مسجد تھا۔ جناب فاروق اور زید بن ثابت کو دروازہ پر بٹھا دیا۔ مسجد میں ہمارے زمانے کی طرح محلہ کے چند بڈھوں اور اپاہجوں کا ہی گذر نہ تھا۔ اسوقت کا کوئی مسلمان نہ ہوگا۔ جو شہر میں رہے اور وقت پر مسجد میں نہ آئے۔ ہر شخص سے پوچھا جانے لگا اور جو سوال پیش آیا۔ اُس کے متعلق

ثبوت پیدا کرنے کے لئے آسانی سے اعلان ہوگیا اور اس تمام تلاش و تحقیق سے کئی آیتیں دریافت ہوگئیں جو کوئی سے ایک دو حافظوں کے حافظہ پر بھروسا کیا جاتا یا مختلف ٹکڑوں اور ہڈیوں کے کسی ایک انبار سے نقل اتار لی جاتی تو درج نہو سکتیں۔ چنانچہ سورۂ احزاب کی ایک آیت مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا الخ زید بن ثابت کو یاد تھی لکھی ہوئی نہ ملتی تھی ابی خزیمہ[1] بن ثابت انصاری کے پاس لکھی ہوئی مل گئی تو وثوق ہوا اور درج کی گئی۔ سورہ توبہ کی آخری آیت لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ بھی کسی کے پاس نہ تھی وہ بھی ابی خُزیمہ کے پاس ملی تو لکھی گئی۔ ابو شامہ کہتے ہیں کہ

مدعا یہ تھا کہ صرف حافظہ پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لکھے جانے کی شہادت بھی لینی چاہئے۔ اسی لئے سورۂ توبہ کی آخری آیت کی نسبت کہا گیا ہے کہ ابی خزیمہ کے سوا کسی کے پاس نہ نکلی۔ یعنے لکھی ہوئی کسی اور کے پاس نہ نکلی (اتقان باب شانزدہم)۔"

آیت رجم حضرت عمرؓ نے پیش کی شخصیت اور رسوخ کا اثر ہوتا تو جناب فاروق کا قول کبھی رد نہوتا مگر وہاں تحقیق اور ثبوت پر مدار تھا۔ شخص واحد پر خطا و نسیان کا احتمال ہے کوئی اور شہادت یا تحریر مل نہ سکی۔ سب نے بالاتفاق لکھنے سے انکار کر دیا۔ (اتقان باب شانزدہم ذکر در مسجد تا آخر باب)

حضرت عمرؓ کی جناب پر جو لوگ خود غرض ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ اس

---

[1] اس تلاش و تفتیش سے یہی دو آیتیں دریافت نہیں ہوئیں جن کو خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے تصریح موجود ہے کہ جو آیت کسی شخص نے پیش کی ہے اُسپر جبتک کم از کم دو شخصوں کی شہادت دستیاب نہیں ہوئی درج نہیں کی گئی۔ ان دو آیتوں کو خاص طور پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکیلے ابی خزیمہ کی تحریر دیکھ کر قبول کر لی گئیں۔ اس لئے کہ ابی خزیمہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا امین و صادق تصوّر فرمایا تھا کہ اُن کی واحد شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ایک موقعہ پر یاد رفتگاں کرتے ہوئے حسرت کے ساتھ فرماتے ہیں: "کہاں ہیں میرے وہ بھائی جو راہ خدا میں سوار ہوتے تھے اور اسی اعتقاد حقہ پر گذر گئے۔ کہاں ہے عمارؓ کدھر ہے ابن تیہانؓ۔ کس طرف ہے ذوالشہادتین (خزیمہ جسے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم دو عادل گواہوں کے برابر سمجھتے تھے) ترجمہ نہج البلاغت صفحہ ۲۶۸ مطبع یوسفی

واقعہ سے عبرت لیں۔ آنجناب کو اپنی بات پر اصرار ہوتا تو اُس وقت نہ سہی اپنی خلافت کے زمانے میں آیت رجم قرآن کے اندر درج کر سکتے تھے مگر نہیں ان بزرگواروں سے بڑھ کر انسانی خطاء و نسیان کا معترف اکثریت و اجماع کا قدر شناس اور رائے جمہور کا احترام کرنے والا کوئی نہ تھا۔ آیت رجم کو قابل اندراج نہ سمجھا گیا۔ تو آپ نے بھی سر تسلیم خم کیا اور باوجود زبردست فرمان روا ہونے کے قرآن کو ہمیشہ کے لئے اس فقرے سے خالی رکھ کر اوراق زمانہ پر اپنے خلوص اور بے نفسی کی شہادت ثبت کر گئے۔

کلب عباس صاحب اعتراض فرماتے ہیں کہ

"شیخین نے نہ رسول خدا کے ہاں کے قرآن کی نقل کرائی۔ نہ کسی صحابی کے قرآن کی نقل کرائی۔ نہ جمع قرآن میں ان صحابہ کو شریک کیا جن سے قرآن سیکھنے کا ارشاد پیغمبر تھا۔ اور نہ جناب علی کا مرتبہ قرآن جو بترتیب نزول جمع کیا ہوا تھا اس کو لے کر رواج دیا اور ایک کمسن لڑکے زید بن ثابت سے جو نہ صحابہ سے مشہور تھا۔ نہ حافظ قرآن۔ اس سے قرآن جمع کرایا۔ تو اس میں کیا مصلحت تھی"

یہاں زید بن ثابت کو کمسن لڑکا کہہ کر ذکر کرنے سے اُن کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ حضرت صدیق اکبر کے الفاظ میں جہاں زید بن ثابت کو اس مہم پر آمادہ کیا گیا ہے۔ خود یہ الفاظ ہیں کہ "تم جوان ہو عقلمند ہو۔ ہم کو تم پر کوئی بدگمانی ہو نہیں سکتی اور خدمت رسول میں وحی کی کتابت کرتے رہے ہو" (بخاری باب جمع القرآن) گویا اُن کی جوانی اُن کے کام کرنے کی ہمت و قوت پر دلالت کرتی تھی اور دوسری شرح السنۃ کی روایت پہلے مذکور ہو چکی ہے کہ اُن میں کئی طرح سے اس کام کی قابلیت اوروں سے زیادہ تھی۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُنپر حافظ قرآن نہ ہونے کا الزام بھی غلط ہے۔ شرح السنۃ میں ان کے حافظ ہونے کی تصریح ہے اور انس بن مالک کی حدیث اوپر ذکر ہو چکی ہے۔ قرآن کو زمانہ رسول علیہ السلام میں جمع کرنے والے چار اشخاص جو انس بن مالک کو معلوم تھے ان میں ایک زید بن ثابت ہیں۔ علے ہذا القیاس جمع قرآن میں دیگر حفاظ صحابہ کو شریک نہ کرنے کا الزام بھی غلط ہے۔ قرآن کسی نہ خانہ میں بیٹھ کر لکھا نہیں گیا۔ سب سے زیادہ تشہیر مسجد میں ہو سکتی

تھی۔ وہیں سب کام ہوا ہے اور نہ صرف حفاظ کو بلکہ ہر ایک مسلمان کو اس خدمت میں شریک ہونے اور اپنے معلومات پیش کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ جس کام میں کاوش رکھنے والوں کو بدنیتی نظر آتی ہے حقیقت میں اُن کے اندر کامل صاف باطنی اور رائے عامہ کا مکمل احترام پایا جاتا ہے۔ نہیں معلوم اس سے زیادہ احتیاط اور دور اندیشی کی کیا شکل ہوسکتی ہے کہ کام اور اسکے طرز عمل سے کسی گوش شنوا کو ناآشنا نہیں چھوڑا اور سوائے قلم چلانے کے جو زید بن ثابت کے سپرد ہے تحریر کا ذخیرہ مہیا کرنے میں سب حافظوں اور کاتبوں سے مدد لی گئی ہے ÷

یہ بھی غلط ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے قرآن کی نقل نہ لی۔ اتقان میں حارث محاسبی کی کتاب فہم السنن سے منقول ہے کہ

قرآن کی کتابت نئی چیز نہ تھی۔ رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم خود کتابت قرآن کا حکم دیتے تھے لیکن وہ چمڑے کے ٹکڑوں۔ شانۂ حیوان کی ہڈیوں اور کھجور کے چھلکوں پر متفرق تھا۔ اسیکو صدیق اکبر نے ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنے کا حکم دیا۔ یہ چیزیں پرانے اوراق کاغذ کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حرم سرا میں منتشر طور پر پائی گئیں۔ جن کو کسی نے جمع کر کے ایک ڈورے میں پرو لیا تھا کہ ضائع نہو جائیں (اتقان باب فی جمعہ وترتیبہ)

دوسرے مقام پر حضرت زید بن ثابت سے روایت موجود ہے کہ انہوں نے قرآن چمڑے کے ٹکڑوں۔ ہڈیوں اور کھجور کے چھلکوں سے نقل کیا (اتقان باب مذکور)

بہرحال آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانۂ مبارک سے جو تحریریں دستیاب ہوئیں اُنسے نقل ضرور لیگئی۔ لیکن وہ متفرق اور پریشان دستاویزیں تھیں جن کو بعد میں کسی نے ڈورے میں پرو لیا۔ ضرور احتمال تھا کہ پرونے سے پہلے کوئی پرچہ یا پرزہ ضائع ہوگیا ہو یا پرونے کے بعد پھٹ کر نکلگیا ہو۔ اسلئے احتیاط شرط تھی نیز ترتیب آیات وسور کے لئے مختلف شہادتیں لینے اور قرائن کو دیکھنے کی ضرورت تھی۔ اور دوسرے لوگوں کی تحریروں اور اظہاروں سے مقابلہ کرنے کی حاجت ÷

صحابہ کے لکھے ہوئے قرآن تو خیر البتہ جناب علی مرتضیٰ کا جمع کردہ قرآن بوجہ آنجناب کے منصب امامت ووصیت کو تسلیم کرنے کے شیعہ بزرگواروں کے نزدیک

ضرور سب سے زیادہ قابل اعتماد قرار پاتا ہے مگر حضرات شیعہ معاف فرماویں اگر کہا جائے کہ خلافت کو تسلیم کرنے والے صحابہ اور نیز اہلسنت کے نزدیک جب امامت بلافصل کا مسئلہ مسلم نہیں تو اس حیثیت سے آں جناب کے جمع کردہ قرآن کو اُن کے نزدیک دوسروں پر کوئی ترجیح بھی نہیں ہو سکتی اور حیثیت امامت سے قطع نظر کیجائے۔ تو حضرت علی کا قرآن ہو یا کسی اور صحابی کا سب شخصی کوششوں میں داخل ہیں اور خطء ونسیان سے غیر محفوظ اور یہ کام جمہوری شکل میں تمام مسلمانوں کے مشورہ اور شہادت سے کیا گیا ہے کہ تحقیق کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہے پس کسی فرد واحد کی کوشش کو خواہ وہ کیسا ہی عظیم القدر اور وحید الاوصاف شخص ہو اکثریت پر ترجیح نہیں ہو سکتی اور ایک شخص کے کارنامہ پر قانع ہو کر اور سب کے اظہار و بیان سے چشم پوشی نہیں کیجا سکتی۔ ہاں مشورہ وشہادت کی جو دعوت درمسجد پر سب مسلمانوں کو دیگئی تھی اس میں جامعین قرآن بھی داخل ہیں۔ ان بزرگوں میں سے کسیکو کسی خاص مقام پر اپنی یادداشت کو پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی تو انہوں نے اظہار حقیقت میں تامل نہ کیا ہوگا اور جہاں اور سب کے بیانات کو سُنا گیا ہے کوئی وجہ نہیں کہ اُن کے اقوال پر غور نہ کیا گیا ہو۔

مرزا احمد سلطان صاحب تفسیر اتقان سے ایک روایت نقل کرتے ہیں صفحہ کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ مگر یہ نہیں لکھتے کہ یہ صفحہ کونسے ایڈیشن کا ہے۔ روایت یہ ہے کہ "ابوبکرؓ فوت ہو گئے قرآن جمع نہ ہو سکا عمرؓ قتل کئے گئے۔ اور قرآن ناتمام رہا۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی نسبت ابوداؤد میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آنجناب نے ترتیب نزول کے موافق قرآن جمع کیا تھا" یہاں تک اتقان کے حوالہ سے لکھ کر آگے ایک شیعی روایت درج کرتے ہیں کہ "حضرت علیؓ نے زمانہ شیخین میں قرآن مرتب کر کے پیش کیا حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم کو تمہارے قرآن کی حاجت نہیں۔ اسپر جناب علیؓ نے فرمایا۔ کہ تم پھر اس قرآن کو نہ پاؤ گے۔ پس ایسا ہی ہوا کہ اس کو پھر کسی آنکھ نے نہ دیکھا" اتقان میں مذکورہ روایت باوجود تلاش کے نہ ملی اور میں حیران ہوں کہ امام سیوطی کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی رحلت تک قرآن جمع نہ ہو سکا جبکہ تمام حدیث وتاریخ کی کتابیں

جمع قرآن کا طرۂ افتخار ابو بکرؓ کے سر پر باندھتی ہیں اور اس مضمون کا علیحدہ باب خود اتقان میں موجود ہے۔ تمام واقعات شرح وبسط سے لکھے گئے ہیں اور قرآن کے مکمل طور پر جمع ہو جانے کی تصریح موجود ہے نیز حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

اَعْظَمُ النَّاسِ فِی الْمَصَاحِفِ اَجْرًا اَبُوْبَکْرٍ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ ھُوَ اَوَّلُ مَنْ جَمَعَ کِتَابَ اللّٰہِ۔	قرآن کی خدمت کرنے میں سب سے زیادہ ثواب کے مستحق ابو بکر ہیں خدا ابو بکرؓ پر رحم کرے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن جمع کیا۔"

ان بزرگواروں کے ہاتھ سے قرآن جمع نہ ہو سکنے کی روایت اگر اتقان میں کسی مقام پر ہو گی تو کسی اور شخص کا خیال ہو گا۔ جو نقل کر دیا گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن کا ذکر بھی مذکورہ الفاظ کے اندر اتقان اور ابو داؤد دونوں میں نہ ملا۔ اور مقامات پر مختلف الفاظ میں البتہ آنجناب کے قرآن جمع کرنے کا ذکر بہت ملتا ہے بلکہ سورتوں کی جو ترتیب حضرت علیؓ کے قرآن میں تھی وہ بھی مذکور ہے ٭

آگے شیعی روایت کے رو سے حضرت علی کا اپنے قرآن کو پیش کرنا اور جناب فاروقؓ کی جانب سے اسکو قبول کرنے سے انکار ہونا اگر اسی شکل میں واقع ہوا ہے۔

لہ جناب فاروق سے خاص کاوش ہے اس لئے ہر اختلافی گفتگو میں اور ہر طعن کے موقع پر آپ کا نام لے دیا جاتا ہے۔ ورنہ جہاں یہ روایت لکھی گئی ہے وہاں جناب فاروق کا نام نہیں حضرت علیؓ نے اپنا قرآن پیش کیا ہے تو راوی کہتا ہے!

قَالُوْا ھُوَذَا عِنْدَنَا مُصْحَفٌ جَامِعٌ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ لَاحَاجَۃَ لَنَا فِیْہِ (اصول کافی کتاب فضل القرآن باب النوادر)"	لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس ایسا مجلد موجود ہے جس میں تمام قرآن محفوظ ہے۔ آپ کے مصحف کی ضرورت نہیں"

یہ جواب تمام حاضرین کی طرف سے ہے اکیلے عمر کی طرف سے نہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مصحف کی ضرورت نہ رہنے پر سب کا اجماع تھا اور دلیل یہ کہ کامل و مکمل نسخہ تیار ہو چکا ہے اجماع کو حضرات شیعہ نہ مانیں تو اغنیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی قدر و منزلت کے معترف ہیں۔ امیر معاویہ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

بیشک مجھ سے اسی قوم نے بیعت کی جس نے ابو بکر و عمر و عثمان سے کی تھی۔ اور

جس طرح دیگر صحابہ نے اپنی اپنی کوششوں اور یادداشتوں کو جمع قرآن میں مدد دینے کی نیت سے پیش کیا تھا۔ تو دونوں بزرگواروں کا فعل حسب معمول ہے جائے تعجب نہیں تمام قرآن اور اس کی ترتیب کو پیش کیا گیا ہو یا اسکے کسی خاص مقام پر زور دیا گیا ہو جس جس نے پیش کیا ہے اپنے شخصی اجتہاد اور یادداشت کو سامنے رکھدیا ہے. فیصلہ مقابلہ روایات اور قرآن کے مطابق سب کے مشورہ اور کثرت رائے سے ہوا ہے. کوئی ترتیب ہو اور کوئی عبارت جمہور نے قابل وثوق قرار نہ دیا تو پیش کرنے والے پر الزام نہیں اور جس شخص کی دستاویز کام میں نہیں آئی اور جس کی ضرورت باقی نہیں رہی اُس نے کثرت رائے کو مانتے ہوے اپنی دستاویز کو تلف اور ہمیشہ کے لئے بے نشان کر دیا ہے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں +

لیکن حضرت علی کا یہ مطلب قرار دیا جائے کہ اور سب کی کوششوں اور یادداشتوں کو چھوڑ دو کسی سے قرآن کی نسبت کچھ دریافت نہ کرو. صرف ہمارے فیصلہ پر یقین رکھو. اور ادہر عمر نے حسد کے مارے علیؑ کی بات کو رد کر دیا اور حضرت علی ایسے خفا ہوئے کہ قرآن کو یعنے اصح و اکمل قران کو دنیا کے پردہ پر موجود ہی نہ چھوڑا. تو یہ روایت سرتاپا غلط ہے اور حضرت علی کی ذات اطہر پر نہایت شرمناک بہتان. شخص واحد کی یادداشت

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۷) اُسی امر پر بعیت کی ہے جسپر اشخاص مذکورہ کی بعیت وقوع میں آئی تھی۔ اب کسی شخص حاضر کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے ایک علیحدہ رستہ اختیار کرے اور نہ شخص غائب اس امر کا مجاز ہے کہ اس بعیت کی تردید کرے. شوریٰ مہاجرین و انصار کے لئے ہی زیبا ہے جس شخص پر انہوں نے اجماع کر لیا اسے امامت کے ساتھ نامزد کر دیا تو ان کا یہ اجتماع خوشنودی پروردگار عالم ہے (نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغت حصہ توقیعات امیر علیہ السلام)"

جو اجماع حضرت امیر کی امامت پر باعث خوشنودی پروردگار عالم ہے وہی اجماع حضرات شیخین اور حضرت عثمان کی خلافت پر باعث خوشنودی پروردگار عالم ہوگا اور اُنہی مہاجرین و انصار کا اجماع جمع و ترتیب قرآن پر حسب ہدایت جناب امیر علیہ السلام باعث خوشنودی پروردگار عالم ہوگا حضرات شیعہ وصی رسول و زوج بتول کے اسی علانیہ اور صاف ارشاد کے بعد نہیں معلوم اور کس دلیل و برہان کے منتظر ہیں"

اور کوشش کو اور سب حافظوں اور ناظرہ خوانوں۔ سب لکھنے والوں اور یاد رکھنے والوں
کی یادداشت اور کوشش سے افضل و برتر سمجھنے کا خیال اور وہ بھی جناب علیؓ جیسے عقل
کل اور علم مجسم کی جانب منسوب کرنے کی جرأت کسی مسلمان کو ہو سکتی ہو تو تعجب ہے
اور آگے اس سے بڑھ کر یہ کہ اگر جناب علی مرتضیٰ کا قرآن صحیح اور مکمل تھا اور جو کوشش
ہو رہی تھی۔ وہ قرآن کو ناقص محرف یا نابود کرنے کی تھی تو حضرت علیؓ کا فرض تھا کہ اپنے
قرآن کو اور اشاعت دیتے۔ عمر فاروق کے سوا اور لوگوں کو دکھاتے۔ اس کی صحت و کمال
مقابلہ کرتے اور رات دن کے پڑھنے والوں کو اس کی حقانیت اور دوسری کوشش
کے بطلان کا یقین دلاتے۔ کوئی نہ مانتا جب بھی اپنے متبعین اور اولاد کو اس کی
تعلیم دیتے۔ زمانہ ناموافق رہتا تو تعلیم خفیہ رہتی جب اپنی خلافت کا زمانہ آتا اسکو
جاری فرماتے۔ بیشک زمانہ خلافت میں جنگ و جدال کی مصروفیت رہی اور ہر جانب سے
مخالفت کا بازار گرم رہا مگر جب ہجوم اعدا کے باوجود اور ہر طرف سے دشمنوں کے نرغہ
میں محصور رہتے ہوئے اُس حقانیت کے اظہار سے باز رہنے کا کبھی ارادہ نہیں کیا
جسپر وثوق تھا۔ تو وہ سب سے بڑی صداقت جس کو دنیا تک پہنچانے کے لئے جناب
رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور جس حق حقیق کو اشاعت دینے لئے
آپ وصی رسول قرار پائے تھے اُسی سب سے بڑے فریضہ کی بجا آوری اور اپنے گھر کی
دولت بے بہا کی ترقی اور شہرت سے ایسا دست بردار ہونا کہ خود ہی اسکو دیدہ اہل
عالم سے مستور کرنے پر آمادہ ہو جائیں کوئی معنے نہیں رکھتا۔

جب باوجود عدیم الفرصتی کے علم نحو کی ایجاد سے غفلت نہ کی اور جو علمی چشمہ
فیض آپ کی ذات اطہر سے نکلکر دنیا کو سیراب کر سکتا تھا۔ اس کے سرانجام دینے میں
کوتاہی نہ ہوئی تو علم اولین و آخرین کے سرچشمہ کو جاری کرنے کے لئے وقت کیوں نہ
مل سکتا تھا۔ بقول شیعیان آپکو شیخین کی طرح دریافت و تلاش کرنے کی بھی ضرورت
نہ تھی۔ لکھا لکھایا مکمل قرآن موجود تھا نکال کر نقلیں کر لینے کا حکم دینے کی کسر باقی تھی
سب جگہ نہیں تو اپنی قلمرو میں اس کے نسخے تقسیم کر دینے میں کوئی دشواری نہ تھی۔
اگر آپ کا قرآن ایسا ہی تھا جیسا خیال کیا جاتا ہے اور اگر آنجناب نے سہل سے سہل
موقعوں پر بھی اس کی اشاعت کا فرض ادا نہیں کیا۔ تو معاذ اللہ خاکم بدہان ایسے بُرے

جرم کا الزام آپ کی ذات اطہر پر عائد ہوتا ہے۔ جس کے خیال میں لانے اور جناب مرتضوی جیسی مقدس ہستی کی طرف منسوب کرنے سے پہلے مسلمان کا جسم خاک ہوجائے تو بہتر اور دل و دماغ بے نشان ہوجائیں تو اچھا۔

نہیں یہ سب کچھ بہتان وافترا ہے۔ نہ حضرت علیؓ کے پاس قرآن کا کوئی ایسا مخفی حصہ تھا جس سے اور سب مسلمان ناآشنا ہوں اور نہ حضرت علیؓ کی جناب نے کبھی اور کسی دشواری میں اظہار حق[1] اور تعمیل فرائض میں ذرہ بھر کوتاہی کی۔ اپنی ذات خاص پر

[1] جناب حیدر کرار علیہ السلام کا ارشاد ہے "قسم خدا کی میں نے کبھی امر حق کو نہیں چھپایا اور کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولا" (ترجمہ نہج البلاغت صفحہ ۲۷) تو کیا خیال ہو سکتا ہے کہ آنجناب نے سب سے بڑی صداقت یعنے قرآن کو صفحۂ ہستی سے گم کرنے کا ارادہ کیا ہوگا۔ آنجناب فرماتے ہیں "خدا کی قسم میں قضا و قدر خداوندی کو تسلیم کرتا ہوں جب تک امور مسلمین سلامت رہیں" (ترجمہ نہج البلاغت صفحہ ۸۳) تو کیا ممکن تھا کہ صحیح قرآن کو گم کرنے سے خود ہی امور مسلمین کو تباہ کرنے کا باعث بنتے۔ نیز ارشاد ہے "میں نے دیکھا کہ لوگ مرتد ہوکر اسلام سے برگشتہ ہو رہے ہیں اور لوگوں کو دین محمدی کے مٹا دینے کے لئے بلا رہے ہیں اسوقت مجھے خوف ہوا کہ اگر اسوقت اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں گا۔ تو میں اس میں رخنہ دیکھ لوں گا یا اس کی خرابیاں میری نظروں کے سامنے موجود ہونگی اور یہ مصیبت میری حکومت و ولایت کے گم ہوجانے کی مصیبت سے بھی زیادہ ہوگی (ترجمہ نہج البلاغت صفحہ ۱۷۴) تو کیا صحیح قرآن کا مخفی ہوجانا اور غلط صحیفہ کا رواج پانا اسلام میں رخنہ اندازی کا باعث نہیں؟ اور اسکو جناب مرتضیٰ باوجود مصیبت سمجھنے کے خود ہی اخفا کے مرتکب ہو سکتے ہیں؟ فرمایا ہے لَا خَيْرَ فِي الصَّمْتِ عَنِ الْحِكَمِ كَمَا لَا خَيْرَ فِي الْقَوْلِ بِالْجَهْلِ (کافی کتاب الروضہ خطبۃ الوسیلۃ) یعنے حکمت سے خاموش رہنے میں اور جہالت کی بات کرنے میں کوئی بھلائی نہیں۔ تو کیا سب سے اعلےٰ حکمت یعنے قرآن کی اشاعت سے خاموش رہنے کا گمان جناب مرتضیٰ کی نسبت ہو سکتا ہے؟ جس شیر خدا کی نسبت دعوےٰ کیا جاتا ہے کہ عمر فاروق کے جسم پر ان کے دیکھنے سے لرزہ پیدا ہوجاتا تھا۔ اور سینہ سے ایسی آواز آنے لگتی تھی جو خوف کے مارے بیہوش ہونے کے وقت آیا کرتی ہے اور وہ کہتے تھے کہ اس شیر بیشۂ شجاعت کو دیکھ کر میری حالت غیر ہوجاتی ہے (حیوۃ القلوب باقر مجلسی بوساطت آیات بینات) اور جس حیدر کرار نے ابوبکر و عمر اور سب صحابہ کی موجودگی میں ایک انگلی سے خالد بن ولید سیف اللہ کا گلا ایسا دبایا کہ ان کی جان نکلنے لگی اور عمر یا کسی اور کو تاب نہ ہوئی کہ خالد کو چھڑا سکے حتیٰ کہ حضرت عباس عم رسول تشریف لائے اور انہوں نے قسم دیکر جناب مرتضیٰ سے رہائی دلوائی (حق الیقین باقر مجلسی بوساطت آیات بینات) اسی اسد اللہ الغالب کو دوسرے موقع پر ایسا کمزور اور خائف قرار دیا جاتا ہے کہ خدمت قرآن اور اظہار حق سے بھی پہلو تہی کرنے لگے ہیں۔

جو تکلیف ہو گوارا تھی مگر کلام الٰہی کا کوئی لفظ حذف کر دیا جاتا یا ایک حرف آگے پیچھے ہو جاتا تو وہ حیدر صفدر شیر خدا زمین کا تختہ الٹا دیتا پہاڑوں کو اکھیڑ پھینکتا ناممکن کو ممکن کر دکھاتا مگر ودیعت الٰہیہ میں کوئی نقصان نہ آنے دیتا۔ اور کسی میں تاب نہ تھی کہ داماد رسول و زوج بتول کے جوش حق پرستی کو دبا سکے۔ والحمد للہ علے ہذا الایقان حمداً کثیراً۔

باب سوم (۳)

خدمت قرآن میں جناب ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی سعی مشکور

جناب صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے مبارک ہاتھوں سے گلشن دین ہدیٰ کی روش بندی اور آبیاری ہو چکی تو نخل پیرائی کے لئے قدرت نے جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمزلف بتول زہرا کے بہنوئی اور یکے بعد دیگرے دو بار رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی فرزندی کا شرف پانیوالے عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو منتخب کیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن کریم جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تو القادر بانی سے بھی سہولت امت مرحومہ کے واسطے بعض بعض الفاظ کی جگہ ان کے ہم معنے اور الفاظ بھی تلاوت کرنے کی اجازت تھی جس کو قراءت ہفت گانہ کا اختلاف کہا جاتا ہے مثلاً فَبِذَالِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ط کی بجائے فَبِذَالِكَ فَلْتَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا تَجْمَعُونَ۔ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ کی بجائے اِنَّهٗ عَمِلَ غَيْرَ صَالِحٍ بھی تلاوت ہوا ہے۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ط کی جگہ مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی بھی روایت ہے (سنن ابی داؤد۔ کتاب الحروف) یہ اختلافات جہاں تک رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنے گئے ہیں ان کے جائز ہونے میں کلام نہیں مگر مشکل یہ پیدا ہو گئی کہ عرب میں مختلف قبائل کے اپنے اپنے محاورات جدا تھے اور ایک ہی مضمون کو مختلف الفاظ اور مختلف اسالیب[۱] سے بیان کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ

مختلف قبائل عرب اپنی اپنی عادت کے موافق قرآن کے اندر ایسے ایسے اختلاف بھی پیدا کرنے لگے جو روایات صحیحہ سے ثابت نہ تھے۔ اور اس سے بڑھ کر جب اسلام اور اُسکے ساتھ قرآن عرب سے نکلکر ممالک عجم میں پہنچا جہاں کی مادری زبان عربی نہ تھی تو ان کی زبان پر لب ولہجہ کے اختلاف کے ساتھ ایسے ایسے تغیرات جاری ہوئے جن کو روکا نہ جاتا تو شاید کسی ملک کا قرآن دوسرے ملک کے قرآن سے نہ ملتا اور جو حشر توریت وانجیل کا ہوا ہے اس سے بھی زیادہ اختلاف پیدا ہو جاتا۔ اور عرب کے اندر اور باہر جسطرح قرآن کو پڑھنے میں قرائتیں مختلف تھیں اسی طرح لکھتے وقت جو جو الفاظ کسی کی زبان پر جاری ہونگے وہی لکھنے میں آتے ہونگے۔ چنانچہ لکھے ہوئے قرآن بھی ایسے ہی باہمدگر مختلف تھے ۔

اب قرآن کو اس بلا سے محفوظ رکھنے کی ضرورت پیدا ہوئی اور ضرورت کا احساس جسطرح پہلی بار جنگ یمامہ میں ہوا تھا اسدفعہ آرمینیا اور آذربائجان کی یورشوں میں عراق کے نیم ایرانی مجاہدین کے اجتماع پر حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو ہوا مجاہدین عراق قرآن الٹا سیدھا پڑھتے سنائی دئے تو وہ گھبرائے اور واپس آکر حضرت عثمانؓ سے فریاد کی کہ امت مرحومہ کی خبر لیجئے کہیں اُن کا یہود و نصاریٰ کا سا حال نہ ہو جائے کہ اپنی آسمانی کتاب ہی کھو بیٹھیں اور کچھ کا کچھ پڑھنے اور لکھنے لگیں ۔

یہ مجبوری تھی جس کا علاج حضرت عثمان نے عین بروقت کر دیا اور جو قرآن حضرت صدیق اکبر کا لکھوایا ہوا اُن کے بعد حضرت عمر کے پاس اور حضرت عمر کی شہادت پر اُن کی صاحبزادی اور ہمخوابۂ رسول اُم المومنین حفصہ رضی اللہ عنہما کے پاس تھا وہ منگوایا اور چند نسخے نقل کروائے۔ زید بن ثابت کو کہ علاوہ دیگر فضائل کے کتابت قرآن کا پہلا تجربہ بھی رکھتے تھے اس خدمت پر مامور فرمایا۔ اور اُن کے ساتھ عبداللہ بن الزبیر، سعد بن العاص اور عبدالرحمن بن الحارث کو بھی شامل کیا اور حکم دیا کہ جہاں جہاں قراءت کا اختلاف دیکھو اُن تمام اختلافوں کو دور کر دو جو قریش کے علاوہ دیگر قبائل عرب کے محاورات پر مبنی ہوں کیونکہ قرآن بالیقین لغت قریش کے مطابق نازل ہوا ہے (اتقان وبخاری باب جمع القرآن)

ادُھر حضرت خدیفہؓ نے جو کچھ عراق کے سلمانوں میں دیکھا وہی منظر خاص مدینہ طیبہ میں بھی نظر آیا۔ چنانچہ انس بن مالک کہتے ہیں کہ یہاں اختلاف قراءت پر جھگڑے ہونے لگے اور ہر شخص اپنی قرارت کو دوسرے کی قراءت سے افضل و برتر کہنے لگا۔ حتٰے کہ طلباء اور معلمین بھی باہم دست و گریبان نظر آئے تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تم میرے سامنے غلط روایات کی بنا پر قرآن میں تصرف کرنے لگے تو جو لوگ دُور ہونگے وہ اس سے بھی زیادہ اغلاط کے مرتکب ہوتے ہونگے۔ اے اصحاب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سب جمع ہو کر لوگوں کے لئے راہ ہدایت تیار کرو اور صحیح ترین قراءت کے مطابق ایک قرآن لکھدو۔ چنانچہ جمع ہوے اور لکھنا شروع کیا۔ جہاں باہم اختلاف ہوتا جگہ چھوڑ دی جاتی اور تلاش کیا جاتا کہ یہ آیت کس شخص کے سامنے رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے املاء کروائی ہے۔ وہ شہادت دیتا تو لکھتے (اتقان بحوالہ مسند ابن اشتہ باب ہژدہم) محمد ابن سیرین کثیر بن افلح سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان نے قرآن لکھوانا چاہا ہے۔ تو قریش و انصار میں سے گیارہ اشخاص کی انجمن بنائی۔ ان میں اختلاف ہوتا تو جگہ چھوڑ دی جاتی جس سے بقول محمد بن سیرین مراد یہ تھی۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آخر ترین تلاوت میں آیت مختلف فیہ کا پڑھنا جس کو یاد ہو اس کی شہادت پر انحصار کیا جائے (اتقان بحوالہ ابن ابی داوُد باب ہژدہم) +

یہ کوشش ہے جو خلیفہ ثالث کے عہد میں قرآن کے متعلق ہوئی۔ واقعات مخفی نہیں ہیں۔ قرآنوں میں جو اختلاف تھا اور جس حد تک اس نے اس زمانے میں ترقی کی تھی اس سے علم قراءت کے دفاتر بھرے پڑے ہیں اور انہی روایات کی کثرت اور اُن کی تنقید و تحقیق کی ضرورت نے علم قراءت کو جداگانہ فن کی صورت عطا کی۔ شیعی مسلک کے مطابق اختلاف قراءت کی اجازت نہیں لیکن مختلف قرائتوں کے موجود ہونے سے وہ بھی انکار نہیں کر سکتے کیونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر ابن مسعودؓ ہماری قراءت کے مطابق نہ پڑھتا ہوگا تو وہ گمراہ تھا۔ پھر فرمایا کہ ہم اُبیؓ کی قراءت پڑھتے ہیں (اصول کافی کتاب فضل القرآن باب النوادر) بہر کیف حضرت عثمانؓ کے زمانے تک قراءت کا اختلاف بہت بڑھ گیا تھا۔ اس کا سد باب اور قرآن کو ایک متفقہ قراءت کے ساتھ محفوظ کرنے کی ضرورت تھی جس کو پورا کرنے

کا شرف حضرت عثمان رضہ کو عطا ہوا۔ آنجناب نے تمام صحابہ کو مشورہ میں شریک کیا لغت قریش کا التزام کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں املار کئے جانے کی شہادتیں لیں۔ آنحضرت کی آخر ترین تلاوت کی روایات کا تتبع کیا۔ بی بی حفصہ رضہ کے پاس سے صدیق رضہ اکبر کا جمع کیا ہوا قرآن پہلے منگوالیا تھا۔ کتابت اور نقل کے بعد ام المومنین عائشہ رضہ کا قرآن منگوایا اس سے مقابلہ کیا (اتقان باب چہل ویکم بحوالہ مصاحف ابن اشتہ) مختلف حفاظ مسلم الثبوت سے مشورہ لیا۔ چنانچہ حضرت ذوالنورین کا غلام ہانی بربری کہتا ہے۔ کہ میں حضرت کی خدمت میں تھا جبکہ قرآن لکھے جاتے تھے۔ ایک دفعہ جناب ذوالنورین نے مجھے ایک شانہ کی ہڈی دی جسپر قرآن کریم کے تین لفظ لَمْ يَتَسَنَّ - لَا تَبْدِيْلَ لِلْخَلْقِ اَوْ لَا مْهِلِ الْكَافِرِيْنَ لکھے ہوئے تھے اور ابی رضہ بن کعب کے پاس بھیجا۔ یعنے اُن کی تصیح مطلوب تھی حضرت اُبیّ نے دوات منگوائی لَمْ يَتَسَنَّ میں ہ بڑھا کر لَمْ يَتَسَنَّهْ کر دیا۔ لِلْخَلْقِ کا ایک لام کاٹ کر لِخَلْقِ اللّٰهِ لکھ دیا۔ اور اَمْهِلْ کا الف کاٹ کر فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ بنا دیا (اتقان باب چہل ویکم بحوالہ مسند ابن عبید) ان سب روایات میں کونسا واقعہ ہے جس سے معاذاللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت بدنیتی کا گمان ہو +

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اُسوقت بھی موجود تھے اور خاص مدینہ طیبہ میں تشریف رکھتے تھے اہلسنت اور تمام قدرشناسان ذات حیدری کے نزدیک آنجناب کی موجودگی خود ایک بدیہی کفالت ہے کہ قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ورنہ وہ شیر بیشہ ولایت کبھی اجازت نہ دیتا تھا کہ قرآن کی بے ادبی کیجائے اور آپکی آنکھوں کے سامنے دشمن کلام الہی میں تغیر تبدل کردیں اور مضامین ارشاد ہدایت پر گمراہی کا پردہ ڈالیں حضرت عثمان رضہ کا وقت بھی اور تھا۔ صدیق اکبر و فاروق اعظم کے عہد میں تمام عالم اسلام متفق اور یکجہت تھا اور جام اتحاد کے سامنے حضرت علی رضہ کے خوفزدہ ہو جانے کو بعض کوتاہ نظر ممکن بھی سمجھ سکتے ہیں مگر حضرت عثمان رضہ کے وقت میں یہ کیفیت نہ رہی تھی اور کئی طرح کی شکایتوں اور اختلافوں کا دروازہ کھل چکا تھا۔ اُن کی طرف سے قرآن میں مداخلت ہوتی اور وہ معاذاللہ اپنے مطلب کے موافق اس میں تحریف کرتے تو حضرت علی رضہ سے اختلاف

کر سکتے تھے اور جہاں حضرت عثمان کی دیگر شکایتوں کا چرچا پھیلتا ہوا بلوہ تک پہنچ گیا حضرت علی جیسی ممتاز ہستی کی زبان سے اختلاف وانکار کا ایک لفظ بھی نکلتا تو مخالفین عثمان اُس کو دس گنا بڑھ چڑھ کر مشہور کرتے مگر دیکھو اور تلاش کرو شیعی روایات میں اور اہلسنت کے دفاتر میں حضرت عثمانؓ کی نسبت تحریف کرنے کا ایک اشارہ بھی جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نہیں ہے اور ہے تو حضرت علی رضہ کا یہ ارشاد منقول ہے +

لَا تَقُوْلُوْا فِيْ عُثْمَانَ اِلَّا خَيْرًا فَوَاللّٰهِ مَا فَعَلَ الَّذِيْ فَعَلَ فِي الْمَصَاحِفِ اِلَّا عَنْ مَلَاءٍ مِنَّا قَالَ فَمَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْقِرَاءَاتِ فَقَدْ بَلَغَنِيْ اَنَّ بَعْضَهُمْ يَقُوْلُ اِنَّ قِرَاءَتِيْ خَيْرٌ مِّنْ قِرَاءَتِكَ وَهٰذَا يَكَادُ يَكُوْنُ كُفْرًا قُلْنَا فَمَا تَرٰى قَالَ اَرٰى اَنْ نَجْمَعَ النَّاسَ عَلٰى مُصْحَفٍ وَّاحِدٍ فَلَا يَكُوْنُ فُرْقَةٌ وَّلَا اِخْتِلَافٌ قُلْنَا فَنِعْمَ مَا رَاَيْتَ (اتقان باب ہژدہم بحوالہ ابن ابی داؤد بروایت سوید بن فضلہ)

عثمان کے بارہ میں بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو۔ قرآن کریم کے متعلق انہوں نے جو کچھ کیا ہے یہ سب ہم سے پوچھ کر کیا ہے۔ عثمان نے ہم سے پوچھا کہ ان قراءتوں کے بارہ میں کیا کہتے ہو میں نے سُنا ہے کہ بعض لوگ اپنی قراءت کو دوسرے کی قراءت سے اچھا کہتے ہیں۔ اور ایسا خیال کفر کے قریب ہے۔ ہم نے کہا پھر آپ کی کیا رائے ہے کہنے لگے کہ لوگوں کو ایک قرآن پر جمع کر دیا جائے نہ جدائی ہو نہ اختلاف ہو۔ ہم نے کہا تو آپ کی رائے بہتر ہے +

یہ خیال ہے حضرت علی رضہ کا عثمانؓ کی خدمت قرآن کی نسبت۔ اس کے علاوہ مقتل عثمان کے تمام واقعات دیکھ جاؤ۔ واقعہ بہت حیرت انگیز ہے اور حضرت عثمانؓ کیطرف سے تمام لوگوں کی سرد مہری کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر اسوقت نسبۃً سب سے زیادہ دوستی کا اظہار ہوتا ہے تو حضرت علیؓ کی جناب سے۔ آپ ہی اُن کے اور باغیوں کے مابین صلح کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں اور آپ ہی نے نزع کے وقت اپنے صاحبزادہ جناب امام حسن علیہ السلام کو حضرت عثمان رضہ کے دروازہ پر پاسبانی کے لئے ٹھہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ کسی کو اندر مت جانے دو اور اس کوشش میں تم قتل بھی کر دئے جاؤ تو شہادت پاؤ گے (تاریخ طبری) اور اُس فرمان میں جو جناب مرتضیٰ

علیہ السلام نے حضرت امام حسن علیہ السلام اور عمار یاسرؓ کے ہاتھ بصرہ کو جاتے ہوئے اہل کوفہ کیطرف بھیجا ہے ارشاد کیا ہے کہ۔

بیشک میں تم کو عثمان کے حالات کی خبر دیتا ہوں تا کہ وہ باتیں جو تمنے سن رکھی ہیں مینی مشاہدہ کی مانند ہو جائیں۔ حقیقۃً لوگوں نے اسپر طعنہ زنی شروع کی اور مہاجرین میں سے میں ایک شخص تھا جو خلقت کو اس کی طرف سے خوش کرنے کی کوشش اور ان کی سرزنش اور عتاب کی آگ کو فرو کر رہا تھا (ترجمہ نہج البلاغت صفحہ ۳۷۶ مطبع یوسفی)

فاضل میثم فرماتے ہیں

لَمْ یُنْقَلْ عَنْ عَلِیٍّ فِی اَمْرِ عُثْمَانَ اِلَّا اَنَّهٗ لَزِمَ بَیْتَهٗ وَانْعَزَلَ عَنْهُ بَعْدَ دَافَعَ عَنْهُ طَوِیْلًا بِیَدِهٖ وَلِسَانِهٖ فَلَمْ یُمْکِنِ الدَّفْعُ (شرح میثم مطبوعہ طہران جلد ۲ بوساطت نصیحۃ الشیعہ جلد سوم مصنفہ مولانا احتشام الدین مرادآبادی)

حضرت علی سے عثمان کے بارہ میں صرف یہی منقول ہے کہ آپ گھر میں بیٹھ رہے اور اُن سے علیحدہ ہو گئے مگر اس سے پہلے حضرت علی نے عثمان کیطرف سے ہاتھ کے ساتھ اور زبان کے ساتھ بہت دیر تک مدافعت کی ہے لیکن یہ حمایت کارگر نہ ہوئی اور دشمن باز نہ آئے تو خاموش ہو گئے

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا خلقت کو عثمان کی طرف سے خوش کرنے کی کوشش میں مصروف ہونا ہاتھ اور زبان سے اُن کی حمایت کرتے رہنا اور صاحبزادہ کو اس حمایت میں قتل ہونے پر شہادت کی نوید دینا قابل التفات ہے۔ حمایت ایسی ہونی چاہیے جو برسر حق ہو اور شہید وہی شخص ہوتا ہے جو جائز لڑائی میں قتل ہو اور لڑائی بقول امام جعفر صادق

"جائز نہیں ہوتی جب تک آدمی مظلوم نہو اور مظلوم نہیں ہوتا جب تک مومن ہو اور مومن نہیں ہوتا جب تک اس میں تمام شرائط موجود نہوں جو خدا تعالے نے مومنین اور مجاہدین کے لئے فرمائی ہیں" (فروع کافی جلد اول کتاب الجہاد باب من یجب علیہ الجہاد)

پس اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امام برحق نہ ہوتے اور اگر وہ قرآن کو

بازیچہ اطفال سمجھ کر جسطرح چاہتے اُلٹ پلٹ کر دیتے اور کفر کے مرتکب ہو چکے ہوتے تو نہ اُن میں مومنین و مجاہدین کی تمام شرائط موجود ہوتیں۔ نہ وہ مومن ہوتے نہ مظلوم اور نہ اُن کی حمایت کرنی جائز ہوتی نہ ایسے جنگ میں قتل ہونے والا شہید قرار پاتا +

نیز امام جعفر علیہ السلام کی وہ حدیث دیکھو جس میں فرماتے ہیں کہ "بنی عباس کا اختلاف محتوم یعنے یقینی ہے اور ندا یقینی ہے اور امام آخر الزمان کا آنا یقینی ہے" راوی یعنی محمد بن علی حلبی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا ندا کیسی؟ فرمایا کہ

يُنَادِي مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَوَّلَ النَّهَارِ اَلَا اِنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ وَشِيْعَتَهُ هُمُ الْفَائِزُوْنَ قَالَ وَيُنَادِي مُنَادٍ اٰخِرَ النَّهَارِ اَلَا اِنَّ عُثْمَانَ وَشِيْعَتَهُ هُمُ الْفَائِزُوْنَ (فروع کافی کتاب الروضہ صفحہ ۱۴۶ مطبوعہ لکھنو)

کوئی پکارنے والا صبح کے وقت آسمان سے ندا کرتا ہے کہ سنو علی علیہ السلام اور اُن کے شیعہ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں پھر فرمایا کہ شام کو ایک پکارنے والا ندا کرتا ہے کہ ہاں عثمان اور اُنکے شیعہ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں +

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غصب خلافت اور تحریف قرآن جیسے عظیم الشان جرموں کے مرتکب ہوتے تو اُن کو اور اُن کے متبعین کو آسمانی شہادت فَائِزُوْن کے زمرہ میں داخل نہ کرتی +

قصہ کوتاہ جناب صدیق اکبر اور حضرت عثمان کی کوشش میں ابن الیقین وغیرہ کے لفظوں میں تفاوت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے قرآن کو لکھوایا اس اندیشہ سے کہ متفرق تحریروں کے ضائع ہو جانے سے قرآن کا کوئی حصہ معدوم نہ ہو جائے چنانچہ سب کو یکجا کر لیا اور آیات کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ترتیب دیا اور حضرت عثمان نے اُسوقت جمع کیا جبکہ کثیر التعداد محاورات عرب کے موافق قرائتیں مختلف ہو گئی تھیں حتے کہ لوگ ایک دوسرے کی تغلیط کرنے لگے تھے۔ حضرت عثمان نے فساد کے بڑھ جانے کا اندیشہ کیا اور تمام محاورات کو نکال کر قرآن کو ایک مصحف میں محاورہ قریش کے موافق درج کروایا کیونکہ قرآن اسی محاورہ میں نازل ہوا تھا اور ابتدائے اسلام میں محاورہ قریش کے علاوہ اور محاورات میں بھی قراءت قرآن کی اجازت تھی تا دفعتاً ایک محاورہ پر مجتمع

ہونے میں لوگوں کو دشواری محسوس نہو۔ حضرت عثمان (اور دیگر صحابہ موجودہ) کی رائے
میں وہ قباحت اب موجود نہ رہی تھی اس لئے ایک قرارت پر متفق کرنا مناسب سمجھا
گیا۔" (اتقان باب ہژدہم)

حارث محاسبی لکھتے ہیں کہ "لوگوں میں عثمانؓ جامع القرآن مشہور ہیں۔ حالانکہ
ایسا نہیں ہے بلکہ اُنھوں نے لوگوں کو ایک قسم کی قراءت پر جمع کر دیا جو اسوقت
کے موجودہ مہاجرین و انصار کی اتفاق رائے سے صحیح قرار پائی اور وہ اس فتنہ سے
خوفزدہ ہوئے جو اہل عراق و شام کی مختلف قرارتوں سے رونما ہو رہا تھا حضرت
عثمانؓ کی اس کوشش سے پہلے مصحف مختلف قراوتوں میں مختلف طور پر لکھے ہوئے
تھے۔ یہ کام ہے حضرت عثمانؓ کا۔ ورنہ سب قرآن کو یکجا جمع کرنے کی خدمت بجالانے
والے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا
ہے۔ لَوْ وُلِّيتُ لَعَمِلْتُ بِالْمَصَاحِفِ الَّذِیْ عَمِلَ عُثْمَانُ اگر میں حاکم ہوتا تو قرآن
کی وہی خدمت کرتا جو عثمان نے کی (اتقان باب ہژدہم)

اچھا تو قرآن تمام مہاجرین و انصار موجودہ کے مشورہ سے ایک قراءت کے
موافق لکھا گیا اور یہ عزم کیا گیا کہ لوگوں کو مختلف قراءتوں سے روکا جائے تو جو مُصحف
خاص قراءت کا التزام کرنے کے بغیر لکھے ہوئے تھے اور ان میں سے اکثر میں
غلط قرائتیں بھی درج تھیں۔ ان کی نسبت کیا طرز عمل اختیار کیا جاتا؟ اگر اُن کو قائم
رہنے دیتے تو اس دردسر اور تکلیف کا فائدہ کیا ہوتا اور مختلف قراءتوں کا سدّباب
کیونکر ہو سکتا۔ اگر صرف وہ مصحف معدوم کئے جاتے جن میں غلط قرارت تھی اور
صحیح قراءتوں کے باہم مختلف مصحفوں کو قائم رکھتے تو جسطرح پہلے جائز اختلافوں سے
ناجائز اور غلط اختلافات تک نوبت پہنچی تھی وہی صورت پھر ممکن تھی۔ پس سوا
اسکے کیا تدبیر ہو سکتی تھی کہ دیگر تمام مصاحف کو تلف کر دیا جائے اور تلف
کرنے کے لئے اُن کو پھاڑ کر پھینک دینے میں بے ادبی تھی اس سے اجتناب
کرنے کی یہی صورت تھی کہ چاک کرنے کے بعد یا ویسے ہی جلا دئے جائیں تا حروف
موجود نہ رہیں کاغذ کی ماہیت بدلجائے۔ راکھ کو دفن نہ کریں جب بھی چونکہ الفاظ قرانیہ
موجود نہیں کسی بے ادبی کا ظہور نہو۔ چنانچہ یہی کیا گیا اور یہی قرین مصلحت تھا

جلانے کا لفظ معیوب معلوم ہوتا ہے۔ اُسوقت بھی جہلا میں اس کا چرچا ہوا ہوگا مگر حضرت علیؓ کے الفاظ میں یہی جواب ہے کہ عثمانؓ کے بارہ میں ذکر خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔ انہوں نے مصحف کی نسبت جو کچھ کیا ہم سب کی صلاح سے کیا ہے اور میں حاکم ہوتا تو وہی کرتا جو عثمانؓ نے کیا"۔ (اتقان بحوالہ حارث محاسبی و ابن ابی داؤد)

باب (۴) چہارم

دُنیا پر فطرۃ مُوجد مُرتضوی کا احسان اور دیگر کوائف متعلقہ

الفاظ قرآنیہ کی حفاظت اور قرآن کریم کی براہ راست خدمت صدیق اکبر فاروق اعظم اور جناب ذوالنورین رضی اللہ عنہم کے عہد میں ختم ہوئی آئندہ بالواسطہ خدمت یعنے مطالب و مقاصد کلام اللہ کو سمجھنے سمجھانے اور لوگوں تک پہنچانے کا سلسلہ جاری ہونے کو تھا جو ہمیشہ رہا ہے اور رہیگا۔ اس بارہ میں سب سے مقدم وہ قواعد لسانیہ تھے جن کے بغیر نہ قرآن سمجھ میں آسکتا ہے نہ کوئی اور تحریر و تقریر۔ اس خدمت کا آغاز اور اس ایجاد کا فخر قدرت بیچون نے جناب حیدر کرار علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ذات اطہر کو عطا فرمایا آنجناب جمع و ترتیب قرآن کی خدمت میں بھی شریک تھے۔ کہ وہ کام اجماع صحابہ سے سرانجام پایا ہے اور صحابہ کا گل سرسبد جناب مرتضیٰ کی ذات ہے تو آپ مشورہ میں کیوں نہ شریک ہوتے مگر تفہیم و تفہم کلام اللہ کی خدمت میں تمام امت مرہون حضرت کی پیرو ہے اور آپ بذات واحد اس سلسلہ کے بانی اور موجد۔ یہ ایک عظیم الشان شرف ہے جو حضرت کے سوا کسی کو نصیب نہ ہوا اور صرف و نحو کی ایجاد سے ایک طرف تمام دُنیا پر فہم قرآن کا دروازہ کھلا اور دوسری جانب تمام علوم و فنون امی و ناخواندہ عربوں کی زبان میں مدون ہونے لگے۔ جب تک قرآن کریم کے معارف حقانیہ اور نکات حکمیہ ہر قوم و ملت کو چاشنی ادب اور مذاق علم سے شاد کام کرتے رہینگے جب تک زبان عرب فصحائے ہر ملک و دیار کو اپنی حلاوت و خوشگواری سے شکر خائی و شیرین

کلامی کا لطف بخشتی رہیگی اور جب تک فنون لطیفہ اور علوم جلیلہ کے چشمہ ہائے شیر و عسل ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف جاری ہوتے رہینگے جناب مرتضیٰ کی قوت ایجاد کا شکر ہر قدر شناس کی زبان پر جاری اور قلب پر ساری و طاری رہیگا اور اس ذات والا کے چشمہ فیض سے علم و عرفان کی وادیاں سیراب ہو کر حیدری فضل و کمالات کے برگ و بار کو پھیلاتی اور گل و ثمر سے خوشہ چینیان علم و حکمت کے جیب و دامان کو پُر کرتی رہینگی +

اس ذکر کے پر لطف اور اس کیفیت کے دلفریب ہونے میں کلام نہیں مگر بیان کو طول دینے اور تفاصیل کا تکرار کرنے کی حاجت نہیں کہ اس بارہ خاص میں شیعہ و سُنی سب متفق ہیں اور اس ایجاد کو جناب حیدر کرار کی طرف منسوب کرنے میں کسی کو کلام نہوگا مختصر یہ ہے۔ کہ آنجناب نے ابو اسود دُئلی کو اس فن کے چند فوائد اصولیہ سمجھائے اور آپکی ہدایت و رہنمائی سے یہ علم حسب دستور ترقی کرتا ہوا بتدریج کمال تک پہنچا۔ مرزا احمد سلطان صاحب اس صداقت کو درج کتاب کرنے سے بیشک داخل حسنات ہوئے اور فضائل ذات مرتضوی پر زور قلم صرف کرنے سے اجر عظیم کے مستوجب ٹھہرے۔ یہ تقاضائے بشریت ہے۔ کہ آدمی جذبۂ شوق و محبت سے سرشار ہو کر جادۂ اعتدال سے منحرف ہو جاتا ہے اور نغمۂ مدح سرائی کا سرور اکثر اوقات افراط و تفریط کا امتیاز باقی نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ صاحب علم لکھتے ہیں کہ "اوپر کی روایات سے ظاہر ہے کہ جناب علی علیہ السلام کو معانی قران کے بدلجانے سے علم نحو کی ایجاد و تدوین کی ضرورت ہوئی تو پس ثابت ہو گیا کہ حروف قرآن پر نقاط و اعراب کا ایجاد جناب امیر علیہ السلام نے کیا باین وجہ وفیات الاعیان کی روایت ہے جو نصر بن عالم یا یحیی بن یعمر کو یا بائے حجاج بن یوسف موجد اعراب و نقاط بتایا گیا ہے محض غلط" یہ صاحب عالم کا اپنا قیاس ہے ورنہ روایات میں صرف ایجاد نحو کا ذکر ہے اور چند ابتدائی قاعدے لکھے گئے ہیں جو جناب مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ابو اسود کو بتائے ان میں اعراب و نقاط کا کہیں ذکر نہیں نہ موجد اول اور ابتدائی اصول کی راہ دکھانے والے کا یہ فرض ہوتا ہے کہ فن کو ترقی اور کمال کے تمام یا اکثر مدارج تک پہنچا کے چھوڑے +

ایجاد بیشک شخص واحد کا کام ہے لیکن ترقی و تکمیل قدرت کے سوا کسیکے اختیار میں نہیں اور قرنہائے دراز کی تگ و دو اور بیشمار ذکی الفہم انسانوں کی کوشش سرگرم

عمل رہتی ہے تو من ترقی پاکر کارآمد ہونے کی لیاقت حاصل کرتا ہے مگر باوجود ان تمام عرق ریزیوں کے جو وقتاً فوقتاً مختلف اور کثیر التعداد اشخاص کی طرف ہوتی رہتی ہے موجد اول کی فضیلت و برتری کا اعتراف کرنا اور اسکے احسان عظیم کا شکر گذار ہونا پڑتا ہی اسلئے کہ جس چیز کا دنیا میں کسیکو خیال تک نہ تھا موجد کی دیدہ دُوربین نے اس کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس کی طرف گام زن ہونے کے لئے نشان راہ دکھایا اور پہلا قدم اُٹھاکر چلنے والوں کو مرحلہ پیمائی پر آمادہ کیا۔ انسانی طبیعت اسیقدر پرواز کر سکتی ہے اور موجد اوّل کے شرف و امتیاز کے لئے یہی کافی ہے اور یہی کام فن نحو کے اندر جناب علی مرتضیٰؓ نے کیا کہ کلمہ کے اقسام معین فرمائے۔ فاعل و مفعول وغیرہ کی حرکات دریافت کیں اور ایک دو اور ابتدائی قاعدوں کا نشان دیکر تلاش کرنیوالوں کے لئے شاہراہ[۱] تیار کر دیا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حرکات کا قاعدہ دریافت کرنے کے بعد حرکات کے لئے علامات فتح و نصب بھی ضرور آنجناب نے ہی ایجاد کی ہوں فتح و نصب زبان عرب پر جاری تھے اور نو آموز انہیں غلطی کرتے سُنے گئے ایک کلیہ بتاکر حضرت نے اُن کو غلطی سے بچالیا۔ یہ کام الگ ہے اور وہ دوسرا کام ہے کہ لکھنے میں فتح و نصب کو ظاہر کرنا ہو تو کیا علامات اختیار کریں۔ بیشک حضرت کو اسجانب توجہ ہوتی تو علامات معین فرما دیتے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر توجہ ہوئی ہوگی تو علامات بھی جناب ہی نے معین فرما دی ہونگی۔ لیکن واقعہ میں ایسا ہی ہوا ہے اور اعراب کی علامتیں حضرت نے ہی ایجاد کی ہیں نہ اس کی کوئی روایت موجود ہے نہ ایجاد نحو کو آنجناب کیطرف منسوب کرنے سے لازم آتا ہے کہ تحریر میں لانے کے لئے اعراب کے نشان آنجناب کو ہی معین کرنے چاہیئے تھے۔ جہاں اور سینکڑوں اصول اور قاعدے ایجاد اوّل کے بعد دریافت ہوئے اور ہوتے رہے اسی طرح ممکن ہے کہ اعراب کا قاعدہ دریافت ہو جانے کے بعد اسکو تحریر میں ظاہر کرنے کے واسطے علامات معین کرنے کا خیال کسی اور کو آیا ہو اور ایجاد اعراب کا فخر موجدان مابعد کو نصیب ہوا ہو +

پس ایجاد اعراب کی نسبت جو حجاج بن یوسف اور اُس کے ہمراہیوں کا ذکر کیا جاتا ہے

---

[۱] علامہ سیوطی رح نے الاخبار المرویہ فی وضع العربیہ نام سے ایجاد صرف و نحو کی نسبت ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اسمیں تاریخ الخلفاء میں جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی یہی چند ہدایات مندرج ہیں۔

اس میں کوئی استبعاد نہیں اور ابن خلکان کی روایت محض اس بنا پر رد نہیں ہو سکتی کہ موجد اول حضرت علیؓ ہیں تو حرکات کی علامتیں بھی ضرور آنجناب ہی نے ایجاد کی ہوں گی نہیں اس کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے اور ثبوت موجود ہے تو حجاج بن یوسف کی نسبت کہ اس کے ایما سے نصر بن عاصم نے یہ کام کیا اور دوسری طرف یہ روایت بھی موجود ہے اور صاحب عالم وفار الوفا سے نقل کرتے ہیں کہ حجاج نے مصحف لکھوا کر مختلف شہروں میں بھجوائے۔ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ ایجاد اعراب کو تسلیم کیا جاتا اور خیال کیا جاتا کہ اسی جدید شکل میں زبر زیر پیش کے ساتھ لکھوا کر بھجوائے گئے ہونگے۔ اور چونکہ جدت کو عوام الناس ہمیشہ اشتباہ کی نظر سے دیکھتے ہیں قرآن کو پہلے دستور کے خلاف حرکات سے مزین دیکھ کر عہد عثمان کو پسند کرنے والوں نے اعتراض کیا ہوگا جس کے جواب میں خود روایت کے اندر موجود ہے کہ ان کو مصحف عثمان کے تلاوت کرنے کی اجازت دی گئی +

روایات موجودہ کی بنا پر یہی امر قرین قیاس ہے مگر اس کے خلاف غضب ہے کہ بدگمانی کے گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ "عبدالملک بن مروان کو خلفائے ثلثہ کی طرح شوکت خلافت جتانے اور متصدی و محافظ شریعت کہلانے کی غرض سے قرآن میں تصرف کرنے کی ضرورت ہوئی تو حجاج ابن یوسف نے قرآن میں تصرف کر کے مصاحف عثمان کو ضائع اور اپنے مصاحف کو رواج دیا"!

اللہ اللہ! عبدالملک کا حکم کہاں دیکھا اور حجاج کے قرآن میں تصرف کرنے کا ذکر کہاں پایا؟ مصاحف عثمان کو ضائع کرنے کی کارروائی کس سے سنی؟ بیشک عبدالملک بادشاہوں کا سا بادشاہ تھا خلیفہ راشد نہ تھا اور حجاج بدین ظالم و سفاک بیرحم خونریز سبھی کچھ تھا مگر جو کچھ تھا اسیقدر کہنا مناسب ہے۔ نہ کہ جس جرم کا ان دونو کی نسبت کوئی ذکر نہیں برا سمجھ کر اس کا الزام بھی ان کے سر پر تھوپ دیا جائے۔ عبدالملک کے ایسے ارادے کی کسی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ حجاج نے خانہ کعبہ پر پتھر برسائے۔ علماء فقہا عباد وزہاد کو اسقدر قتل کیا کہ مقتولین کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار شمار کی گئی ہے (تاریخ ابوالفداء) پھر بھی کہنے کو مسلمان تھا۔ اسلام کے مرکز یعنے عرب و عراق کا حاکم تھا۔ فصیح البیان عرب تھا۔ مادری زبان سے محبت ہوگی۔ تالیف قلوب کی ضرورت ہوگی

انسانیت کے تقاضے سے کبھی ملکی خدمت کا خیال بھی آجاتا ہوگا۔ کسی وجہ سے اعراب کا خیال آگیا اور اُس کے ہاتھ سے قرآن اور زبان عرب کی اتنی خدمت ہوگئی تو تعجب کیا ہے اگر یہ خبر صحیح ہو اور وہ کمبخت اس عمل کی بدولت دوزخ کے کسی درجۂ زیرین سے بالاتر طبقہ میں آسکا ہو یا اور کسی طرح کی راحت کا مستوجب ہوگیا ہو تو خدا کی رحمت سے کیا بعید اور اس میں کسی کا کیا ہرج۔ اگر روایت غلط ہے اور اس بے نصیب کے ہاتھ سے یہ کار خیر بھی نہیں ہوسکا تو اس کے تودہ ہائے معاصی میں کمی کیا ہے کہ ناکردہ تحریف قرآن کا الزام بھی لگایا جائے اور قرآن کو بازیچۂ اطفال سمجھا جائے کہ جس کے جی میں آیا اُس نے اپنی خواہش کے مطابق اول بدل کر دیا اور غیبی معجزہ سے سب حافظوں اور قاریوں کی زبان پر وہی جاری ہوگیا۔ اصل عبارت کا کسی کو ایک حرف بھی یاد نہ رہا +

صحیح قرآن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ ہزاروں حافظوں نے یاد کیا سینکڑوں پرزوں اور ٹکڑوں پر لکھا گیا۔ نمازوں میں پڑھا گیا۔ تلاوتوں میں سنایا گیا مگر خود زمانہ رسول کے سننے والوں کی موجودگی میں جناب علی مرتضیٰ کو اپنی خلافت کے اندر اس کو جاری کرنے اور شیخین کے نوایجاد قرآن کو منسوخ کرنے کی بقول کلب عباس صاحب کے جرأت نہ ہوئی اور اُنہوں نے خیال کیا کہ ”اصل قرآن کو مکرر رواج دیا تو تو پھر یہ محرف قرآن بھی دنیا میں باقی نہ رہیگا“ لیکن خلفائے ثلٰثہ اور حجاج کے ہاتھ میں ایسا جادو تھا کہ اُلٹا سیدھا جو کچھ لکھوا کر جاری کر دیتے تھے وہی سب کی زبان پر جاری ہوتا تھا +

پہلے لکھے ہوئے مصحفوں کے کاغذ سفید ہو جاتے تھے۔ حافظوں کے سینے دھوئے جاتے تھے۔ روزانہ نماز میں پڑھا ہوا یاد نہ رہتا تھا۔ اور تحریف کا ذکر بھی کسی زبان پر نہ آتا تھا۔ حجاج کے تمام مظالم کا تذکرہ ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے۔ تاریخوں میں موجود ہے۔ اس گناہ عظیم کا ارتکاب کرنا۔ تو کیا کہنے والے اچھے لفظوں میں صرف کتابت قرآن کا نام لیتے اور چپ ہو رہتے بلکہ اس کے سر پر ایجاد اعراب کا طرہ باندھتے اور مذہب کی بجائے اس کے گیت گاتے۔ العجب کل العجب +

نہیں قرآن کلام ربانی اور خدا کی ایک صفت ہے۔ ذات خداوندی کی طرح ازلی وابدی۔ انسانی طاقت اس میں ردوبدل کرنے سے عاجز ہے۔ ظاہری سامان

اس کی حفاظت کا یہ کیا گیا ہے کہ ہر زمانے میں لاکھوں مسلمانوں کو حرف بحرف نوک زبان ہوتا آیا ہے۔ ناظرہ خوانوں کی زبان سے روزانہ تلاوت کیا جاتا ہے۔ ہمیشہ تھوڑا تھوڑا اور رمضان میں سب کا سب جا بجا پڑھا اور سُنا جاتا ہے گلستاں بوستاں کا کوئی جملہ فصاحت شیرازی کے خلاف لکھدو۔ مکتبوں کے لڑکے بھی تحریف کو پہچان لیتے ہیں تو فصاحت ربانی کی بجائے خود غرض انسان قرآن میں تصرف کرے اور کسی کے دل میں نہ کھٹکے ناممکن ہے۔ اور ایسا خیال قرآن کی قرآینت سے ناواقف ہونے کی دلیل +

مرزا سلطان احمد صاحب ابجاد نحو کا ذکر کرتے ہوئے کہیں سے کہیں چلے گئے ہیں اور لگتے ہاتھ دو چار بہتان اہلسنت پر باندھ دیئے ہیں۔ ایک کارنمایاں شیعہ کا بھی درج کیا ہے جو اگر صحیح ہو تو انہی کو مبارک رہے۔ کہتے ہیں کہ موجدان نحو چونکہ حضرت علیؓ کے پیرو اور شیعۂ اہلبیت تھے اس لئے اُنہوں نے عمداً زید عمر بکر خالد وغیرہ نام مثالیہ فقروں میں اس طرح پر درج کئے ہیں جن سے حضرت علیؓ کی فوقیت اور دیگر صحابہؓ کی اہانت ہو۔ زید حضرت علیؓ کا نام ہے ضَرَبَ زَیۡدٌ عَمۡرًا (زید نے عمر کو مارا) کہہ کر اور وں کی تضحیک کی جاتی ہے اور یہ بھی دلیل ہے اس امر کی کہ موجد نحو جناب علی مرتضےٰؓ تھے۔ یہ خیال صحیح ہو اور دانستہ ایسے اسما چنے گئے ہوں تو اور تو کوئی تعجب نہیں۔ البتہ زید کے لفظ سے حضرت علیؓ کی طرف اشارہ ہو اور یہی لفظ سب سے زیادہ مثالوں میں استعمال ہو اور ضَرَبَ زَیۡدٌ (زید نے مارا) کے بعد ضَرَبۡتُ زَیۡدًا (میں نے زید کو مارا) کہنے کے وقت بھی آنجناب کیطرف خیال جائے تو کیسی لغو حرکت ہوگی اور اس بے ادبی کو شیعیان علی کیونکر برداشت کرتے ہونگے۔ نہیں یہ شہزادہ صاحب کا اپنا شاہی خیال ہے۔ فدا کاران علیؓ ایسی حرکت کے مرتکب نہیں ہو سکتے اور آنجناب کے نام نامی کو تختۂ مشق بنانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ زید عمرو وغیرہ مختصر نام ہیں آسانی سے ورا تے ہیں۔ استعمال ہونے لگے +

پھر فرماتے ہیں کہ اہلسنت کو حضرت علی رضؓ کی جناب سے ایسی کد رہی ہے۔ کہ صدیوں تک محدثین آنجناب کا نام لینے کی بجائے روایتوں میں ابو زینب کہتے رہے ہیں۔ یہ ایسا سفید جھوٹ ہے۔ جس کا کوئی نشان نہیں حضرت علیؓ کی کنیت ابو زینب معترض کے سوا کسی کے دماغ میں نہیں آئی۔ ابو تراب بارگاہ رسالت کا اعزازی خطاب

اور ابوالحسن مشہور کنیت ہے۔ سعدیؒ فرماتے ہیں بگفتا چنین نیست یا ابوالحسن۔ محدثین آپ کی کنیت سے سروکار نہیں رکھتے صاف نام نامی کا ذکر کرتے ہیں۔ حدیث کی سب سے پہلی کتاب جو ملسکتی ہے امام مالک کا مؤطا ہے اور اس کے بعد ہر صدی میں حدیث کی کتابیں تصنیف وتالیف ہوتی رہی ہیں سب میں جناب مرتضوی سے عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے عنوان سے روایتیں موجود ہیں اور وہ بھی ایک دو نہیں سینکڑوں ہیں کیونکہ حضرت کا شمار کبیر لرواۃ صحابہ میں ہے اور محدث کو حضرت کا اسم گرامی ذکر کرنے کی عزت بار بار حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ اخبار احادیں (یعنے جن حدیثوں کو ایک ایک شخص روایت کرتا آیا ہو ان ہیں) سب سے اعلےٰ اور برتر مرتبہ انہی حدیثوں کو دیا جاتا ہے جو زہریؒ عَنْ سالمؒ عَنْ عبیدؓ اللہ بن عمرؓ اور ابراہیمؒ نخعی عن علقمہؒ عَنْ ابن مسعودؓ اور محمدؒ بن سیرینؒ عن عبیدۃ بن عمر عن علی بنؓ ابی طالب کی روایت سے ہوں (نزہتہ النظر بحث اصح الاسانید)

پھر غضب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نمازوں میں درود متروک تھا جس کو آٹھویں صدی میں سلطان خدا بندہ نے جاری کیا۔ حوالہ تزک تیموریہ کا دیتے ہیں۔ تزک تیموریہ اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ امیر تیمور نے اپنے حالات خود اپنے قلم سے لکھے ہیں اور اپنے کارناموں کو جس شکل میں انہوں نے پیش کیا ہے اور اپنے افعال کے جو اسباب خود ان کے ذہن میں گذرے ہیں ان سے آگاہی ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ اس کتاب کی وقعت نہیں اور امیر تیمور معتبر مورخین میں شمار نہیں ہوسکتے۔ سلطان الجائتو خدا بندہ سنہ ۷۰۳ھ میں تخت نشین ہوا ہے اور سنہ ۷۱۹ھ میں مرگیا۔ امیر تیمور سنہ ۷۳۰ھ میں تولد ہوئے جو واقعہ ان کی ولادت سے پہلے کا ہے اس میں ان کی شہادت لائق اعتماد نہیں خصوصاً جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ سنہ ۹۵ھ میں تولد اور سنہ ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے بنی امیہ کا اقبال واد بار سب کچھ اور بنی عباس کا عہد زرین ان کی آنکھوں کے سامنے گذرا اور یہی دونوں خاندان اہلبیت کے سب سے بڑے دشمن یا رقیب اور محبت آل عبا سے روکنے والے سمجھے گئے ہیں۔ مؤطا اسی زمانے کی تصنیف ہے۔ اور اس میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کے الفاظ موجود اور نماز وغیرہ میں ان کو پڑھنے کا حکم مندرج ہے اور ان کے بعد کی تمام حدیث وفقہ کی کتابوں میں نماز کے اندر درود

پڑھنے کا ذکر اور درود کے اسی قسم کے الفاظ مذکور ہیں امام مالک رح سے ملتا ہوا زمانہ امام شافعی رح اور امام احمد رح بن حنبل کا ہے۔ یہ دونوں بزرگ درود کو فرض کہتے ہیں کوئی درود نہ پڑھے تو حکم دیتے ہیں کہ نماز نہیں ہوئی (میزان شعرانی باب صفۃ الصلوٰۃ) اہلسنت کی ہر کتاب میں درود کا ذکر اور ہر نماز میں اس کو پڑھنے کی تاکید موجود پانے اور انہی کتابوں پر اہلسنت کو عمل کرتے دیکھنے کے بعد امیر تیمور کا بیان کیا وقعت رکھتا ہے جس کی بنا پر کہا جائے کہ اہلسنت علی رض کی عداوت سے درود ہی کو چھوڑ بیٹھے تھے اور خدا بندہ نہ آتا تو خدا کے بندے رسول کی امت ہی نہ بنتے!

نکتہ وضو

اہلسنت وضو میں پاؤں دھوتی ہیں صاحب عالم اس کو بھی حضرت علی کی عداوت پر محمول کرتے ہیں ورنہ اُن کے نزدیک قرآن میں صراحت اسکے اختلاف ہے۔ دیکھنا چاہئے کہ قرآن میں کیا الفاظ ہیں اور اُن سے قرآن میں چند اعضا کے دھونے کا ذکر ہے۔ ایک پر مسح کرنیکا حکم ہے پاؤں کا ذکر بعد میں آیا ہے جسکو قریب پر عطف کیا جائے تو مسح کا حکم نکلتا ہے اور بعید پر عطف کرنے سے غسل کا۔ دھونے کا حکم چہرہ کی نسبت ہے۔ اور کہنیوں تک ہاتھوں کی نسبت۔ چہرہ پر چلتے پھرتے گرد پڑتی ہے اور آنکھ ناک اور منہ سے بعض اوقات آلائش نکلتی ہے دھونے کا حکم بالکل مناسب ہے۔ ہاتھ کہنیوں تک اکثر کام میں مصروف رہنے کے وقت ناپاک ہو جاتے ہیں طہارت کا اقتضا ہے کہ ضرور دھوئے جائیں سر پر ٹوپی یا پگڑی ہوتی ہے جس سے اکثر حصہ مستور رہتا ہے ہنوز جب بھی اڑتی ہوئی خفیف سی گرد ہی سر پر پڑ سکتی ہے۔ گیلے ہاتھ سے مسح کر لینا گرد کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔ رہے پاؤں کیا چلتے پھرتے گرد کا تمام زور انہی پر صرف نہیں ہوتا۔ کیا کام کاج کرتے ہوئے وہ ناپاک نہیں ہوتے اور اُنپر چھینٹیں نہیں پڑتیں؟ اگر پاؤں آلودہ نہیں ہوتے اور سر کیطرح بالکل محفوظ و مستور رہتے ہیں تو بیشک ارجلکم کا عطف رؤسکم پر مناسب ہوگا اور مسح سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت نہ رہیگی۔ لیکن واقع میں ایسا نہیں ہے اور ہاتھ اور چہرہ سے بہت زیادہ پاؤں نجاست میل اور گرد و غبار کا آماجگاہ بنے رہتے ہیں۔ اور ہر وقت جسقدر ناپاک پاؤں ہوتے رہتے ہیں انسانی جسم کا کوئی حصہ نہیں ہو سکتا۔ اہلسنت شعار شیعیت سے بچنے کے لئے "پاؤں دھوتے ہیں لیکن کیا فرماتے ہیں علمائے بیضائے اثنا عشریہ اور بالخصوص شہزادہ صاحب اُس مزدور کے بارہ میں جو مٹی گارا اٹھاتے اٹھاتے یا نالی صاف کرتے کرتے نماز کیلئے

تیار ہونا چاہتا ہے۔ کیا وہ ہاتھ اور منہ دھوئے اور پاؤں پر مسح کر کے مسجد میں درآئے اور نماز کی نیت باندھ لے۔ ایسا شخص ایک طرف باہر سے چلتے پھرتے آکر شیعہ بزرگوار وضو کرنے بیٹھتے ہیں تو سب سے پہلے پاؤں دھوتے ہیں۔ پھر وضو کرتے ہیں اور پاؤں پر مسح کر لیتے ہیں اگر قرآن میں مسح کا حکم ہے تو ایسا کیوں کیا جاتا ہے اور اگر اس کی ضرورت ہے تو قرآن میں ایسا حکم کیوں نہیں دیا گیا۔ اگر تحریف کرنے والوں نے وہ آیت اُڑادی ہے جسمیں پہلے پاؤں دھونے اور بعد میں مسح کرنے کا حکم تھا۔ تو شیعی روایات میں اس آیت کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کو شیعی شعار سے نفرت نہیں۔ شیعہ کو اہل سنت سے کاوش ہے جو سنت نبوی پر عمل کرنے سے روکتی ہے اور پاؤں دھونے کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے خلاف سنت کرنے کے لئے پاؤں پہلے دھوتے ہیں وضو پیچھے کرتے ہیں۔ چوکی پر بیٹھ کر وضو کیا جائے اور خادم پانی ڈالتا رہے تو قباحت محسوس نہیں ہوتی لیکن سب نمازی ایسے خوش قسمت نہیں اور اکثر کو زمین پر بیٹھ کر وضو کرنا پڑتا ہے وہ پاؤں پہلے دھوئیں تو باقی وضو کرنے کے اثنا میں جو چھینٹیں زمین سے اُڑکر پاؤں پر پڑتی ہیں شیعہ اس کا کوئی علاج نہیں رکھتے اور ہاتھ پھیر کر پاؤں کو اور زیادہ آلودہ کر لینے کی وجہ سے بارگاہ ربانی میں حاضر ہونے کے لائق پاک مطہر نہیں رہ سکتے۔ سہل کار یہی ہے کہ تمام اعضا کے بعد پاؤں دھوئے جائیں تا نجاست کے ساتھ چھینٹوں کی آلودگی بھی دور ہو سکے اور یہی تفسیر ہے قرآن کی جو سنت نبوی سے ثابت ہوتی ہے اور اسی کا قرینہ ہے کہ پاؤں کو کعبین یعنے ٹخنوں کے ساتھ محدود کیا گیا ہے۔ مسح کرنا ہو تو ہاتھ کو پاؤں کی انگلیوں سے کمر تک کھینچتے چلے جاؤ۔ ٹخنے رستہ میں حائل نہ ہوں گے اور ٹخنوں تک مسح کرنے کا حکم بے معنے قرار پائیگا۔ مسح کا ذکر ہوتا تو حذاء الکعبین (ٹخنوں کے سامنے تک) کہا جاتا دھونے کا حکم مانو ٹخنوں کے ذکر کا فائدہ ظاہر ہو جاتا ہے اور پانوں کو ٹخنے تک دھونے کی تعمیل ہو سکتی ہے۔ قرآن کا حکم صاف ہے اور اہلسنت کو معلوم۔ پاؤں کا ذکر سب کے بعد ہوا اسلئے کہ وضو کی ترتیب میں پاؤں کا درجہ سب کے بعد ہے اور ہونا چاہئے۔ غلطی شیعہ سے ہوئی کہ سر کے پیچھے اُن کا ذکر آیا ہے وُّسِکُمْ پر عطف کر دیا اور اَرْجُلِکُمْ پڑھنے لگے +

سُنئے حقیقت میں نماز سے پہلے سر سے پاؤں تک تمام جسم کا پاک و مطہر ہونا ضروری

سمجھا گیا ہے مگر اس غرض کیلئے ہر نماز پر غسل کیا جائے تو سخت تکلیف ہے، اور مضرت کا اندیشہ حکم دیا گیا کہ جنابت وغیرہ کی صورت میں جبکہ طبی قاعدے کی رو سے تمام جسم ناپاک ہوتا ہے غسل کیا جائے۔ نہیں تو جس جگہ نمایاں نجاست لگی ہوئی ہو۔ وہ سر ہو یا جسم کا کوئی حصہ ضرور دھو لیا جائے۔ یہ بھی نہو یا یہ کام کرنے کے بعد جس جس حصہ کے اکثر آلودہ ہوتے رہنے کا احتمال ہے اسکو نجاست نہ دیکھیں جب بھی دھو لیا کریں۔ جو حصّے معمولی حالت میں آلودہ نہیں ہوتے مگر برہنہ رہنے کی وجہ سے گرد آلودہ ہو سکتے ہیں۔ انپر مسح کر لیں۔ جو حصّے اکثر کپڑوں میں مستور رہتے ہیں اسلئے تعرض نہو۔ اسطرح پر ایک مختصر سے عمل سے تمام جسم کے پاک صاف ہو جانے کا گمان غالب ہو جاتا ہے اور اسیقدر انسان کر سکتا ہے۔ اگر کسی مستور حصّہ کو اس کے علم کے بغیر نجاست لگ گئی ہو تو چونکہ ایسا احتمال کمتر ہے وہ معذور سمجھا جاتا ہے۔ اب دیکھئے ہاتھ اور منہ کے آلودہ ہونے کا احتمال زیادہ ہے دھونے کا حکم دیا گیا۔ گردن اور کان اور سر کا بالخصوص جو پچھائی حصہ سامنے کا گرد آلود ہوتا رہتا ہے۔ مسح کافی سمجھا گیا۔ پاؤں کو اہل بصیرت و بصارت خود ہی دیکھ لیں کہ کس قسم میں شمار ہو سکتے ہیں۔ آیا اُن کو اندام نہانی یا پشت و شکم کی طرح ہر شخص ہمیشہ کپڑوں میں ڈھکے رکھتا ہے۔ یا ان کی نسبت محض گرد آلودہ ہونے کا احتمال ہے یا کاروبار میں وہ اکثر ناپاک ہوتے رہتے ہیں۔ اس تقسیم کے رو سے پاؤں جس قسم میں شمار ہوں اسی کا حکم عائد ہونا چاہئے +

یہ فیصلہ اہل انصاف خود کر سکتے ہیں۔ ہاں جب پاؤں دھو کر موزے پہن لئے جائیں تو وہ ناپاک نہیں ہو سکتے اس صورت میں بیشک مسح کرنا اور موزوں کے اوپر کی گرد کو دُور کر دینا کافی ہوتا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ برہنہ پاؤں پر مسح کرنے والے موزوں کی حالت میں مسح کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور ایسا قبیح سمجھتے ہیں کہ تقیہ کی حالت میں بھی جبکہ ہر طرح کے گناہ کا ارتکاب اور ہر قسم کے کلمۂ کفر کا اظہار واجب سمجھا گیا ہے اور خود ائمہ علیہ السلام کی جانب تقیہ کے عذر پر کئی طرح کے ناجائز اقوال و افعال منسوب کئے گئے ہیں حتے کہ ایسی صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے کا بھی حکم دیا گیا ہے (اصول کافی باب تقیہ)

موزوں پر مسح کرنا تقیہ کے طور پر اور اپنی حالت کو چھپانے کے لئے بھی جائز نہیں کیا گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبان سے کہوایا گیا ہے:-

لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا تَقِیَّةَ لَهٗ وَالتَّقِیَّةُ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ اِلَّا فِی النَّبِیْذِ وَالْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ (اصول کافی۔ کتاب الکفر والایمان۔ باب التقیہ)

جو تقیہ نہ کرے اسکا دین ہی نہیں اور تقیہ ہر کام میں ہے سوا شراب کے یا موزوں پر مسح کرنے کے۔

کیا حقیقت شناسان فرامین ائمہ بتا سکتے ہیں کہ مسح علے الخفین میں وہ کونسی قباحت ہے جو اور کسی صغیرہ کبیرہ اور شعائر کفر و نفاق میں نہیں جس کی وجہ سے ہر قسم کی سیکاری جائز ہے مگر نبیذ کی اور اس کی اجازت نہیں۔ اپنی حالت چھپانے کے لئے اگر نماز قضا کرنے یا بے وضو ادا کرنے کی ضرورت ہو تو اس حدیث کے رو سے یہ کام دینداری کا ہو گا لیکن اسی غرض سے موزوں پر مسح کرنے کی ضرورت ہو تو جائز نہیں۔ کیا اس امتیاز کی وجہ بتائی جا سکتی ہے؟ نبیذ بیشک ام الخبائث ہے مگر مسح خفین میں سوا اسکے کوئی قباحت نہیں کہ وہ شعار اہل سنت ہے۔ اعتراض کرنیوالے بتائیں کہ کد و عناد اہل سنت کی طرف سے ثابت ہوتا ہے یا شیعہ کیجانب سے۔

(۵) باب پنجم

شیعی روایات تحریف

دعوائے تحریف اور روایات جمع قرآن کی نسبت جہاں تک امکان میں تھا۔ غور کیا گیا۔ لیکن یہ بیان حضرات شیعہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لائق نہ ہو سکیگا جب تک شیعی روایات سے اس موضوع پر روشنی نہ ڈالی جائے شیعہ تحریف کے مدعی ہیں اور ائمہ اہلبیت کی طرف سے اس مضمون کی روایات پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے صاف تصریح امام جعفر صادق کی اس حدیث میں ہے جن میں منزل من اللہ قرآن کی آئتیں سترہ ہزار بتائی گئی ہیں (اصول کافی کتاب فضل القرآن باب النوادر) اس کے سوا دیگر روایات میں جستہ جستہ کسی آیت کا ذکر آیا ہے تو بیان ہوا ہے کہ اس آیت

میں فلاں جملہ یا لفظ متروک ہے، اور دریافت کرنے پر ارشاد ہوا ہے کہ تحریف کی گئی ہے مثلاً وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا کی نسبت ارشاد ہے کہ اصل وحی میں یہ الفاظ تھے وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فِي وِلَايَةِ عَلِيٍّ وَالْأَئِمَّةِ مِنْ بَعْدِهِ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔ اور وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ فَنَسِيَ میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت پر یوں وحی ہوئی ہے وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ كَلِمَاتٍ فِي مُحَمَّدٍ وَعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَالْأَئِمَّةِ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمْ فَنَسِيَ (اصول کافی کتاب الحجۃ باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ) اسی طرح کے الفاظ جو ائمہ اہلبیت کی عظمت و قدر کو ظاہر کریں اکثر آیات کے اندر محرف اور متروک بتائے گئے ہیں اور تمام روایات میں شاید دو چار آیتیں ہونگی جن میں کسی اور مضمون کے متعلق کسی تحریف کا اظہار ہو۔ یہ سب کچھ اُن آیات کے اندر ہوا ہے جو موجودہ قرآن میں پائی جاتی ہیں اور ہزار سے زائد آیتیں جو یک قلم حذف کر دیگئی ہیں ان کا اقتباس کہیں موجود نہیں اور معلوم نہیں کہ ان میں کیسے معارف جلیلہ اور نکات دقیقہ کے دفینے ہونگے جو اہل زمانہ کی نظر سے مستور ہو گئے۔

ان روایات کے متعلق غور کرنے میں

اس سب سے پہلے جو بات کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ تحریف قرآن کا عینی گواہ اور تمام ردوبدل کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والی جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ذات اطہر ہے مگر تعجب ہے کہ آنجناب کی طرف سے کوئی روایت دعوے تحریف کے ثبوت میں مروی نہیں آنجناب کے خطبات اور مواعظ بہت بڑی مقدار میں شیعی روایات کے اندر موجود ہیں اور اکثر تقریروں اور تحریروں میں آنجناب کی طرف سے اہل زمانہ کی گمراہی و غلط کاری پر ملامت اور اُن کے نقائص و معائب کا تذکرہ روایت کیا گیا ہے۔ مگر سب سے بڑی ضلالت کا کارنامہ جس سے سرچشمہ ہدایت کو مکدر کر دیا گیا اور آنجناب کی فضیلت و برتری کی دستاویزیں صفحۂ دہر سے مٹا دی گئیں آنجناب کی زبان سے اس کا ذکر کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ بلکہ اس کے خلاف قرآن کریم کے موجود اور محفوظ ہونے کی شہادت اور موجودہ قرآن کی بنا پر اپنے دعاوی کو ثابت کرنے کی کوشش کا جابجا

پتہ ملتا ہے۔ اگرچہ بیان کو طول ہوگا۔ مگر ضرورت ہے کہ اس موضوع پر جو کچھ جناب مرتضوی اور آئمہ اہلبیت کیطرف سے ظاہر کیا گیا ہے مفصل بیان کیا جائے۔

جناب علی مرتضے کے ایک خطبہ میں جو محمد بن نعمان یا کسی اور نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سُنا ہے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ذکر کرتے ہیں۔

اَرْسَلَهٗ عَلَی النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ بِکِتَابٍ کَرِیْمٍ قَدْ فَضَّلَهٗ وَ فَصَّلَهٗ وَبَیَّنَهٗ وَاَوْضَحَهٗ وَاَعَزَّهٗ وَحَفِظَهٗ مِنْ اَنْ یَّاْتِیَهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ ط فروع کافی کتاب الروضہ

حقتعالےٰ نے آنحضرت کو سب لوگوں کی طرف بھیجا ہے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنایا ہے ایک کتاب کریم دی ہے جسکو فضیلت بخشی ہے مفصل بیان کیا ہے کھولکر بتایا ہے واضح کیا ہے عزت دی ہے اور اس کو محفوظ رکھا ہے اس امر سے کہ باطل اس کے آگے سے یا پیچھے سے اس میں

صفحہ ۵۵ مطبوعہ سنہ ۱۸۸۶ء لکھنؤ) دخل پاسکے وہ حکمت والے اور قابل تعریف خدا کی طرف سے اُتاری ہوئی ہے۔

ایک اور خطبہ میں جو محمد بن حسن نے اپنے والد دادا اور اپنے پردادا کی وساطت سے روایت کیا ہے جناب مرتضوی آئندہ کے حالات بیان فرماتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے۔

سَیَاْتِیْ عَلَیْکُمْ مِّنْ بَعْدِیْ زَمَانٌ لَیْسَ فِیْ ذٰلِکَ الزَّمَانِ شَیْءٌ اَخْفٰی مِنَ الْحَقِّ وَلَا اَظْهَرَ مِنَ الْبَاطِلِ وَلَا اَکْثَرَ مِنَ الْکِذْبِ عَلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَلَیْسَ عِنْدَ اَهْلِ ذٰلِکَ الزَّمَانِ سِلْعَۃٌ اَبْوَرَ مِنَ الْکِتَابِ اِذَا تُلِیَ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ وَلَا سِلْعَۃٌ اَنْفَقَ

میرے بعد تم پر ایسا زمانہ آئیگا کہ اُس زمانے میں حق سب سے زیادہ مخفی ہوگا اور باطل سب سے زیادہ ظاہر ہوگا خدا و رسول پر جھوٹ باندھنے کی کثرت سب چیزوں سے زیادہ ہوگی اور اُس زمانے والوں کے نزدیک قرآن کی تلاوت کرنا جیسا کہ تلاوت کا حق ہے۔ ہر سودے زیادہ خسارہ کا سودا ہوگا

لے سُنی محدثین کی معتبر کتابوں میں ہر حدیث کے پہلے راویوں کا تمام سلسلہ نام بنام ذکر کر دیا جاتا ہے۔ جو اس فرمان کے ارشاد کرنے والوں تک پہنچتا ہو اور راویوں کا حال اسما الرجال کی کتابوں میں دیکھ کر ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ حدیث کس پایہ کی ہے مگر شیعہ کی سب سے معتبر کتاب کافی میں اسکا التزام نظر نہ آیا۔ "فلاں نے ہی امام باقر یا امام جعفر سے روایت کرتا ہے"۔ "فلاں امام سے فلاں راوی یا کوئی اور روایت کرتا ہے"۔ "ہمارے چند اصحاب نے فلاں راوی سے روایت کی ہے"۔ ایسی فروگذاشتیں بکثرت ہیں جس سے راویوں کی ضعف و قوت کا اندازہ نہیں ہوسکتا اور صحت حدیث کی تمام ذمہداری مصنف کتاب کے عائد ہوتی ہے یعنی مصنف معتبر سمجھا جائے تو اس کی تمام کتاب صحیح ہے

بَيْعًا وَّلَا اَغْلٰى ثَمَنًا مِّنَ الْكِتَابِ اِذَا حُرِّفَ عَنْ مَّوْضِعِهٖ

اور قرآن کو اپنی جگہ سے بدلنے کا سودا نہایت دلپسند اور قیمتی سودا ہوگا +

یہاں صاف اعتراف ہے کہ تحریف اگر ہوگی تو آنجناب کے بعد ہوگی۔ اور آپ کے زمانے تک کتاب اللہ پر ایسا وقت نہیں آیا اور جو تحریف آنجناب کے بعد ہونے والی ہے آگے اسی خطبہ میں اس کی صورت بیان فرماتے ہیں +

كَاَنَّهُمْ اَئِمَّةُ الْكِتَابِ وَلَيْسَ الْكِتَابُ اِمَامَهُمْ لَمْ يَبْقَ عِنْدَهُمْ مِنَ الْحَقِّ اِلَّا اسْمُهٗ وَلَمْ يَعْرِفُوْا مِنَ الْكِتَابِ اِلَّا خَطَّهٗ وَزَبْرَهٗ ؕ

اُس آئندہ زمانے والے ایسے ہونگے کہ گویا وہ خود کتاب اللہ کے امام ہیں اور کتاب اللہ اُن کی پیشوا نہیں۔ ان کے پاس راستی میں سے صرف نشان راہ باقی رہجائیگا اور کتاب اللہ میں سے صرف اسکا خط اور تحریر باقی رہجائیگی

یعنے تحریف سے مطلب یہ ہے کہ مطالب قرآنیہ کو غلط بیان کیا جائیگا ورنہ اس کے الفاظ و عبارات اُس منحوس زمانے میں بھی محفوظ رہینگے۔ اس مضمون کو پھر اسی خطبہ میں بیان فرمایا ہے۔ رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے ہیں کہ

وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابًا عَزِيْزًا لَّا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ قُرْاٰنًا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ؕ

خداتعالےٰ نے آپ پر ایک معزز کتاب اُتاری ہے جسمیں غلطی کا دخل آگے اور پیچھے کسی طرف سے نہیں ہوسکتا وہ حکمت والے اور تعریف والے خدا کی اُتاری ہوئی ہے۔ وہ قرآن ہے کجی کو برداشت نہ کرنیوالا۔ تاکہ ڈرائے اُن لوگوں کو جو زندہ ہیں اور کافروں پر اس کی بات پوری ہوکر رہے +

یہ خطبہ ختم ان الفاظ میں ہوا ہے۔

فَاعْقِلُوْا اِذَا سَمِعْتُمُوْهُ حَقَّ رِعَايَتِهٖ وَلَا تَعْقِلُوْهُ حَقَّ رِوَايَتِهٖ فَاِنَّ رُوَاةَ الْكِتَابِ كَثِيْرٌ وَّرُعَاتَهٗ قَلِيْلٌ وَّاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ ۵ (کافی کتاب الروضہ ص ۱۷۹ ۱۸۸۶ء لکھنؤ) (ترجمہ نہج البلاغت حصہ اول صفحہ ۳۱)

جب تم قرآن کو سنو تو اس کو اسطور پر سمجھنے کی کوشش کرو جو اس میں غور کرنے کا حق ہے۔ اور اسطرح پر سمجھنے کی کوشش نہ کرو جو صرف روایت کرنیکا حق ہے کیونکہ قرآن کو روایت کرنے والے تو بہت ہیں مگر اس میں غور کرنیوالے کم ہیں اور اللہ ہی مددگار ہے +

سکونی حضرت امام جعفرؑ سے اور وہ حضرت علیؑ سے اور وہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :

سَیَاتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَایَبْقیٰ مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ وَمِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ (کتاب الروضہ ص۱۴۴)

لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ قرآن کی صرف تحریر باقی رہجائیگی اور اسلام کا صرف نام باقی رہجائیگا :

ایک خطبہ میں ارشاد ہے۔

خدا کی کتاب تمہارے درمیان ہے وہ ایسی بولنے والی ہے کہ کبھی اس کی زبان نہیں تھکتی وہ ایسا مکان ہے کہ اس کے ارکان منہدم نہیں ہوتے وہ ایسی غالب ہے کہ اُسکے دوست اور مددگار کبھی مغلوب نہیں ہوتے (ترجمہ نہج البلاغت ص۱۵۸)

ایک خطبہ میں اہل بصرہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

تمہیں لازم ہے کتاب اللہ کو اپنا شعار بناؤ کیونکہ یہ حبل المتین ہے۔ ایک روشن اور ظاہر نور ہے۔ نفع پہنچانے والی شفا ہے پیاس کے بجھانے والی اور سیراب کرنیوالی ہے اس سے تمسک کرنے والی ہے۔ اس سے تمسک کرنے والا لغزشوں اور وفاؤں سے دور ...... جو اس سے تعلق کرے اس کے لئے نجات ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں جسے سیدھا کیا جائے۔ اس میں کوئی انحراف نہیں جس سے منہ پھرایا جائے۔ اس کا کثرت کے ساتھ زبانوں پر جاری ہونا اور کانوں میں داخل ہونا اسے کہنہ نہیں کرتا۔ جو اس کا معتقد ہوا وہ صادق ہے اور جس شخص نے اسپر عمل کیا اس نے جنت کی طرف سبقت کی (ترجمہ نہج البلاغۃ ص۲۲)

ایک اور خطبہ میں قرآن کی نسبت جستہ جستہ فقرے یہ ہیں۔

آپ پر کتاب نازل فرمائی جو ایک نور ہے جس کے چراغ گل نہیں ہو سکتے ایک چراغ ہے جسکا بھڑکنا موقوف نہیں ہو سکتا۔ ایک شعاع ہے۔ جس کی روشنی تحریک نہیں ہوتی۔ وہ ایک ایسی بنیاد ہے جس کے ارکان منہدم نہیں ہو سکتے ایک ایسا بحر ہے کہ پانی نکالنے والے اسے خالی نہیں کر سکتے (ترجمہ نہج البلاغۃ ص۲۰۶ مطبع یوسفی)

ایک موقع پر فرمایا ہے۔

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جب ان میں قرآن فقط بطور رسم باقی رہیگا

اسلام کا نام ہی نام رہجائے گا (ترجمہ نہج البلاغہ صلا۱۳۶ مطبع یوسفی)

ان ہدایات واضحہ کے علاوہ نہج البلاغہ کے اندر اور بہت موقعوں[1] پر اسیطرح قرآن کریم کی تعریف و توصیف کیگئی ہے اور اس کی ہدایت پر کاربند ہونے اور تمام کاروبار میں اسی پر انحصار رکھنے کی تلقین ہوئی ہے مگر کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تحریف بھی ہوگئی ہے اور نصف سے بہت زیادہ یکقلم محذوف کردیا گیا ہے۔ اسکا کہیں مذکور نہیں ۔

اگر تحریف ہوئی ہوتی تو اس کا راز فاش کرنے کی سب سے بڑی ضرورت اُسوقت تھی جبکہ صفین میں آنجناب کی بے پناہ تلوار سے بچنے کے لیئے نیزوں پر قرآن کریم کے نسخے بلند کیئے گئے ہیں۔ فتحیابی کی امید غالب تھی اور جناب علی رض مرتضیٰ جنگ کو جاری رکھنے پر اصرار فرمارہے تھے مگر ہمراہیوں نے ضد کی کہ قرآن کیطرف بُلایا جاتا ہے اب جنگ موقوف ہونی چاہیئے۔ اسوقت آنجناب کو اپنے ہمراہیوں نے ضد کی کہ قرآن کی طرف بُلایا جاتا ہے۔ اب جنگ موقوف ہونی چاہیئے اسوقت آنجناب کو اپنے ہمراہیوں اور مخالفوں پر ظاہر کرنا چاہیئے تھا۔ کہ قرآن اگر ہے تو لاؤ اس میں ہماری اور ہماری اولاد کی امامت کا اسم وار اعلان ہے اس کو مانتے ہو تو اور کیا چاہیئے۔ تمہارے پاس نہیں ہے تو لو ہمارے پاس آکر دیکھو جو صحابہ رسول زندہ موجود ہیں اِن کی شہادت لو اور اس غلط اور محرف عثمانی صحیفہ کو چھوڑ کر سچے قرآن پر ایمان لاؤ پھر صلح سے کوئی انکار نہیں۔ مگر نہیں حضرت علی رض مرتضیٰ کیطرف سے ایسا جواب کہیں منقول نہیں حالانکہ امیر معاویہ رض کے لشکر میں نیزوں پر بلند ہونے والے نسخے یقیناً اُسی قرآن کے تھے جو حضرت عثمان نے قدیم نسخوں کو جلاکر مرتب کیا تھا! اب حضرت کے مکالمات میں دیکھو کہ اس مصحف کی نسبت آنجناب کیا فرماتے ہیں۔ فریقین کا ایک ایک منصف مقرر ہونے پر حضرت کا ارشاد ہے۔

ہمنے مردوں کو حاکم مقرر نہیں کیا۔ بلکہ ہمنے قرآن کو حاکم مقرر کیا ہے اور یہ قرآن میان دُفتّین (یعنے مجلد) ایک خط نوشتہ شدہ ہے۔ یہ اپنی زبان سے گویا نہیں ہوتا اسلیئے ترجمان اور مترجم کا ہونا ضروری ہے۔ مردوں کے سوا اس کی طرف سے کوئی

---

[1] اس مضمون کے لئے ملاحظہ ترجمہ نہج البلاغت مطبع یوسفی صٰ و صلا۱۵۵ و صلا۱۰۹ و صلا۲۴۵ و صلا۲۵۳ و صلا۲۵۶ و صلا۲۶۹ و صلا۲۷۴ و صلا۳۱۴ و صلا۳۲۴ وغیرہ ۔

کرسکتا اور جب اس قوم نے ہم کو اس امر کی طرف بلایا کہ قرآن ہمارے درمیان حاکم قرار دے تو ہم وہ گروہ نہیں بنینگے جو قرآن سے روگردانی کرتا ہو (ترجمہ نہج البلاغہ ص۱۷۷ مطبع یوسفی)

اسی مضمون پر ایک اور تقریر ہے۔

تمہارے سرداروں کی رائے اس امر پر متفق ہو گئی کہ دو آدمیوں کو انتخاب کریں چنانچہ یہ انتخاب ہو گیا اور ہم نے ان دونوں شخصوں سے عہد کر لیا کہ اپنے آپ کو قرآن کا پابند کریں۔ اس کے احکام سے تجاوز نہ کریں۔ اُن کی زبانیں قرآن کے ہی ساتھ رہیں ان کے قلوب قرآن کی ہی متابعت کریں۔ اب وہ حکم قرآن میں حیران ہو گئے حق کو چھوڑ دیا حالانکہ اسے دیکھ لیا تھا (ترجمہ نہج البلاغہ ص۲۵۷ مطبع یوسفی)

امیر معاویہ کے نام ایک خط میں ارشاد ہے۔

تو نے مجھے حکم قرآن کیطرف دعوت کی حالانکہ تو اس کا اہل نہیں ہے۔ ہم نے اس دعوت میں تیری آواز کو قبول نہیں کیا بلکہ حکم قرآنی کی اجابت کی ہے (ترجمہ نہج البلاغہ ص۴۳۹ مطبع یوسفی)

قرآن کریم کی نسبت جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ کے تمام ارشادات جو دسترس کے اندر تھے دیکھے گئے مگر نہج البلاغہ کا ایک اور اقتباس جس پر مترجم نے حاشیہ میں بہت زور دیا ہے درج نہ کیا جائے تو اندیشہ ہے کہ فریق مخالف تلاش مضامین میں خیانت کا الزام عائد کرے۔ اور اپنے مدعا کو ثابت کرنے کا ذریعہ قرار دے۔ اس موقع پر آنجناب نے دو قسم کے لوگوں کا ذکر کیا ہے جو بد ترین مخلوق اور مغضوب پروردگار ہیں۔ ایک جاہل محض جو گمراہی کے سوا کچھ نہیں جانتا اور لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو اپنے تئیں عالم سمجھتا ہے۔ مگر علم کی حقیقت سے ناآشنا ہے۔ اس بیان کے آخر میں فرمایا ہے

میں پروردگار عالم سے ان مجمعوں کی شکایت کرتا ہوں جو جہالت اور نادانی کی زندگی بسر کر کے گمراہی اور ضلالت کی حالت میں مر جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں اس سے زیادہ کوئی اور امر ناروا ج تر نہیں ہے کہ کلام خدا کی کماحقہ تلاوت و تفسیر کی جائے کسی جنس کی خریداری اس سے زیادہ نہیں کہ کلام خدا کی تعریف کیجائے کوئی شے اس سے زیادہ بیش بہا نہیں سمجھی جاتی کہ کلام خدا کے مقامات کو تبدیل کر دیا جائے

اور کوئی رسم اس سے زیادہ رائج نہیں کہ کلام خدا کی اپنی ہوا و ہوس کے مطابق تفسیر کیجائے (ترجمہ نہج البلاغہ ص۱۳۱ مطبع یوسفی)

اس مقام پر اگر تحریف سے حذف و ترمیم مراد ہو تو ایسی تحریف کے بعد کماحقہ تفسیر اور اپنی ہوا و ہوس کے مطابق تفسیر کرنے کا کوئی موقع نہیں رہتا جب صحیح الفاظ و عبارات کو نکال کر اپنے مطلب کے لفظ درج کر دیئے گئے تو اُن کی تفسیر جو کوئی بھی کرے ایک ہی طرح کی ہوگی اور غلط ہوگی۔ کماحقہ تفسیر اور ہوا و ہوس کے مطابق تفسیر کرنے کا تفاوت اسی عبارت میں ہو سکتا ہے جس کے الفاظ محفوظ ہوں اور تشریح و توضیح میں اختلاف کرتے ہوئے ایک شخص واقعی مطلب تک پہنچے تو دوسرا اپنی ہوا و ہوس کو دخل دیکر ایک مقام کا حکم دوسرے مقام پر چسپاں کر دے۔ پس جس تحریف کے ذکر میں حقانی اور نفسانی تفسیر کے الفاظ شامل ہوں اس تحریف سے اختلاف مطالب و معانی کے سوا اور مطلب نہیں ہی نکلسکتا +

یہی مطلب اس عبارت پر چسپان ہوتا ہے اور یہی مطلب ظاہر کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا خطبہ میں جہاں فرمایا ہے کہ ہمارے بعد تحریف ہوگی اور لوگ قرآن کے خط و تحریر کے سوا اور کسی قسم کی معرفت نہ رکھینگے۔ اور یہی مطلب زیادہ صاف لفظوں میں اور موقع پر ظاہر ہوا ہے جہاں محبوبان الٰہی اور محبان شیطان کا ذکر آیا ہے اور ایک کی نسبت ارشاد ہُوا ہے

"دلائل واحکام قرآنی کا واقف ہے۔ اس کے احکام کو حسب مقام و موضع جاری کرتا ہے اور دلائل قرآن کو اُس کے مدلولات میں ہی بیان کرتا ہے"!

اور دوسرے کی نسبت ارشاد ہے؛

بندگان خدا میں ایک بندہ اور بھی ہے جو اپنے آپ کو عالم کہواتا ہے مگر فی الحقیقت وہ ایسا نہیں ...... اس نے قرآن کو اپنی رائے پر محمول اور امر حق کو اپنی خواہش نفسانی کے مطابق منحرف کر رکھا ہے (ترجمہ نہج البلاغہ ص۱۰۲)

ان تمام تحریروں اور تقریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب علی مرتضی کرم اللہ وجہہ قرآن کے فضائل و محامد میں بار بار رطب اللسان ہوتے ہیں اس کی جامعیت و تکمیل کا اعتراف کرتے ہیں الفاظ کے تغیر و تبدل سے مبرا تسلیم فرماتے ہیں اور ان تمام اوصاف

سے متصف اسی مصحف کو قرار دیتے ہیں جو خلفائے ثلثہ کے مقدس ہاتھوں سے جمع و ترتیب اور اشاعت پاتا ہوا معاویہؓ کے لشکر تک پہنچا ہے۔ اور آنجناب کو اہل زمانہ سے جو کچھ اختلاف ہے وہ تفسیر و تشریح قرآن کی نسبت ہے۔ نہ الفاظ و عبارات کے متعلق۔ ان تمام وضاحتوں کے بعد تحریف قرآن کا غلغلہ بے بنود ہو جاتا ہے اور ایک تاریخی واقعے میں حاضر الوقت۔ سب سے معتبر اور تعلق رکھنے والے شخص کی شہادت موجود ہوتے ہوئے بعد والوں کے بیانات دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

۲۔ مگر دوسری طرف تحریف قرآن کی صراحت خود ائمۂ اہلبیت کی طرف منسوب ہے، اور وہ بھی جلیل القدر مقتدایان ملت ہیں جن کی زبان سے حضرت علیؓ کے خلاف اظہار پیش کیا جاتا ہے۔ ان کی روایات سے بھی چشم پوشی نہیں ہو سکتی اور دیکھنا پڑتا ہے کہ ان بزرگواروں کے اقوال کیا وزن اور کیا غرض رکھتے ہیں +

ان روایات میں جہاں ایک طرف صاف لفظوں میں تحریف کا اعلان ہے وہاں دوسری جانب انہی بزرگواروں کی زبان سے الفاظ کلام اللہ کے محفوظ موجود ہونے کی روایات بھی صاف الفاظ میں موجود ہیں۔ امام باقر علیہ السلام جو فرماتے ہیں کہ اوصیا کے سوا کوئی شخص تمام قرآن اور اس کے ظاہر و باطن کو اپنے پاس رکھنے کا دعوٰے نہیں کر سکتا۔ (اصول کافی کتاب الحجۃ باب لم یجمع القرآن الا الائمۃ) وہی امام اپنے ایک مراسلہ میں جو سعد الخیر کو لکھا گیا ہے اور یزید بن عبد اللہ نے روایت کیا ہے پہلے گذشتہ امتوں کا ذکر کرتے ہیں:-

كُلُّ اُمَّةٍ قَدْ رَفَعَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عِلْمَ الْكِتَابِ حِيْنَ نَبَذُوْهُ وَوَلَّاهُمْ حِيْنَ تَوَلَّوْهُ وَكَانَ مِنْ نَبْذِهِمُ الْكِتَابَ اَنْ اَقَامُوْا حُرُوْفَهٗ وَحَرَّفُوْا حُدُوْدَهٗ يَرْوُوْنَهٗ وَلَا يَرْعَوْنَهٗ وَالْجُهَّالُ يُعْجِبُهُمْ حِفْظُهُمْ لِلرِّوَايَةِ وَالْعُلَمَاءُ يَحْزُنُهُمْ تَرْكُهُمْ لِلرِّعَايَةِ ۔	ہر امت سے خدا کتاب الہامی کا علم اُٹھا دیتا ہے جب وہ کتاب کو پھینک دیتے ہیں اور ان سے دوستی کرتا ہے جب کتاب سے محبت کرتے ہیں، کتاب کو پھینکدینا یہ ہے کہ اس کے حروف کو قائم رکھتے ہیں اور اس کے احکام کو بدل دیتے ہیں۔ زبان سے پڑھتے ہیں مگر عمل کے وقت اسکا خیال نہیں رکھتے جاہل ان کے پڑھنے سے خوش ہوتے ہیں اور علما انکی بے پرواہی سے افسوس کرتے ہیں +

پھر اس امت محمدیہ کے ذکر میں فرماتے ہیں "

ثُمَّ عَرَفْتَ اَشْبَاهَهُمْ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الَّذِيْنَ اَقَامُوْا حُرُوْفَ الْكِتَابِ وَحَرَّفُوْا حُدُوْدَهٗ فَهُمْ مَعَ السَّادَةِ وَالْكُبَرَاءِ

کتاب الروضہ رسالۃ ابی جعفر ص ۲۶ مطبوعہ ۱۸۸۶ء

پھر انہی جیسے اس امت کے لوگ دیکھے جاتے ہیں جنہوں نے کتاب کے حروف کو قائم رکھا ہے اور احکام کو بدلدیا ہے۔ یہ لوگ جہنم کے سرداروں اور سرگروہوں کے ساتھ ہوں گے +

اودھر جلیل القدر امام الفاظ قرآنی کے محفوظ ہونے کی صاف اور واضح شہادت دیتے ہیں۔ اودھر امام جعفر صادق علیہ السلام جن کی طرف ساڑھے دس ہزار آیتوں کے حذف ہونے کی روایت منسوب کی گئی ہے۔ حضرات شیخین کے معائب بیان فرمانا چاہتے ہیں یا ان کی زبان سے عیب چینی کی مشق کروائی جاتی ہے تو جسقدر ہو سکتا ہے زور تقریر کا اظہار کرتے ہیں مگر تحریف کا الزام قائم نہیں کر سکتے۔ صرف کتاب اللہ کے خلاف عمل کرنے کی شکایت زبان پر لاتے ہیں۔ عبدالرحمن ابن ابی عبداللہ ایک حدیث کے اثنا میں دریافت کرتے ہیں کہ ابوبکر و عمر کی نسبت کچھ فرمایئے۔ یعنے ان کو کیسا سمجھا جائے۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:-

ظَلَمَنَا حَقَّنَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَمَنَعَا فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ مِيْرَاثَهَا مِنْ اَبِيْهَا وَجَرٰى ظُلْمُهُمَا اِلَى الْيَوْمِ قَالَ وَاَشَارَ اِلٰى خَلْفِهٖ وَنَبَذَا كِتَابَ اللّٰهِ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمَا

کافی کتاب الروضہ ص ۵۰ مطبوعہ ۱۸۸۶ء

ان دونوں نے ہمارا حق دبایا جو کتاب اللہ میں مذکور تھا۔ اور جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام سے انکا ورثہ جو انکے والد سے پہنچا تھا روک دیا اُن کا یہ ظلم آج تک موجود چلا آتا ہے اور ہاتھ سے پیچھے کو اشارہ کر کے فرمایا کہ اُنہوں نے کتاب اللہ کو اپنی پشت کے پیچھے پھینکدیا +

اس قسم کا ذکر آپ کی زبان مبارک سے اُسوقت روایت کیا گیا ہے جبکہ ایک عورت نے آنجناب سے ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی نسبت سوال کیا ہے۔ ابو بصیر اپنی موجودگی میں ام خالد کے آنے کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں "

ثُمَّ دَخَلَتْ فَتَكَلَّمَتْ فَاِذَا هِيَ امْرَاَةٌ بَلِيْغَةٌ فَسَاَلَتْهُ عَنْهُمَا فَقَالَ لَهَا تَوَلِّيْهِمَا قَالَتْ فَاَقُوْلُ لِرَبِّيْ اِذَا

وہ آئی اور باتیں کرنے لگی۔ عورت فصیح البیان تھی اُس نے امام جعفرؑ سے ابوبکر و عمر کی نسبت سوال کیا آپنے فرمایا کہ ان دونوں سے محبت

إِذَا لَقِيتُهُ أَمَرَتْنِي بِوِلَايَتِهِمَا فَقَالَ
نَعَمْ قَالَتْ فَإِنَّ هٰذَا الَّذِي مَعَكَ
عَلَى الطَّنْفِسَةِ يَأْمُرُنِي بِالْبَرَاءَةِ
مِنْهُمَا وَكَثِيرُ النَّوَا يَأْمُرُنِي بِوِلَايَتِهِمَا
فَأَيُّهُمَا خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ
هٰذَا وَاللّٰهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كَثِيرِ
النَّوَا وَأَصْحَابِهِ إِنَّ هٰذَا يُخَاصِمُ
وَيَقُولُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ
اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ط وَمَنْ
لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُونَ ط وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ
بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ
الْفَاسِقُونَ ط " (کافی کتاب الروضہ حدیث ابی بصیر مع المراۃ ص ۴۹ مطبوعہ ۱۸۸۶ء)

(دیکھو بولی کہ میں خدا کے پاس جاؤنگی تو کہوں گی کہ آپنے مجھے ان دونوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے آپنے فرمایا اچھا۔ کہنے لگی کہ یہ جو آپکے پاس مسند پر بیٹھا ہے یعنے ابو بصیر، تو مجھے اُن سے بیزار ہونے کا حکم دیتا ہے اور ابو النوا اُنسے محبت کرنے کا حکم دیتا ہے ان دونوں میں کون بہتر اور آپکے نزدیک محبوب تر ہے۔ فرمایا کہ یہ شخص بخدا مجھے ابو النوا اور اس کے ہمراہیوں سے زیادہ محبوب ہے۔ یہ مجھ سے جھگڑتا ہے اور کہتا ہے کہ جو شخص حکم خدا کے خلاف فیصلہ کرے وہ کافر ہے جو حکم خدا کے خلاف فیصلہ کرے وہ ظالم ہے۔ جو حکم خدا کے خلاف فیصلہ کرے وہ فاسق ہے۔

ان دونوں موقعوں پر ایک سوال پیش ہوتا ہے جس کے جواب میں بڑے سے بڑے جُرم جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے کئے ہوں بیان ہونے چاہئیں۔ امام جعفر صادق پہلے موقع پر واقعہ فدک کا الزام دیتے ہیں اور کتاب اللہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے پیٹھ کے پیچھے پھینکا ہوا تھا جس کا مطلب بقول امام باقر علیہ السلام یہی ہے کہ الفاظ کو قائم رکھتے تھے مطلب غلط نکالتے تھے۔ دوسرے موقع پر عورت کو اُن دونوں سے محبت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور خدا کے سامنے اپنے فتوے کو پیش کرنے پر رضامند ہوتے ہیں۔ البتہ ابو بصیر کیطرف سے شیخین پر اعتراض کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہ حکم خدا کے خلاف فیصلے کرتے تھے اس لئے کافر یا ظالم یا فاسق قرار پاتے ہیں۔

غرض ایک طرف ان بزرگواروں کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ خلفائے ثلٰثہ کے زمانہ میں دو تہائی قرآن پر قلم پھیر دیا گیا تھا۔ تو دوسری طرف امام باقر علیہ السلام حضرت علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ کے ہمنوا ہو کر صاف الفاظ میں اور امام جعفر حکم خدا کی خلاف ورزی پر اکتفا کر کے کنایۃً اعتراف کرتے ہیں کہ الفاظ قرآن کو بدلا نہیں گیا۔ ایک دربار

کے دو متناقض احکام اور ایک عدالت کے دو مختلف فیصلے پیش نظر ہیں اور طبیعت پریشان، بسبیل کار اسکے سوا کچھ نہیں کہ دونوں قسم کی روایتوں کا وزن دیکھا جائے اور جس طرف کا فیصلہ قوی تر نظر آئے ناطق تصور ہو۔ اسطرح پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

۳۔ تحریف قرآن کی بعض روایتیں خود اپنی تکذیب کرتی ہیں مثلاً:۔

الف۔ احمد بن فضائل روایت کرتا ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے آیت تلاوت فرمائی فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلِیٍّ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا میں نے عرض کی اسطرح فرمایا ہاں ہم پڑھتے ہیں اور اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی ہے (کتاب الروضہ صفحہ ۱۷۴ سطر ۱۳ مطبوعہ ۱۲۸۲ھ)

اس آیت میں حضرت علی رضہ کا نام ایزاد کیا گیا ہے مگر آگے ضمیر جو تثنیہ آنی چاہیئے تھی کیونکہ رسول اور علی دو ہو گئے ہیں۔ وہ مفرد ہی رہنے دی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ روایت وضع کرنے والے نے حضرت علی کا ذکر تو داخل کر دیا مگر ضمیر کو بدلنا بھول گیا۔

ب عبداللہ بن سنان امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے وَلَقَدْ عَھِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ کَلِمَاتٍ فِیْ مُحَمَّدٍ وَّعَلِیٍّ وَفَاطِمَۃَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ وَالْاَئِمَّۃِ مِنْ ذُرِّیَّتِھِمْ پھر حضرت نے فرمایا ہے خدا کی قسم محمد صلے اللہ علیہ وآلہ پر یونہی نازل ہوئی تھی۔ اصول کافی کتاب الحجۃ باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ) مگر یہ آیت اسی باب میں جابر نے حضرت امام باقر علیہ السلام کی زبان سے روایت کی ہے۔ وہاں موجودہ قرآن کے موافق وَلَقَدْ عَھِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ مذکور ہے۔ آگے امام موصوف اس کی تفسیر کرتے ہیں۔

عَھِدْنَا اِلَیْہِ فِیْ مُحَمَّدٍ وَالْاَئِمَّۃِ مِنْ بَعْدِہٖ فَتَرَکَ یعنے ہمنے آدم سے محمد اور اس کے بعد اماموں کے لئے وعدہ لیا تھا۔ جو اس نے ترک کر دیا۔

غالباً ایسی ہی تفسیر امام جعفرؑ کی زبان سے روایت کی گئی ہوگی کسی بعد کے راوی نے اسے منجملہ قرآن سمجھا۔ اور اپنی طرف کے یہ الفاظ بڑھا دیئے کہ اسی طرح نازل ہوئی ہے اور اگر ان الفاظ کو دونوں جگہ الہامی سمجھا جائے جب بھی تفاوت باقی رہتا ہے۔ پہلی حدیث میں امام حسینؑ تک نام بنام ذکر ہے دوسری میں جملاً والائمۃ من بعدہ۔

ج۔ ابو بصیر روایت کرتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں یہ آیت پیش

کی هٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ (یہ ہماری کتاب تمہارے سامنے حق سے ناطق ہوتی ہے) آپ نے فرمایا کتاب نے نہ نطق کیا ہے نہ کریگی وہ رسول ہے جو کتاب کے ساتھ تکلم کرتا ہے۔ وہ عرض کرتا ہے کہ ہم تو قرآن میں یونہی پڑھتے ہیں فرمایا تحریف شدہ ہے (کتاب الروضہ صفحہ ۲۵) مگر جناب علی مرتضی اپنے خطبہ میں جو سلیم بن قیس الہلالی روایت کرتا ہے کتاب کو تکلم کرنیوالی مانتے ہیں اور فرماتے ہیں يَجْحَدُوا كِتَابَ اللّٰهِ النَّاطِقِ بِحَقِّنَا (لوگ انکار کرتے ہیں کتاب اللہ کو ماننے سے جو ہمارے حق کا تکلم کرتی ہے) کتاب الروضہ صفحہ ۳ ۱۸۸۶ء۔

د۔ اسحاق بن عمار حضرت امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے کہ حقتعالے نے آیت یوں نازل فرمائی تھی لَقَدْ جَاءَنَا رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِنَا عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتْنَا حَرِيصٌ عَلَيْنَا بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (کتاب الروضہ صفحہ ۱۷۴) مگر جناب علی مرتضے اپنے خطبہ میں جو محمد بن حسن کی وساطت سے روایت ہوتا ہے اس آیت کو اپنے کلام میں بیان فرماتے ہیں تو موجودہ قرآن کے مطابق پڑھتے ہیں مِنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ حدیث وضع کرنے والے کا مدعا تھا کہ متکلم ضمیروں کے لانے سے آنحضرت کا تعلق محض اہلبیت کے ساتھ قائم رہے اور یہ گویا اہلبیت کی طرف سے اعلان ہو کہ ہم میں سے رسول آیا ہے اور وہ ہماری ہی خیر طلبی اور دلجوئی سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر جناب علی مرتضی نے اپنے کلام میں یہ تار و پود توڑ دیا اور تمام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے رسول آیا ہے جو ہر وقت تمہاری بہبود و فلاح کا طلبگار رہتا ہے اور یہ الفاظ کلام الٰہی کے ہیں تو اسی طرح مخاطب ضمیروں کے ساتھ ہونے چاہئیں خدا فرماتا ہے کہ ہم نے رسول بھیجا تو مخاطبین کی طرف ہی آیا ہوگا۔ خدا فرمائے کہ ہماری طرف ہماری جنس سے رسول بالکل مہمل ہے ؛

ھ۔ ایک آیت ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ؕ

قسم ہو تیرے رب کی لوگ ایماندار نہیں بن سکتے جب تک کہ تم کو منصف نہ بنائیں اُن جھگڑوں میں جو آپس میں پیدا کریں اور جب تک تمہاری فیصلہ پر دل و جان سے رضامند نہ ہوں اور اُسکو بسر و چشم قبول نہ کریں ؛

اس آیت کے الفاظ اور اس کی تفسیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے دو شخص روایت کرتے ہیں اور دونوں مختلف ہیں۔ ابو بصیر کہتا ہے کہ

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِي اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ فِي اَمْرِ الْوَلِيِّ وَيُسَلِّمُوْا لِلّٰهِ الطَّاعَةَ تَسْلِيْمًاط (الروضہ صـ٩)

جب تک تمہارے فیصلہ پر جو علی ولی کے بارہ میں کرو دل وجان سے رضامند نہوں اور خدا کی اطاعت کو بسر وچشم قبول نہ کریں“

عبداللہ بن النجاشی یہی آیت مع تفسیر کے امام موصوف سے یوں روایت کرتا ہے،

(تفسیر کے الفاظ خطوط وحدانی میں لکھتا ہوں)

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِي اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ عَلٰى لِسَانِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (يَعْنِيْ بِهٖ مِنْ وَلَايَةِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ (کتاب الروضہ صـ١٥٥)

جب تک تمہارے فیصلہ پر جو یارسول اللہ اپنی زبان سے کرو دل وجان سے رضامند ہوں (اس سے مراد ہے فیصلہ حضرت علی کی ولایت کے بارہ میں) اور جب تک علی علیہ السلام کو بسر وچشم قبول نہ کریں“

ان دونوں روایتوں کا اور تفسیر کا باہمی اختلاف ظاہر ہے اور اگر قرآن کے صحیح الفاظ متروک ہوگئے ہونگے تو وہ یقیناً ایک ہی ہوں گے۔ اور مطلب کو دیکھا جائے تو موجودہ قرآن کے الفاظ مذکورہ مکمل ہیں۔ نہ صرف حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و امامت بلکہ ہر ایک حکم اور فیصلہ جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار سے صادر ہو اس کو منظور کرنے کے بغیر انسان مسلمان نہیں ہوسکتا“

و۔ سَاَلَ سَائِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ

یہ آیت کتاب میں لکھی تو موجودہ قرآن کے مطابق گئی ہے مگر شاید کاتب نے کچھ غلطی کردی ہے اور آیت معمولی قراءت کے خلاف ہوگی۔ کیونکہ ابوبصیر اس کو سنکر عرض کرتا ہے کہ ہم تو اس طرح نہیں پڑھتے۔ ارشاد ہوتا ہے واللہ جبریل نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح نازل کی ہے اور واللہ اسیطرح مصحف فاطمہ میں لکھی ہوئی ہے (کتاب الروضہ صفحہ ٢٩)

مگر مصحف فاطمہ وہ کتاب ہے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جناب زہراؑ کے سخت ملول رہنے کی وجہ سے ایک فرشتہ نے آپ پر القا کی اور فرشتہ کی زبان سے سُنکر حضرت علی علیہ السلام لکھتے گئے (اصول کافی کتاب الحجہ باب مصحف فاطمہ) اس کی نسبت خود ابوبصیر ہی امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے ؛“

وَاِنَّ عِنْدَنَا لَمُصْحَفُ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَمَا يُدْرِيْهِمْ

بیشک ہمارے پاس مصحف فاطمہ ہے۔ اور لوگوں کو کیا معلوم کہ مصحف فاطمہ کیا چیز ہے

مَا مُصْحِفُ فَاطِمَةَ قَالَ مُصْحِفٌ فِيْهِ مِثْلُ قُرْاٰنِكُمْ هٰذَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَاللّٰهِ مَا فِيْهِ مِنْ قُرْاٰنِكُمْ حَرْفٌ وَّاحِدٌ۔" (اصول کافی کتاب الحجہ باب مصحف فاطمہ)

وہ ایسا مصحف ہے جو تمہارے قرآن سے حجم میں سہ چند ہے۔ اور واللہ اُس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں +

ان تمام اختلافوں کو دیکھ کر کم از کم یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیات تحریف شدہ نیک نیتی سے نہیں لکھی گئیں اور ایسی روایات یقیناً غلط ہیں جو باہمد گر صریح تناقض رکھتی ہیں۔"

۴۔ روایات ائمہ اہلبیت تحریف کی تائید میں ہوں۔ تحریف کی تردید میں ہوں یا کسی اور مضمون کی۔ ان پر اعتماد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ تقیہ کو نہایت تاکید سے اور نہایت کثرت کے ساتھ ائمہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ تقیہ یہ نہیں کہ دشمن کے سامنے خاموش رہیں اور اپنے عقیدہ کا اظہار نہ کریں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر جو نہ کہنا چاہیئے۔ کہدیں۔ مخالف کے سامنے قسم کھا کر غلط بات کا اظہار کردیں دوستوں کے سامنے کسی سے کچھ کہیں اور کسی سے کچھ۔ حرام کو حلال کہدیں۔ کسیکا مال کسیکو دلوادیں۔ کوئی خوف نہو جب بھی غلط بیانی سے پرہیز نہ کریں اور اعتراض کیا جائے تو جواب غیر مربوط دیں۔ ان سب کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔"

منصور بن حازم حضرت جعفر صادق سے پوچھتا ہے کہ یہ کیا بات ہے میں آپ سے کوئی مسئلہ پوچھتا ہوں آپ اس کا جواب دیتے ہیں پھر کوئی اور یہی مسئلہ پوچھتا ہے تو اُس کو اور ہی جواب دیتے ہیں آپنے فرمایا۔"

اِنَّا نُجِيْبُ النَّاسَ عَلَى الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ۔ (کافی کتاب العلم باب اختلاف الحدیث)

ہم گھٹا بڑھا کر جواب دیدیا کرتے ہیں (اصول

ابی عبیدہ کہتے ہیں کہ امام باقر علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا تم کیا خیال کرتے ہو جب ہمارے پاس کوئی ہمارا عقیدتمند آتا ہے۔ اور ہم اس کو تقیہ کا جواب دیتے ہیں۔ مینے عرض کی قربانت شوم حضور ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر وہ اس پر عمل کرے تو بہتر اور زیادہ اجر کا باعث ہوگا۔" (ایضاً)

زرارہ بن اعین کہتے ہیں کہ میں نے امام باقر علیہ السلام سے ایک مسئلہ پوچھا

آپ نے جواب دیا۔ پھر ایک اور شخص نے آکر وہی سوال کیا تو آپ نے اور جواب دیا۔ پھر تیسرا شخص آیا اس نے بھی وہی بات پوچھی اور جواب ایسا پایا جو ہم دونوں کو نہ ملا تھا جب وہ دونوں چلے گئے تو میں نے عرض کی کہ یا ابن رسول اللہ دو شخص عراق کے باشندے اور آپ کے قدیمی شیعہ آپ سے مسئلہ پوچھتے ہیں اور آپ دونوں کو دو مختلف جواب دیتے ہیں فرمایا هٰذَا خَيْرٌ وَاَبْقٰى لَنَا وَلَكُمْ یہی بہتر ہے اور ہمارے تمہارے بچاؤ کا باعث ہے۔ اگر تم سب ایک ہی عقیدہ پر اتفاق کر لو تو لوگ تم کو ہم مذہب سمجھنے لگیں اس صورت میں ہمارا تمہارا بچاؤ نہ ہو سکیگا"۔ میں نے پھر آپ کے صاحبزادے امام جعفر صادق سے عرض کی کہ آپ کے شیعہ جن کو نیزے کی نوک پر یا آگ کے شعلوں میں دھکیل دو تو تامل نہ کریں وہ آپ کے پاس سے مختلف عقیدے لیکر نکلتے ہیں تو آپ نے وہی جواب دیا جو آپ کے والد ماجد نے دیا تھا (ایضاً)

نصر الختعمی حضرت جعفرؑ صادق سے روایت کرتا ہے کہ جو شخص جانتا ہو کہ ہم حق کے سوا کچھ نہیں کہتے اُس کو چاہیئے کہ ہماری طرف سے جو معلوم کر چکا ہے اُسی پر اکتفا کرے اور اگر ہم سے آئندہ اپنے علم کے خلاف کوئی بات سُنے تو جان لے کہ ہمنے بچاؤ کے واسطے کہا ہے۔ (ایضاً)

سعید سمان کہتا ہے کہ میں حضرت جعفرؑ صادق کی خدمت میں تھا۔ کہ آپ کے پاس زیدیہ[ل] فرقہ کے دو شخص آئے اور پوچھنے لگے کہ تم میں کوئی شخص امام مفروض الطاعۃ بھی ہے؟ حضرت امام جعفر صادق نے (تقیہ کے طور پر) فرمایا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا ہم کو معتبر لوگوں نے بتایا ہے کہ تم فتوے دیتے ہو اور امامت کے دعویدار ہو اور ہم اُن کا نام بھی بتا سکتے ہیں وہ فلاں فلاں پرہیزگار لوگ ہیں جو دروغگوئی نہیں کر سکتے۔ امام جعفرؑ خفا ہو گئے اور کہنے لگے میں نے اُن کو ایسا حکم نہیں دیا۔ اُن دونوں نے آپ کی خفگی دیکھی تو چلے گئے۔ پھر امام موصوف نے مجھ سے پوچھا تم جانتے ہو یہ کون تھے۔ مینے کہا ہاں جانتا ہوں زیدیہ فرقے کے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تلوار حضرت عبدالرحمن ابن حسن کے پاس تھی۔ آپ نے فرمایا وہ غلط کہتے ہیں عبداللہ بن حسن نے وہ تلوار دیکھی

ل زیدیہ فرقہ امامت کو حضرت امام حسنؑ کی اولاد سے مخصوص سمجھتا ہے۔

بھی نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تلوار آپ کا علم۔ آپ کی زرہ۔ آپ کی خود اور اور چیزیں (کئی تبرکات کا نام لیا) سب کچھ میرے پاس ہے اور جس کے پاس رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسلحہ ہوں وہی امام ہوتا ہے (اصول کافی کتاب الحجہ باب ماعند الائمہ)

علی بن ابراہیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ آپ کے پاس صالح بن محمد بن سہل آیا جو آپ کی جاگیر واقعہ شہر قُم کا منتظم تھا۔ اُسنے عرض کی کہ اپنے حساب کے دس ہزار درہم معاف کر دیجیے جو میں نے خرچ کر لئے ہیں آپنے فرمایا اَنْتَ مِنْہُ فِی حِلٍّ (اچھا وہ تم کو حلال) جب وہ چلا گیا تو امام نے فرمایا کہ لوگ آل محمد اور اُن کے مساکین وغربا کا مال کھا جاتے ہیں اور آکر ہم سے معاف کرواتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ شاید ہم کہینگے کہ نہیں خدا کی قسم خدا اُن سے قیامت کے دن سخت باز پرس کریگا (اصول کافی کتاب الحجہ باب الفیٔ والانفال)

محمد بن مسلم کہتا ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسوقت آپ کے پاس امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی قربانت شوم میںنے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ فرمایا کہ ہاں بیان کرو۔ خوابوں کا عالم بیٹھا ہے یہ فرما کر ابو حنیفہ کی طرف اشارہ کیا۔ میںنے خواب کا حال کہا امام ابو حنیفہ نے اُس کی تعبیر بتائی امام جعفر صادق نے فرمایا اَصَبْتَ وَاللّٰہِ یَا اَبَا حَنِیْفَۃَ (ابا حنیفہ تم نے درست کہا) جب امام ابو حنیفہ چلے گئے تو میں نے عرض کی کہ حضرت مجھے اس ناصبی (ابیدین) کی تعبیر پسند نہیں۔ آپنے فرمایا ہاں ان لوگوں کی تعبیریں ہماری تعبیروں سے اور ہماری تعبیریں اُن کی تعبیروں سے مطابق نہیں ہوا کرتیں اور جو تعبیر ابو حنیفہ نے بیان کی وہ صحیح نہیں۔ میںنے عرض کی کہ حضرت آپنے تو فرمایا تھا کہ دُرست ہے اور قسم کھائی تھی۔ فرمایا۔ نَعَمْ حَلَفْتُ عَلَیْہِ اِنَّہٗ اَصَابَ الْخَطَاءَ۔ ہاں میں نے قسم کھائی تھی کہ اس نے ٹھیک غلطی کی ہے۔ (کتاب الروضہ صفحہ ۱۳۷)

ابان بن تغلب امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں کہ آپنے فرمایا ہمارے والد حضرت امام باقر علیہ السّلام بنی امیہ کے زمانے میں فتوے دیا کرتے تھے

کہ باز اور شاہین جس جانور کو قتل کرے وہ حلال ہے۔ آپ کا یہ فتوائے تقیہ (بنی امیہ کے خوف) سے تھا۔ مجھے ان کا خوف نہیں ہے میں کہتا ہوں وہ حرام ہے (فروع کافی جلد دوم کتاب الصید باب صید البزاۃ والصقور)

عیسیٰ شلقان کہتا ہے کہ میں بیٹھا تھا۔ امام موسیٰ کاظم بچپن کی حالت میں ایک بکری کا بچہ لئے ہوئے گذرے۔ میں نے پوچھا صاحبزادے۔ آپ کے والد ماجد (امام جعفر صادق) کی کیا عادت ہے کبھی کسی بات کا حکم دیتے ہیں کبھی اُس سے منع فرما دیتے ہیں۔ پہلے ہمیں عمر بن الخطاب سے محبت رکھنے کا حکم دیتے تھے پھر فرمایا کہ اس پر لعنت کریں اور تبرّا بھیجیں۔ امام کاظم نے فرمایا کہ بعض لوگوں کو خدا نے ایمان کے لئے پیدا کیا ہے وہ ہمیشہ مومن رہتے ہیں۔ بعض کو کفر کے لئے بنایا ہے وہ ہمیشہ کافر رہتے ہیں بعض کو درمیانی حالت میں پیدا کیا ہے۔ اُن کو ایمان عاریۃً ملا ہوا ہے۔ ابن خطاب بھی اسی قسم کا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر میں امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے سوال اور امام کاظم کے جواب کا ذکر کیا تو امام صادق نے فرمایا اِنَّہٗ نَبۡعَۃُ نُبُوَّۃٍ کیوں ہو ہمارا لڑکا شجر نبوت کی شاخ ہے (اصول کافی کتاب الایمان والکفر باب المعارین)

دو روایتیں ایک ہی مضمون کی ہیں۔ دونو راوی امام جعفر صادق سے پوچھتے ہیں کہ ایک شخص مر گیا ہے۔ صرف بیٹی وارث ہے۔ آپ ایک کو فرماتے ہیں کہ آدھا مال بیٹی کو دیدو۔ دوسرے کو فرماتے ہیں کہ نصف بیٹی کو دو اور نصف اُس کے غلاموں میں تقسیم کردو۔ دونو کو امام جعفر کے اصحاب زرارہ وغیرہ سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ امام نے تقیہ کیا۔ مال تمام بیٹی کو ملنا چاہئے دونو واپس آکر پوچھتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں نہیں ہم نے تقیہ نہیں کیا تھا۔ ہمیں خیال ہوا تھا۔ کہ تم کسی جھگڑے میں پھنس جاؤ۔ کسی کو ہمارے فتوے کا علم تو نہیں ہوا کہا گیا کہ نہیں۔ فرمایا تو سب بیٹی کو دیدو۔ (روایت از سلمہ بن طرز و عبد اللہ بن محرز فروع کافی کتاب المواریث باب میراث الولد)

۱؎ سمجھ میں نہ آیا کہ اس جواب سے کیا عقدہ حل ہوا جس شخص کی حالت ایمان و کفر کے بین بین ہو۔ کیا اس سے کبھی محبت رکھنی چاہیئے۔ اور کبھی عداوت؟ شاخ شجر نبوت کا یہی جواب ہونا چاہیئے۔؟؟

ان تمام روایتوں کو دیکھو۔ ائمہ ہدے کے ان نادان دوستوں اور خود غرض راویوں نے ان مقدس اور معظم ہستیوں پر معاذ اللہ کیسے کیسے اتہام قائم کئے ہیں اور اپنی ناپاک کوششوں سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ پناہ بخدا وہ راستبازی کے نمونے اور علم وہدایت کے چشمے جان بوجھ کر لوگوں میں اختلاف ڈالتے ہیں۔ سامنے انکار کرتے ہیں پیٹھ پیچھے اقرار کرتے ہیں، زبان سے قصور معاف کرتے ہیں دلمیں کینہ رکھتے ہیں قسم کھاکر جھوٹ بولتے ہیں اور بے جوڑ تاویل کرتے ہیں۔ والد ماجد تمام عمر خوف کے مارے غلط فتوے دیکر حرام چیز لوگوں کو کھلاتے رہتے ہیں صاحبزادے اپنے زمانے میں اس کی تصحیح کا موقع پاتے ہیں جس مسئلہ پر سب کا اتفاق ہے اور خوف کی کوئی وجہ نہیں وہ بھی غلط بتاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کسیکو معلوم تو نہیں ہوا۔ دوسری طرف اُن ناصبی اماموں کا حال تاریخ میں دیکھو کہ زبردست بادشاہوں کی طرف سے غلط عقیدہ پر زور دیا جاتا ہے۔ تو کلمۃ الحق بلند آواز سے ظاہر کرتے ہیں۔ قید کی سختیاں جھیلتے ہیں کوڑے کھاکر تمام جسم زخمی کرواتے ہیں مگر راستی کے سوا کوئی حرف زبان پر لانا گوارا نہیں کرتے۔ اور خود ان ائمہ اہلبیت کے وہ اجداد جنکے حالات تاریخ نے اپنی آغوش میں لیلئے ہیں اور ایسے لوگوں کے رحم پر نہیں چھوڑے گئے اُنپر شیعہ بھی ایسے اتہام کم قائم کرسکے ہیں۔ اگر وہ بھی تقیہ کو اسی طرح دینداری کا فریضہ سمجھتے تو تشنہ لب حلقوم خنجر و سنان کی نذر کرتے اور انکار بیعت سے اپنے شیر خوار بچوں کو ظالموں کے تیر کا نشانہ نہ بناتے۔ کیا شہید جرم صدق وصفا مظلوم میدان کربلا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لخت ہائے جگر اپنے ہمعصر امام مالکؒ امام احمد بن حنبل۔ محمد بن نوح المصروب اور یوسف بن یحیی البویطی وغیرہم سے بھی اعلان حق واظہار صداقت کا سبق نہیں لے سکتے تھے اور وہمی اندیشوں سے مغلوب ہوکر حرام کو حلال کہہ دیتے تھے!

ائمہ عظام کی طرف ایسی غلط روایات کو منسوب کرنے اور اُن کی جانب سے ایسی مکروہ تعلیم کو شہرت دینے کا نتیجہ بھی خود انہی روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ دیکھو

عبد اللہ بن ابی یعفور امام جعفر صادق سے عرض کرتا ہے کہ میں لوگوں کو دیکھتا

لہ امام مالک رحمہ اللہ کو جبر بیعت کے غیر معتبر کہنے پر کوڑوں سے یہاں تک پٹوایا گیا کہ آپ بیہوش ہوگئے اور باقی تینوں بزرگوار قرآن کو غیر مخلوق کہنے کی وجہ سے کئی طرح کے عذابوں میں مبتلا رہے۔

ہوں تو تعجب ہوتا ہے۔ جو لوگ آپ کے محب نہیں ہیں ابوبکر و عمر سے محبت رکھتے ہیں۔ ان میں امانت داری ہے راست بازی ہے وفاشعاری ہے اور جو لوگ آپ سے محبت رکھتے ہیں نہ ان میں امانت ہے نہ وفا ہے نہ صدق ہے۔ حضرت جعفر صادقؑ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور خشمناک ہو کر فرمانے لگے اس شخص میں کوئی دینداری نہیں ہے۔ جو ظالم امام کی اطاعت کرے اور کوئی عتاب نہیں اس شخص پر جو عادل امام کا پیرو ہو۔ مینے کہا تو کیا ان لوگوں میں کوئی دینداری نہیں اور ایسے لوگوں پر کوئی عتاب نہیں فرمایا ہاں ان کا کوئی دین نہیں اور ایسے لوگوں پر کوئی عتاب نہیں۔ (اصول کافی کتاب الحجہ باب فیمن دان اللہ عزوجل بغیر امام)

پس جب ائمہ کی جانب ایسی نازیبا حرکات منسوب ہوتی ہیں اور سمجھا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے یا اور وجوہ سے معاذاللہ ایسی نفاق آمیز یا بزدلانہ خصائل کے خوگیر ہو گئے تھے اور ان کے متبعین کی نسبت شہادت ملتی ہے کہ وہ صدق و امانت کے وصف سے بہرہ اندوز نہ تھے اور ائمہ ان کی اطاعت کو تمام رزائل کا کفارہ قرار دیکر انکو دروغ بیانی اور افترا پردازی کی اور ترغیب دیتے تھے تو ایسے راویوں کی زبان سے اپنے ائمہ کیطرف تحریف قرآن ایک طرف قرآن بلکہ خدا اور رسول سے صاف انکار کرنے کی روایتیں بھی منسوب ہوتیں۔ تو تعجب نہ تھا۔ مگر خدا اور رسول سے منکر ہونے کے بعد اولاد رسول کی عظمت ثابت نہ کر سکتے تھے اور ان کی طرف اپنی فتنہ انگیز روایتوں کو منسوب کرنیکا موقع نہ پا سکتے تھے۔ اس لئے تحریف قرآن پر اکتفا کیا گیا۔ اس سے بھی بہت بڑا مطلب نکال لیا کہ قرآن کو غیر معتبر قرار دیکر اپنے خیالات کو روایات کے پردہ میں اشاعت دے سکے۔ بھلے برے ہر فرقہ میں ہوتے ہیں اہلسنت میں بھی حدیثیں وضع کرنے والوں کی کمی نہیں۔ مگر ان کے ہاں ان کی تشخیص کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن تھا۔ وضعی روایات کی روک تھام بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہی ہوا اور ان آئمہ نے پہلے قرآن کی سد سکندری پر ہاتھ صاف کیا۔ رستہ صاف کھل گیا۔ روایات کے زور سے صحابہ کرام کو کافر قرار دیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام ہدایت وارشاد کو منعدم کرنے کا سامان ہو گیا ائمہ کی مقدس تعلیم میں جسقدر صداقت و حقانیت کا اظہار ہو چکا تھا۔ اسپر تقیہ کا پردہ ڈال دیا۔ دین مبین کو جس رنگ میں چاہا رنگ لیا۔ مگر جب دن کو دن کہنے پر تقیہ کا عذر ہو سکتا

تو دن کو رات کہنے پر اسکا احتمال کیوں نہو اور الفاظ قرآنی کے محفوظ رہنے کا اعتراف دفع الوقتی کے تحت میں آسکتا ہے. تو تحریف کی روایات پر کب وثوق باقی رہتا ہے.
اور جب ان تمام روایات کو حاشیہ نشینان دربار امامت کی زمانہ سازی قرار دینے کے سوا چارہ نہیں تو لامحالہ اسطرف سے مایوس ہوکر صرف جناب علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کے فرامین عالیہ پر انحصار رکھنا پڑتا ہے. کیونکہ اگرچہ آنجناب کے ملفوظات جلیلہ میں بھی بہت کچھ رنگ آمیزی کی گئی ہے مگر پھر بھی چونکہ آنجناب کے احوال گرامی سے تاریخی صفحات مزین ہیں آپ پر ان گوشہ نشین اور عزلت گزین آئمہ مابعد کے برابر ظلم نہیں ہوسکا اور اُس ذات والا کیطرف دوروبیہ چالیں اور ایسی غلط بیانی زور کے ساتھ منسوب نہیں کیگئی. بلکہ آنجناب کا ارشاد مروی ہے کہ "قسم خدا کی میں نے کبھی کسی امر حق کو نہیں چھپایا اور کبھی جھوٹ نہیں بولا (ترجمہ نہج البلاغہ صفحہ ۲۷) یا ارشاد ہے "

لَاخَيْرَ فِي الصَّمْتِ عَنِ الْحِكَمِ كَمَا	دانائی کی باتوں سے خاموش رہنے میں بھلائی
لَاخَيْرَ فِي الْقَوْلِ بِالْجَهْلِ	نہیں جیساکہ جہالت کی کلام کرنے میں بھلائی نہیں

کافی کتاب الروضہ صفحہ ۱۰)
اور اگر تحریف قرآن کی نسبت جناب علی مرتضی کے فرامین پر اعتماد کیا جائے تو آنجناب کا بار بار ارشاد ہے کہ اس کے ارکان منہدم نہیں ہوسکتے. اس کا چراغ گل نہیں ہوسکتا اور ہمارے بعد اسلام کا نام ہی نام رہجائیگا. جب بھی قرآن کی تحریر موجود رہیگی حوالہ جات مفصل مذکور ہوچکے ہیں)
۵- روایات کے اندر ائمہ عظام علیہم السلام کے منور اور خوشنما چہروں پر اگرچہ تاریکی و بدنمائی کے بہت سے پردے ڈالے گئے ہیں. مگر جن ہادیان برحق کی عمر دین مبین کی اشاعت میں بسر ہوئی ہوں اُن کی خوبیاں مستور نہیں ہوسکیں اور جواہر گرانمایہ جو گنجوران نقو و معرفت کی پاکیزہ زبانوں سے بساط زمین پر بکھرے ہیں تاریکی کے غاروں میں دفن نہیں ہوسکتے چنانچہ انہی روایات کے اندر مواعظ حسنہ اور معارف حقہ کے بہت سے ذخیرے ہر جگہ چشم بصیرت اور گوش ہوش کو اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور علم و جہالت. توحید و شرک اور فضائل و رذائل کے متعلق

بہت سے عظیم الشان اور گراں بہا اقوال ائمہ اہلبیت کی طرف سے مروی ہیں۔ ان میں ایک نکتہ تحریف کے متعلق ایسا نایاب ظاہر فرمایا گیا ہے جو روایات تحریف اور دیگر اختلافوں کی نسبت قطعی فیصلہ کر دیتا ہے اور کسی حدیث و روایت کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں چھوڑتا۔"

سکونی امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ عَلٰی کُلِّ حَقٍّ حَقِیْقَۃً وَّعَلٰی کُلِّ صَوَابٍ نُوْرًا فَمَا وَافَقَ کِتَابَ اللّٰہِ فَخُذُوْہُ وَمَا خَالَفَ کِتَابَ اللّٰہِ فَدَعُوْہُ (اصول کافی کتاب العلم باب اتباع السنۃ وشواہد الکتاب)

بے شک ہر ایک حق کے لئے ایک ثبوت اور ہر ایک راستی کیلئے ایک نور ہے۔ پس جو بات کتاب اللہ کے موافق ہو اسے لے لو اور جو کتاب اللہ کے مخالف ہو چھوڑ دو۔"

عبد اللہ ابن ابی یعفور کہتے ہیں۔ سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ اخْتِلَافِ الْحَدِیْثِ یَرْوِیْہِ مَنْ نَثِقُ بِہٖ وَمِنْھُمْ مَنْ لَّا نَثِقُ بِہٖ قَالَ اِذَا وَرَدَ عَلَیْکُمْ حَدِیْثٌ فَوَجَدْتُّمْ لَہٗ شَاھِدًا مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ اَوْ مِنْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاِلَّا فَالَّذِیْ جَاءَکُمْ بِہٖ اَوْلٰی بِہٖ (اصول کافی کتاب العلم باب اتباع السنۃ وشواہد الکتاب)

مینے امام جعفر علیہ السلام سے مختلف حدیثوں کی نسبت سوال کیا اُن کو ایسے لوگ بھی روایت کرتے ہیں جنپر اعتماد ہے اور ایسے لوگ بھی جنپر اعتماد نہیں۔ آپنے فرمایا کہ جب حدیث سنو اور اُس کی شہادت کلام اللہ یا فرمان رسول علیہ السلام میں دیکھو تو قبول کر لو ورنہ جو شخص حدیث روایت کرتا ہے وہ جانے اور اس کا کام جانے۔"

ایوب بن الحر کہتا ہے۔ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ یَقُوْلُ کُلُّ شَیْءٍ مَّرْدُوْدٌ اِلَی الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ وَکُلُّ حَدِیْثٍ لَّا یُوَافِقُ کِتَابَ اللّٰہِ فَھُوَ زُخْرُفٌ۔" (ایضاً)

مینے امام جعفر علیہ السلام کو فرماتے سُنا ہے کہ ہر چیز کتاب الٰہی اور سُنت رسول علیہ السلام پر پیش کیجائے اور جو حدیث کتاب الٰہی کے موافق نہ ہو وہ بیہودہ ہے۔

۲ ایوبؑ بن راشد امام جعفر علیہ السّلام سے روایت کرتا ہے "

مَالَمْ یُوَافِقْ مِنَ الْحَدِیْثِ الْقُرْاٰنَ فَھُوَ زُخْرُفٌ (ایضاً)

جو حدیث کتاب اللہ کے موافق نہو بیہودہ ہے "

ھشام بن الحکم وغیرہ امام جعفرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں خطبہ پڑھا تو فرمایا "

اَیُّھَا النَّاسُ مَا جَاءَ کُمْ یُوَافِقُ کِتَابَ اللّٰہِ فَاَنَا قُلْتُہٗ وَمَا جَاءَ کُمْ یُخَالِفُ کِتَابَ اللّٰہِ فَلَمْ اَقُلْہُ (ایضاً)

لوگو جو حدیث تم تک پہنچے اور وہ کلام الٰہی کے موافق ہو تو جانو کہ وہ میری حدیث ہے اور جو کتاب اللہ کے مخالف ہو تو جانو کہ میرا قول نہیں

ابنِ ابی عمیرؒ اپنے کسی دوست کی وساطت سے امام جعفر صادقؑ کا قول بیان کرتا ہے۔ کہ

مَنْ خَالَفَ کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ مُحَمَّدٍ فَقَدْ کَفَرَ (ایضاً)

جس نے کلام الٰہی یا سنت رسول علیہ السلام کی مخالفت کی کافر ہوا "

ان سب روایات نے ثابت کر دیا کہ ائمہؑ علیہم السلام کے نزدیک کتاب اللہ سب سے مقدم ہے اور ہر قول کا فیصلہ چاہے وہ کسی کی زبان سے نکلا ہو۔ کتاب اللہ کی سند سے ہونا چاہئے اور یہی قرآن کا حکم ہے۔ خدا فرماتا ہے

اِنَّہٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا ھُوَ بِالْھَزْلِ (سورۂ طارق پارہ ۳۰)

قرآن فیصلہ کرنے والا کلام ہے کوئی مذاق نہیں "

بدیں وجہ روایات تحریف کا فیصلہ خود قرآنی دلیل سے ہونا چاہئے نہ کہ قرآن کو روایات کی دلیل سے محرف قرار دیا جائے۔ اور قرآن کو دیکھا جائے۔ تو اس میں صاف اعلان ہے کہ تحریف کا امکان نہیں۔ خدا فرماتا ہے "

۱- لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ ؕ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ ؕ سورۂ قیامہ پارہ ۲۹ رکوع ۱۔

یارسول اللہ تم وحی آنے پر جلدی جلدی پڑھنے کی تکلیف نہ کیا کرو۔ اس کو جمع رکھنا اور تم کو پڑھانا ہمارا ذمہ ہے "

۲- وَاِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ لَّا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ

قرآن بے شک معزز کتاب ہے غلطی اس میں آگے سے اور پیچھے سے راہ نہیں پا سکتی

وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ط (حم سجدہ پارہ ۲۴ رکوع ۵) یہ با حکمت قابل حمد وثنا حقتعالے کا اُتارا ہوا ہے"

۳- اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (س حجر پارہ ۱۴ رکوع ۱) ہمیں نے اس ذکر کو اُتارا ہے اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں"

قرآن بار بار اپنی حفاظت کا وعدہ اور دعوے کرتا ہے تو وہ تمام روایتیں جو اس وعدہ کے خلاف اس کی تحریف ثابت کرتی ہیں غلط اور یقیناً غلط ہوں گی اور سخت بے ادبی ہوگی اگر ان کو آئمہ اہلبیت کی طرف سے منسوب کیا جائے"

مرزا احمد سلطان صاحب اس مضمون پر صرف آخر الذکر آیت کو دیکھتے ہیں اور اسپر اعتراض کرتے ہیں کہ یہاں ذکر سے رسول مراد ہے یعنے ہمنے رسول کو اُتارا اور ہم اس کے نگہبان ہیں کیونکہ ایک اور آیت میں ذکر سے رسول مراد لیا گیا ہے۔ ارشاد ہے

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ (س طلاق پارہ ۲۸ رکوع ۲) خدا نے تمہاری طرف ذکر اتارا۔ رسول جو تمہارے سامنے آیات کلام اللہ تلاوت کرتا ہے"

مگر اوّل تو ذکر کا ایسا استعمال (اگر اسکو تسلیم کیا جائے) صرف ایک جگہ ہے اس کے سوا قرآن میں کہیں ذکر سے رسول مراد نہیں لیا گیا۔ اور جب کوئی لفظ ایک جگہ ایک معنوں میں استعمال کیا جائے اور دس جگہ دوسرے معنوں میں مستعمل ہو تو آئندہ کسی اور موقع پر زیادہ قرین قیاس صرف وہی معنے ہونگے جس میں بار بار استعمال ہوا ہے"

دوسرے حفاظت کا وعدہ اسی وضاحت سے پہلی اور دوسری آیت میں بھی ہے اور وہاں قرآن کے سوا کسی اور چیز کا ذکر نہیں۔ وہ دونو آیتیں قرینہ ہیں کہ ذکر محفوظ سے بھی قرآن ہی مراد ہوگا"

تیسرے جو آیت سند میں پیش کی گئی ہے اس میں اتارنے کا ذکر نزول کے لفظ سے ہے اور رسول کو مبعوث کرنے کے معنوں میں نزول کا لفظ قرآن میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ اس مضمون کے لئے ارسال یا بعث کا لفظ بولا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں بھی ذکر سے مراد قرآن ہی ہے اور رسول کے پہلے لفظ اَرْسَلْنَا محذوف ہے،

یعنے خدا نے تمہاری طرف قرآن اُتارا یعنے ایک رسول بھیجا جو قرآن سنائے "۔

چوتھے ذکر اور رسول کو ایک چیز اور ذکر سے مراد رسول اس لئے سمجھا گیا کہ رسول کو ذکر کا بدل قرار دیا اور فرض کر لیا گیا کہ بدل صرف بدل الکل ہی ہوا کرتا ہے جس میں دو نو لفظوں سے ایک چیز مراد ہوتی ہے۔ حالانکہ کلام عرب میں بدل صرف بدل الکل ہی نہیں بدل البعض اور بدل الاشتمال بھی مستعمل ہے اور بدل الاشتمال کی نسبت مطول میں لکھا ہے کہ کہ اس میں مبدل منہ بدل پر شامل ہوتا ہے۔ نہ اس طرح جیسے ظرف مظروف کو گھیرے ہوئے ہو بلکہ اسطرح کہ مبدل منہ اجمالی طور پر بدل کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس کے ذکر کا شوق پیدا کرتا ہے مثلاً سُلِبَ زَیْدٌ ثَوْبُہٗ (زید لوٹا گیا یعنے اس کے کپڑے) کہنے میں "زید لوٹا گیا" سننے کے بعد معلوم کرنے کا اشتیاق ہوتا ہے کہ اس کی کیا چیز لوٹی گئی اور کپڑوں کا ذکر جو بعد میں کیا جاتا ہے بدل الاشتمال ہوتا ہے۔ اسی طرح اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ ذِکْراً کہنے سے یہ معلوم کرنے کا اشتیاق ہوتا ہے کہ قرآن کسطرح پر نازل ہوا اور کتاب کا ذکر اجمالی طور پر اشارہ کرتا ہے کہ کسی رسول کی وساطت سے نازل ہوا ہوگا اسی کا بعد میں ذکر کر دیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہمنے ذکر یعنے قرآن کو اتارا اور ایک رسول کو بھیجا جس نے اس کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ پس یہاں ذکر اور رسول ایک چیز ہے۔ ذکر سے مراد پیغمبر مراد نہ لیا جا سکا۔ تو لامحالہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ میں بھی قرآن کے سوا کوئی اور مطلب نہ ہوگا۔ اور حفاظت قرآن کا وعدہ دیگر آیتوں کی طرح اس آیت سے بھی ثابت ہوگا "۔

پانچویں سب سے زیادہ وثوق اس آیت کے مشہور معنوں پر اس لئے ہوتا ہے کہ جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خود یہی تفسیر کرتے ہیں اور جس چیز کی حفاظت کا قرآن میں وعدہ ہے اس سے قرآن ہی مراد لیتے ہیں اور فرماتے ہیں "

کِتَابٌ کَرِیْمٌ قَدْ فَصَّلَہٗ وَفَضَّلَہٗ	وہ معزز کتاب ہے جس کو خدا نے مفصل بیان کیا
وَبَیَّنَہٗ وَاَوْضَحَہٗ وَاَعَزَّہٗ وَحَفِظَہٗ	فضیلت دی تشریح کی توضیح کی عزت دی اور
مِنْ اَنْ یَّاْتِیَہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ	حفاظت کی اس امر سے کہ اس میں غلطی
یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ۔ (کتاب الروضہ	آگے سے یا پیچھے سے راہ پائے "۔

صفحہ ۸۵ ۱۸۸۶ء)

روایات تحریف کو دیکھنے کے بعد یہ معلوم کرنے کا اشتیاق ہوتا ہے۔ کہ محققین مذہب شیعہ ان کو کیسا سمجھتے ہیں اور قرآن کے بارہ میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ الحمد للہ اس تلاش میں محققین کا خیال صداقت سے ہم آغوش نظر آتا ہے۔ یعنے شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن علی بابویہ اپنے رسالہ اعتقادات میں لکھتے ہیں:"

اِعْتِقَادُنَا فِی الْقُرْاٰنِ اَنَّ الْقُرْاٰنَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ ھُوَ مَا بَیْنَ الدَّفَّتَیْنِ وَھُوَ مَا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ لَیْسَ بِاَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ وَمَبْلَغُ سُوَرِہٖ عِنْدَ النَّاسِ مِائَۃٌ وَّاَرْبَعَۃَ عَشَرَ سُوْرَۃً وَعِنْدَنَا وَالضُّحٰی وَاَلَمْ نَشْرَحْ سُوْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ وَّلِاِیْلَافِ وَاَلَمْ تَرَکَیْفَ سُوْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ وَمَنْ نَسَبَ اِلَیْنَا اَنَّا نَقُوْلُ اَنَّہٗ اَکْثَرُ مِنْ ذٰلِکَ فَھُوَ کَاذِبٌ (اعجاز عیسوی مصنفہ مولٰینا رحمت اللہ صاحب کیرانوی مشہور مہاجر مکہ)

ہمارا عقیدہ قرآن کے بارہ میں یہ ہے کہ قرآن جو حقتعالٰے نے اپنے حبیب علیہ السلام پر نازل کیا وہ یہی مجلد ہے جو لوگوں کے پاس ہے اس سے زیادہ نہیں اس کی سورتوں کی تعداد لوگوں کے نزدیک ایکسو چودہ ہیں مگر ہمارے نزدیک والضحٰی اور الم نشرح ایک سورہ ہے اور لایلاف اور الم ترکیف ایک سورہ ہے لیکن جو شخص ہماری طرف منسوب کرتا ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ قرآن اس سے زیادہ ہے۔ تو وہ دشمن دروغ گو ہے"

سید مرتضٰی نقیب الاشراف شیعہ فرماتے ہیں:-

لٰکِنَّ الْعِلْمَ بِصِحَّۃِ الْقُرْاٰنِ کَالْعِلْمِ بِالْبُلْدَانِ وَالْحَوَادِثِ الْکِبَارِ وَالْوَقَائِعِ الْعِظَامِ الْمَشْھُوْرَۃِ وَاَشْعَارِ الْعَرَبِ الْمَسْطُوْرَۃِ فَاِنَّ الْعِنَایَۃَ اشْتَدَّتْ وَالدَّوَاعِیْ تَوَفَّرَتْ عَلٰی نَقْلِہٖ وَبَلَغَتْ اِلٰی حَدٍّ لَمْ تَبْلُغْ اِلَیْہِ فِیْمَا ذَکَرْنَاہُ لِاَنَّ الْقُرْاٰنَ مُعْجِزَۃُ النُّبُوَّۃِ وَمَاْخَذُ الْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّۃِ

قرآن کی صحت کا علم ایسا ہی ہے جیسا بڑی بڑی شہروں اور حادثوں کا اور بڑے بڑے مشہور واقعات کا اور عرب کے تحریر شدہ اشعار کا کیونکہ اس کے نقل اور بیان کرنے کی طرف توجہ سخت رہی ہے اور ضرورت بیحد رہی ہے اور اس کا ذکر مذکور اس حد تک پہنچا ہوا ہے جس حد تک مذکورہ بالا شہروں وغیرہ کا ذکر نہیں پہنچا کیونکہ قرآن نبوت کا معجزہ ہے علوم شرعیہ

وَالْاَحْكَامِ الدِّيْنِيَّةِ وَعُلَمَاءُ الْمُسْلِمِيْنَ قَدْ بَلَغُوْا فِيْ حِفْظِهٖ وَعِنَايَتِهٖ الْغَايَةَ حَتّٰى عَرَفُوْا كُلَّ شَيْءٍ فِيْهِ مِنْ اِعْرَابِهٖ وَقِرَاءَاتِهٖ وَحُرُوْفِهٖ وَاٰيَاتِهٖ فَكَيْفَ يَجُوْزُ اَنْ يَكُوْنَ مُغَيَّرًا اَوْ مَنْقُوْصًا مَعَ الْعِنَايَةِ الصَّادِقَةِ وَالضَّبْطِ الشَّدِيْدِ

اور مذہبی احکام کا سرچشمہ ہے اور مسلمان علماء نے اس کی حفاظت اور اس کی نگہداشت بجد کی ہے حتےٰ کہ انہوں نے اس کی ہر چیز کو معلوم کر لیا ہے یعنے اس کے اعراب اس کی قرائتین اس کے حروف اور اس کی آیتیں۔ پس کیونکر جائز ہے کہ اس میں تغیر ہو گیا ہو یا وہ ناقص کر دیا گیا ہو جبکہ سچی توجہ رہی ہے اور سخت حفاظت کی گئی ہے۔

(تفسیر مجمع البیان بوساعت ایضاً)

محمد بن الحسن حر عالی لکھتے ہیں:۔

ہر کسیکہ تتبع اخبار و تفحص تواریخ و آثار نمودہ بعلم یقینی مے داند کہ قرآن در غایت و اعلےٰ درجۂ تواتر بودہ و آلاف صحابہ حفظ و نقل مے کردند آنرا و در عہد رسول خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) مجموع مؤلف بود۔ (ایضاً)

سید شریف مرتضیٰ کی ایک عبارت کا ترجمہ مولانا عمادی لکھتے ہیں (تہذیب الاخلاق امرتسر)

لوگ قرآن کے تواتر میں کیوں شبہ کرتے ہیں۔ مذاق سلیم اگر ہے تو کتاب سیبویہ کے ملحقات کو ہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ سیبویہ کا کلام نہیں ہے تو کیا قرآن میں ہم یہ بھی امتیاز نہیں کر سکتے کہ یہ خدا کا کلام ہے یا بندوں کا۔

(دیباچہ تفسیر مجمع البیان طبرسی)

نیز مولینا عمادی لکھتے ہیں (تہذیب الاخلاق امرتسر)

ابن الندیم شیعی المذہب تھے مگر موجودہ قرآن میں ان کو بھی شبہ نہ تھا۔ خاص حضرت علیؓ کے قلم کا لکھا ہوا قرآن وہ دیکھ چکے تھے مگر یہ نہ کہہ سکے کہ موجودہ قرآن سے وہ کسی بات میں مختلف تھا۔ یہ قرآن اُس وقت حضرت امام حسنؑ کے خاندان میں تھا اور ابو یعلی احمزہ حسنی اس کے متولی یا خادم تھے۔ (کتاب الفہرست صفحہ ۲۰ مطبوعہ لیزگ جرمنی)

یہ ہے قرآن کا وہ تواتر جس کے آگے محققین مذہب شیعی بھی سر تسلیم خم کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے اور روایات تحریف کی تغلیط پر مجبور ہوتے ہیں اور ایسا کیوں کر نہ ہو

قرآن کریم کا تواتر مسلمانوں کے لئے موجب حیرت۔ سر ولیم میور اسلام کے مشہور دشمن ہیں مگر اپنی کتاب لائف آف محمدؐ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

کسی کتاب کا تیرہ سو سال تک لفظ بلفظ متواتر اور محفوظ چلے آنا عجیب وصف ہے۔ جو قرآن کے سوا کسی کتاب کو میسر نہیں"۔

باب ششم

آیات کلام اللہ کی نسبت بیجا توہمات

تحریف کی داستان تصنیف کرنے کے بعد تحریف کے موقعے تلاش کرنے اور قرآن کی فصاحت پر حرف گیر ہونے کی ضرورت پیش آتی ہے اور عیب چین طبیعتین مصروف عمل ہوتی ہیں۔ اگرچہ کام بہت دشوار اور ناممکن کو ممکن بنانا آسان نہیں مگر کوشش کرنے والے بھی غضب کے ہیں۔ تلاش کرتے ہیں اور دلکو بہلانے کا مشغلہ ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ چنانچہ آریہ اور عیسائیوں کے علاوہ سُنا جاتا ہے کہ ہمارے شیعہ بھائی بھی اس میدان میں جولانیاں دکھاتے رہے ہیں اور کہا گیا ہے کہ صاحب الشمس کچھوی نے اس کار خیر میں ایسا کچھ کر دکھایا ہے جس کی اور کسی سے توقع نہیں ہوسکتی۔ اِن خیال آفرینیوں سے لطف اُٹھانے کا موقع کبھی میسر نہ آیا تھا۔ مرزا احمد سلطان صاحب کی عنایت سے ان کارناموں کا انتخاب اور اس کوشش کے چند نمونے نظر سے گذرے۔ صاحب موصوف نے چند آیتیں پیش کی ہیں جن کے عیوب و نقائص اُن کے نزدیک قرآن کی عربیت اور فصاحت کو داغدار کرتے ہیں اور "تحریف قرآن کا فیصلہ قرآن سے"۔ ہو جاتا ہے۔ ان آیات میں غور کرنے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی اس زحمت کشی پر داد دینے کی ضرورت ہے۔ خدا کی شان ہے دو مسلمان کسی عربی جملہ کی بناوٹ پر بحث کریں اور ایک طرف سے سند میں قرآن کی آیت پیش کر دیجائے تو جواب کی گنجائش نہیں رہتی اور محاورہ کے غلط ہونے کا اعتراض کافور ہو جاتا ہے۔ یہاں مسلمان کو خود قرآنی محاورہ

کے غلط ہونے پر اصرار ہے۔ اور کلام الٰہی کو زید و عمر کے الفاظ سے مطابق کرنے کی ضرورت غیر کی طرف سے اعتراض ہوتا تو مضائقہ نہ تھا تیرہ سو سال کا مشغلہ ہے اور جوابوں کی کمی نہیں۔ ایک کو دشواری پیش آتی دوسرے کو بلا لیتا۔ سینوں سے بحث ہوتی غرض مشترک تھی شیعہ مدد کرتے۔ یہاں بھائی کی ضد سے دوسرا بھائی اپنے ہی داموں کو کھوٹا بنانے پر تلا ہوا ہے۔ تعجب اس نفاق پر ہے اور افسوس اس خانہ بربادی کا۔ مگر ہم اب بھی حسن ظن کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ جیسے مصنوعی جنگ میں ایک ہی فوج کے دو دستے باہم نبرد آزما ہو کر اپنی قوت کو آزماتے اور فنون جنگ کی مشق کرتے ہیں۔ ہم بھی یہی مقصد مدِّنظر رکھ کر شکر گذار ہوتے ہیں کہ ہمارے دوستوں نے مشق سخن تازہ کرنے کا موقع بہم پہنچایا کوئی آریا اعتراض کرتا اور سند میں عربی شعر پیش ہوتا تو کیا لطف آتا۔ شیعہ بھائی عربی جانتے ہیں دیکھ سکینگے کہ سند کہانتک کارآمد ہے۔

جسقدر آیتیں اس رسالہ میں پیش کی گئی ہیں اُن سے تین طرح کے اعتراض عائد کرنے کا مدعا سمجھ میں آتا ہے۔ (۱) بعض محاورات کو فصاحت کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔ (۲) بعض الفاظ اور جملوں کو مضمون کے لحاظ سے بے ربط سمجھا گیا ہے۔ (۳) بعض الفاظ کی طرز تحریر کو ناموزوں کہا گیا ہے"

قسم اوّل یعنے خلاف فصاحت ہونے کی تحقیق کلام عرب کو دیکھنے سے ہو سکتی ہے اور وہی طرز ادا جو قرآن میں اختیار کی گئی ہے۔ اگر فصحائے عرب کے کلام میں پائی جائے تو اعتراض باقی نہ رہیگا۔ اسجگہ صرف ایک دیوان حماسہ سے نظیریں پیش کی جاتی ہیں۔ حماسہ وہ کتاب ہے جس میں مختلف اور متعدد شعرا کا چیدہ کلام جمع کیا گیا ہے اور اہل عرب نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ اس کتاب میں کوئی شعر فصاحت کے خلاف اور محاورۂ عرب سے گرا ہوا نہیں ہے۔ اور اسپر یہاں تک وثوق ہے کہ نظیر پیش کرتے وقت شاعر کا نام لینے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اور قَالَ الْحَمَاسِی کہنا کافی ہوتا ہے یعنے اُس شاعر کا کلام جسکو حماسہ کے انتخاب میں آنے کی عزت نصیب ہوئی اس کتاب میں سے اشعار پیش کئے جاتے ہیں اور تشریح کے لئے حسب ضرورت رسالہ قادریہ شرح حماسہ کی عبارت تحریر ہوتی ہے۔

۱۔ صاحب علم قرآن کی دو آیتیں پیش کرتے ہیں جن میں شرط موجود ہے اور جزا کا

ذکر نہیں وہ کہتے ہیں کہ جب تک ان معانی کو الفاظ میں ظاہر نہ کیا جائے کلام ناقص رہتا ہے آیات یہ ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (بقرہ پارہ ۲ رکوع ۲۱)

اور جب اُن کو کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے اُتارا ہے اُس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ جو کچھ اپنے باپ دادا کو کرتے دیکھا ہے ہم تو اُسکی پیروی کرینگے اور اگر ان کے اجداد بالکل نادان اور بے ہدایت ہوں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ط وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورہ نور پارہ ۱۸ رکوع ۲)

جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ ایمانداروں میں بیحیائی کی باتیں پھیلیں ان کے لئے دُنیا اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور خدا جانتا ہے اور تُم نہیں جانتے۔ اور اگر اللہ کا فضل اور اُسکی رحمت نہ ہوتی۔ اور اگر اللہ رؤف اور رحیم نہوتا"

ان دونو آیتوں میں حرف لو کے ساتھ جو جملہ شروع کیا گیا ہے اس کی جزا مذکور نہیں مگر اوّل آیت دوم سے پہلے دو آئیتیں چھوڑ کر یہی الفاظ مع جزا کے مذکور ہیں اور سمجھ کر پڑھنے والے کا ذہن اسی جزا کیطرف منتقل ہو سکتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔

اگر دنیا اور آخرت میں تم پر خدا کا فضل اور اُس کی رحمت نہوتی تو جو کچھ تمنے کیا ہے اس سے بڑے عذاب میں مُبتلا ہوتے۔

دوسرا ایسا محاورہ عرب میں ایک طرف قریباً ہر زبان میں پایا جاتا ہے کہ نہایت واضح اور صاف جواب ذکر کرتے کرتے چھوڑ دیتے ہیں اور سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں "تم نے بہت نادانی کی دو کوڑی کے آدمی کو جوتی لے کر مارنے اُٹھے۔ وہ تو پاجی تھا مار کھانے سے اُس کا کیا بگڑا۔ تم اپنی عزت کو دیکھو۔ جو وہ بھی سامنا کر بیٹھتا؟" بچہ بھاگتا ہوا گرنے لگتا ہے ہم تھام لیتے ہیں

اور کہتے ہیں" دیکھو تم نچلے نہیں بیٹھتے اور چوٹ سے نہیں ڈرتے اور جو میں نہ پکڑتا؟ داغ کہتا ہے۔

پیغام دیا بھتا کوئی مرتا ہی خبر لو ۔ قاصد سے کہا گر یہی عادت ہو کیسی؟
تم کو ہم باوفا تو کہدیں گے ۔ داغ سنے اعتبار اگر نہ کیا؟
کہتے ہیں بار بار وہ مجھسے شب وصال ۔ ہے ہے اگر نہ تیری دعا سے سحر ہوئی

یہی محاورہ عرب کا ہے کثیر بن عبد الرحمن اپنی معشوقہ عزہ نامی کے ذکر میں کہتا ہے۔

اِذَا ذَرَفَتْ عَيْنَايَ اَعْتَلُّ بِالْقَذٰی
وَعِزَّةُ لَوْ يَدْرِی الطَّبِيْبُ قَذَاهُمَا
اَیْ اِذَا سَالَتْ عَيْنِیْ اَتَخَيَّلُ اَنَّ
فِيْهِمَا قَذًی وَالْحَالُ اَنَّ الْقَذٰی
هُوَ عِزَّةُ نَفْسُهَا وَلَوْ هٰهُنَا لَيْسَ
لِلتَّمَنِّیْ لِاَنَّ الْمُحِبَّ لَا يَتَمَنّٰی
اَنْ يَظْهَرَ سِرُّهٗ وَهُوَ يَسْتُرُهٗ بِحِيْلَةِ
الْقَذٰی۔ (حماسہ باب النسیب مع شرح)

یعنے جب آنکھ سے آنسو رواں ہوتے ہیں تو عذر کرتا ہوں کہ اس میں کچھ پڑگیا ہے حالانکہ میری آنکھ میں پڑنے کی چیز خود عزہ ہی ہے۔ اگر طبیب کو یہ خبر ہوتی تو وہ تنکے کو نکالنے اور دوا کرنے کی کوشش کیوں کرتا۔ تو حرف شرط ہے اور وہ یہاں تمنّا کے معنے نہیں دیتا یعنے یہ مطلب نہیں کہ کاش طبیب کو خبر ہوتی۔ کیونکہ عاشق راز کے ظاہر ہونے کی تمنا نہیں کر سکتا جبکہ وہ خود اُسے تنکا پڑنے کے بہانے سے چھپاتا ہے

فرعان بن الاعرف بیٹے کی ہجو میں کہتا ہے۔

كَمْ رَبَّيْتُهٗ حَتّٰى اِذَا اٰضَ شَيْظَمًا ۔ يَكَادُ يُسَاوِیْ غَارِبَ الْفَحْلِ غَارِبُهٗ
اَیْ لَمَّا رَبَّيْتُهٗ فَكَبُرَ وَبَلَغَ مَبْلَغَ الرِّجَالِ غَدَرَبِیْ (حماسہ باب الہجاء مع شرح)

یعنے اُسے پرورش کیا یہاں تک کہ جب پورا جوان ہوا اور اُس کی گردن اونٹ کی گردن کو پہنچنے لگی تو یعنی جب میںنے اُسے پالا اور وہ بڑا ہو کر مرد بنگیا تو مجھ سے بیوفائی کرنے لگا۔

ان دونوں شعروں میں شرط موجود ہے اور جزا کا ذکر نہیں اس لئے کہ خود ربط کلام ظاہر کر رہا ہے۔ یہی کیفیت دونوں آیتوں کی ہے کہ جزا کا مضمون پڑھنے والے کے ذہن میں خود بخود در آتا ہے خصوصاً جبکہ اور موقعو نپر اس کا ذکر ہو بھی چکا ہو۔

۲۔ ایک ہی مضمون کی دو آیتیں پیش کی گئی ہیں جن میں درمیانی جملہ محذوف ہے یعنے خدا نے کہا لاٹھی پھینکو موسٰے نے پھینکدی وہ ہلنے لگی تو موسٰے ڈرے۔ یہاں "موسٰی نے پھینکدی" محذوف ہے اور بقول ان کے کلام ناقص رہ گیا؟

یا موسٰی اِنَّہٗ اَنَا اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ	موسٰے میں خدائے باعظمت وباحکمت ہوں
وَاَلْقِ عَصَاکَ فَلَمَّا رَاٰھَا تَھْتَزُّ	تم اپنی لاٹھی پھینکو جب اسے سانپ کیطرح حرکت
کَاَنَّھَا جَاۤنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا (سورہ نمل	کرتے دیکھا۔ تو پیٹھ پھیر کر بھاگے"

پارہ ۲۰ رکوع ۱۶۔)

یہاں جو جملہ محذوف ہے ایسا صاف اور روشن ہے کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور اس کا تتمہ اور نتیجہ آگے مذکور ہے۔ ہم کہتے ہیں "ڈاکٹر نے آنکھیں بنائیں اور کہا ادہر دیکھو۔ انگلیاں دکھاکر پوچھتا رہا اور کہا بس" غالب کہتا ہے

حسن اور اسپہ حسن ظن۔ رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے۔ غیر کو آزمائے کیوں

یعنے اپنے حسن کی نسبت حسن ظن ہے کہ اُسکو جو دیکھیگا۔ ضرور ہی قربان ہوگا۔ بوالہوس رقیب کیطرف بھی رہی اور اسکا امتحان نہ ہوا حسن کی فریبی پر یقین تھا امتحان کیوں لیتا۔ اسکا امتحان نہ ہوا" محذوف ہے اور اس کی وجہ مذکور۔ یہی موقع آیت میں ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ادہر دیکھو مریض دیکھنے لگا" موسٰے سے کہا لاٹھی پھینکو۔ موسٰی نے پھینکدی۔ سب جملے صاف ہیں اور محذوف رکھکر سمجھے جاسکتے ہیں۔ عرب میں یہ استعمال نہایت کثرت سے ہے۔ جزء بن کلیب فقعسی کہتا ہے"

تَبَغّٰی ابْنُ کُوْزٍ وَالسَّفَاھَۃُ	جہالت بھی کیسی منحوس چیز ہے ابن کوز جہالت سے اسقدر
کَاسْمِھَا لِیَسْتَادَ مِنَّا اَنْ شَتَوْنَا	پھولگیا کہ ہم جو کوئی دن کے لئے قحط کے چکر میں
لَیَالِیَا فَمَا اَکْبَرُ الْاَشْیَاءِ عِنْدِیْ	آگئے تو ہماری لڑکی مانگ کر سردار بننا چاہا۔ (ہمنے
حَزَازَۃً بِاَنْ اُبْتَ مَزْرِیًّا عَلَیْکَ	صاف انکار کردیا) کیونکہ رشتہ کے انکار سے اگر وہ ذلیل
وَزَارِیَا (حماسہ باب اوّل)	ہوا یا اگر ہماری عیب جوئی کرنے لگا تو میری دیکت کی بڑے افسوس کی بات نہیں

یہاں رشتہ کے سوال پر "صاف انکار کردیا" اسیطرح محذوف ہے جیسے لاٹھی پھینکنے کے حکم پر "پھینک دی" محذوف ہے۔ انکار کرنے یا لاٹھی پھینکنے کا جو نتیجہ ہے۔ اس کا ذکر کردیا ہے"

سعد بن ناشب کہتا ہے۔

فَاِنْ تَھْدِمُوْا بِالْغَدْرِ دَارِیْ	اگر تم دھوکے سے میرا مکان گرادوگے۔ تو گرادو)

فَاِنَّهٗ تُرَاثُ كَرِيْمٍ لَا يُبَالِي الْعَوَاقِبَا
(حماسہ باب اوّل)

یہ مال ہی ایسے بلند خیال کا ہی جس نے انجاموں کی کبھی پروا نہیں کی۔

یہاں "گراود مجھے پروا نہیں" محذوف ہے۔ اس کی وجہ مذکور ہے۔

حسین بن مطیر الاسدی کہتا ہے

وَقَدْ كُنْتُ اَرْجُوْ اَنْ تَمُوْتَ صَبَابَتِيْ
اِذَا قَدُمَتْ اَيَّامُهَا وَعُهُوْدُهَا
لَقَدْ جُعِلَتْ فِيْ حَبَّةِ الْقَلْبِ
وَالْحَشَا عِهَادُ الْهَوٰى تُوْلٰى
بِشَوْقٍ يُعِيْدُهَا وَالْمَعْنٰى لَمْ
تَذْهَبِ الصَّبَابَةُ بَلْ تَمَكَّنَتْ
فِي الْجَوْفِ۔ (حماسہ باب النسیب مع شرح)

میں امید کرتا تھا کہ میرا عشق مرجائے گا
جب اُسکے دن اور اسکا زمانہ گذر جائیگا (مگر وہ نہ مرا)
بلکہ اُسنے دل اور اعضائے اندرونی کے اند
محبت کا مینہ برسایا جسکو شوق نے جھڑی بنادیا
مطلب یہ ہے کہ عشق نہ گیا بلکہ تمام دل و جگر
پر چھا گیا۔

یہاں عشق کے جانے کی جو امید تھی اس کا جواب یعنے لَمْ تَذْهَبِ الصَّبَابَةُ (عشق نہ گیا) محذوف ہے اور ترقی عشق کا ذکر موجود۔

ابن اُذینہ کہتا ہے

اِنَّ الَّتِيْ زَعَمَتْ فُؤَادَكَ مَلَّهَا
خُلِقَتْ هَوَاكَ كَمَا خُلِقْتَ هَوًى لَهَا
وَالْمَعْنٰى اِنَّ الْحَبِيْبَةَ الَّتِيْ تَخَيَّلَتْ
فِيْ اَنْفُسِهَا اَنَّ فُؤَادَكَ مَلَّ هَا
اَيْ مَلَّ عَنْ ذِكْرِهَا لَمْ تَصْدُقْ
فِيْ زَعْمِهَا فَاِنَّهَا خُلِقَتْ كَشَيْءٍ
يَهْوَاكَ وَخُلِقْتَ اَنْتَ كَشَيْءٍ تَهْوَاهَا

(حماسہ باب النسیب مع شرح)

جو محبوبہ خیال کرتی ہی کہ تیرا دل اس سی بیزار ہوگیا (غلط کہتی ہی) بلکہ وہ تیری محبوبہ بنائی گئی ہی جیسے تو اُسکا محبوب بنایا گیا ہے مطلب ہے کہ محبوبہ جو اپنے دل میں سمجھتی ہے کہ تیرا دل اس سے یعنے اس کی یاد سے نفور ہوگیا ہے (اپنے گمان میں صادق نہیں) کیونکہ وہ محبوبہ بنائی گئی ہے۔ تیری اور تو محبوب بنایا گیا ہے۔ اُس کا۔

۳۔ چند آیتیں پیش کی ہیں جن میں دو جملوں کے مابین کہا یا کہا جائیگا۔ یا کہتے ہیں یا قول کا کوئی اور صیغہ محذوف ہے۔ جس سے صاحب عالم کے نزدیک بات پوری نہیں ہوتی اور معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس کا مقولہ ہے۔ آیات حسب ذیل ہیں۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ

سب خدا پر اُسکے فرشتوں پر کتابوں پر اور

وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ط (آخر سورہ بقرہ)	اور پیغمبروں پر ایمان لائے (اور کہنے لگے کہ ہم کسی پیغمبر کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (آل عمران	لیکن جن کے چہرے سیاہ ہو گئے (اُنکو کہا جائیگا کہ) تم ایمان کے بعد کافر ہو گئے تھے!
يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (سورہ آل عمران پارہ ۴ - رکوع - ۱۲ -)	وہ لوگ آسمان وزمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے پروردگار تونے یہ سب عبث پیدا نہیں کیا۔
دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ط (سورہ فرقان پارہ ۱۸ رکوع ۲	اُسدن اپنی تباہی پر واویلا کرینگے (اور کہا جائیگا) ایک طرح کی تباہی پر نہیں بہت سی تباہیوں پر افسوس کرو،
وَلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ط يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ (سورہ نمل پارہ ۱۹ رکوع ۱)	پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے کو نہ دیکھا (ہمنے کہا کہ) موسیٰ ڈرو نہیں)
فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ط هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورہ نمل۔ پارہ ۲۰ - رکوع ۔۷۔)	اُن کے چہرے اوندھے ہو کر آگ میں گرینگے (اور کہا جائے گا کہ) تمہارے اعمال سے زیادہ سزا تو نہیں ملتی "!
وَلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوْسٰى اَقْبِلْ (سورہ قصص پارہ ۲۰ رکوع ۴)	پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے کو نہ دیکھا ہم نے کہا کہ) موسیٰ ادھر آؤ۔

(رکوع ۱۲ پارہ ۴)

یہ محاورہ عام ہے یہاں بھی کہنے والے نے کہا ہے غالب؎

جاتے ہوئے کہتے ہیں قیامت کو ملینگے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

دو مصرعوں کے مابین کوئی لفظ رہگیا ہے اور صاحب عالم کو معلوم نہ ہوسکتا ہوگا کہ مصرعہ ثانی کِسکا مقولہ ہے مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ "میں کہتا ہوں" محذوف ہے اور صاف سمجھا جاتا ہے۔ اسیطرح صاف سمجھا جاتا ہے کہ "سب ایمان لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب پیغمبروں کو مانا"۔ صاف سمجھا جاتا ہے کہ "جن کے چہرے سیاہ ہونگے اُن کو کہا جائیگا کہ تم ایمان کے بعد بہک کیوں گئے" غرض بات صاف ہے مگر چونکہ

اعتراض کر دیا گیا ہے اور اکٹھی سات آیتیں درج کی ہیں سند میں بھی سات شعر لکھے جاتے ہیں جن میں قول کا کوئی صیغہ محذوف ہے؛

۱- کروس بن زید کہتا ہے؛

رَأَتْنِي وَمِنْ لُبْسِي الْمَشِيبَ فَأَمَّلَتْ
غِنَاءَ فَكُونِي آمِلًا خَيْرَ آمِلِ
(حماسہ باب اوّل)

میرے کنبہ نے مجھے دیکھا اور میرے بڑھاپے کو دیکھا اور امید کی کہ اپنی تجربہ کاری سے انکی مشکلوں میں کام آؤں گا (میں نے کہا کہ) ہاں امید رکھو مبارک امید ہے"

۲- نفر بن قیس کہتا ہے۔

أَلَا قَالَتْ بُهَيْسَةُ مَا لِنَفْرٍ
أَرَاهُ غَيَّرَتْ مِنْهُ الدُّهُورُ
وَأَنْتِ كَذَاكِ قَدْ غُيِّرْتِ بَعْدِي
وَكُنْتِ كَأَنَّكِ الشِّعْرَى الْعَبُورُ

بہیہ نے کہا نفر کو کیا ہوا۔ اسکو زمانے نے بدلدیا یعنے بوڑھا کر دیا (میں نے کہا) تو بھی تو اسی طرح میرے بعد بدلگئی حالانکہ تو پہلے کہکشاں پر سے گذرنیوالے شعرے ستارہ جیسی تھی"

۳- ایک شاعر کہتا ہے (حماسہ میں بعض شعرا کا چیدہ کلام لکھا ہے اسکا نام نہیں بتایا وقال آخر لکھدیا ہے۔)

أَلَا طَرَقَتْنَا آخِرَ اللَّيْلِ زَيْنَبُ
عَلَيْكِ سَلَامٌ هَلْ لِمَا فَاتَ مَطْلَبُ
(حماسہ باب النسیب)

پچھلی رات زینب کا خیال مجسم ہو کر نظر آیا (تو مینے کہا) سلام۔ کیا گذشتہ الم ہائے فراق کا عوض بھی ملسکتا ہے؛

۴- جمیل کہتا ہے؛

وَمَاذَا عَسَى الْوَاشُونَ أَنْ يَتَحَدَّثُوا
سِوَى أَنْ يَقُولُوا إِنَّنِي لَكِ عَاشِقُ
نَعَمْ صَدَقَ الْوَاشُونَ أَنْتِ حَبِيبَةٌ
إِلَيَّ وَإِنْ لَمْ تَصْفُ مِنْكِ الْخَلَائِقُ
(حماسہ باب النسیب)

میری بدی کرتے ہوئے چغلخور کیا بات کہہ سکتے ہیں سوا اسکے کہ کہیں میں تیرا عاشق ہوں (میں کہتا ہوں کہ) ان چغلخوروں نے سچ کہا تو میری محبوب ہے اگرچہ تیرا برتاؤ میرے ساتھ اچھا نہیں"

۵- ابو طیمان قینی کہتا ہے؛

إِذَا قِيلَ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَبِيلَةً
وَأَصْبَرُ يَوْمًا لَا تُوَارَى كَوَاكِبُهْ

جب پوچھا جائے کہ سب سے بہتر قبیلے سے تعلق رکھنے والے اور سخت مصیبت کے دن جنگ میں صبر کرنیوالے

فَاِنَّ بَنِی لَامِ بْنِ عَمْرٍو اَرُوْمَةٌ
سَمَتْ فَوْقَ صَعْبٍ لَا تُنَالُ مَرَاقِبُهٗ
(حماسہ باب النسیب)

کون لوگ ہیں (تو جواب میں کہا جائیگا) بنی لام بن عمرو وہ قبیلہ ہے جو اونچی پہاڑوں سے بھی بلند اور اُن کی کمین گاہوں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

۶۔ حسان بن حنظلہ کہتا ہے۔

تِلْكَ ابْنَةُ الْعَدَوِیِّ قَالَتْ بَاطِلاً
اَزْرٰی بِقَوْمِكَ قِلَّةُ الْاَمْوَالِ
اِنَّا لَعَمْرُ اَبِیْكَ یَحْمَدُ ضَیْفُنَا
وَیَسُوْدُ مُقْتِرُنَا عَلَی الْاِقْلَالِ
(حماسہ باب المدائح)

اس عدوی قبیلہ کی بیٹی نے جھوٹ کہا ہے کہ تیری قوم کو مفلسی نے ذلیل کر دیا (میں کہتا ہوں) کہ تیرے باپ کی قسم ہمارے مہمان ہماری تعریف کرتے ہیں اور ہم میں کا مفلس آدمی باوجود مفلسی کے سرداری کی شان رکھتا ہے

کسی اور نے کہا ہے

۷۔ لَا تَنْكِحَنَّ عَجُوْزًا اِنْ اَتَیْتَ بِهَا
وَاخْلَعْ ثِیَابَكَ مِنْهَا مُمْعِنًا هَرَبًا
وَاِنْ اَتَوْكَ فَقَالُوْا اِنَّهَا نَصَفٌ
فَاِنَّ اَمْثَلَ نِصْفَیْهَا الَّذِیْ ذَهَبَا
(حماسہ باب مذمۃ النساء)

اگر بڑھیا تیرے پاس لائی جائے تو ہرگز نکاح نہ کر اور اسکے پاس سے کپڑے پھاڑ کر بھاگ جا اگر لوگ کہیں کہ وہ درمیانہ عمر کی ہے (تو کہدے کہ) ہاں مگر اس کی عمر کا بہتر نصف وہی تھا جو جاتا رہا۔

قسم دوم کے اعتراض یعنے جہاں بعض الفاظ کو مضمون کے لحاظ سے بے ربط سمجھا گیا ہے۔ آیات ذیل پر درج ہیں

۱۔ وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ
هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا
مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ذُرِّیَّةَ مَنْ
حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ط اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا
شَكُوْرًا ط (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ رکوع ۱)

ہمنے موسیٰ کو کتاب دی اور اسکو بنی اسرائیل کیواسطے ہدایت بنایا تاکہ تم لوگ میرے سوا کسیکو کارساز نہ مانو۔ اے اُن لوگوں کے بیٹو جنکو ہمنے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا۔ نوح تو خدا کا شکر گذار بندہ تھا (تم کیوں ناشکر بنتے ہو)

اس آیت میں وہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت موسےٰ کا ناتمام قصہ چھوڑ کر حضرت نوحؑ کا قصہ بے ربطی کے ساتھ بیان ہونے لگا ہے۔ یہ بے جوڑ بات ہے۔ پس حضرت موسےٰ کے قصہ کا آخری حصہ اور حضرت نوحؑ کے قصہ کا حصۂ اوّل ملایا جائے تو مطلب پورا ہوگا۔

معلوم نہیں کس وجہ سے ایسا اعتراض پیدا کیا گیا ہے یہاں کوئی قصہ بیان نہیں ہوا۔ نہ آگے سے چھوڑ کر کوئی اور قصہ شروع ہوا ہے۔ بنی اسرائیل کو توحید پر قائم رہنے کی ہدایت کی گئی ہے اور نصیحت کو مؤثر بنانے کے لئے پہلے کتاب نازل فرمانے کی عنایت کا ذکر کیا ہے اور بعد میں ان کو ہمراہیان نوح کی اولاد کہہ کر یاد کیا ہے اور نوح علیہ السلام کی شکرگذاری کے ذکر سے عبرت دلائی ہے۔ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا نُوحٍ مضاف اور مضاف الیہ مل کر منادیٰ ہے اور جن کا ذکر تھا یعنی بنی اسرائیل انہی کو اس صفت سے پکارا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ نوح شکرگذار تھا تو تم اسکی اولاد ہو کر ناشکر کیوں بنتے ہو۔ آخری حصہ "(تم ناشکر کیوں بنتے ہو) حذف ہو گیا ہے سمجھا گیا کہ یہ ذکر ہی جدا ہے۔ حالانکہ ایسا اکثر ہوا کرتا ہے۔ غالب کہتا ہے۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی
(اور دیکھیں کیا ارشاد ہوتا ہے)

اس شعر میں جملہ کا آخری حصہ محذوف ہے۔ مگر اپنی زبان ہے سمجھنے والے فوراً سمجھ جاتے ہیں اور خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہاں کچھ محذوف تھا۔ قرآن عربی زبان ہے ہم سمجھ سکتے نہیں اپنی بے مائگی سے۔ نقص کا الزام قرآن پر دھرتے ہیں کلام عرب میں ایسے ایسے محذوف جملوں کا شمار نہیں۔

مساور بن ہند بنی اسد کی ہجو میں کہتا ہے:

زَعَمْتُمْ إِنَّ إِخْوَتَكُمْ قُرَيْشٌ	تم سمجھتے ہو کہ قریش تمہارے بھائی ہیں حالانکہ
لَهُمْ إِلْفٌ وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَافُ،	انہیں عہد کی پابندی ہے اور تم میں ذرا نہیں
أَيْ لَسْتُمْ كَقُرَيْشٍ وَلَوْ كُنْتُمْ	یعنے تم قریش کی مانند نہیں ہو اگر ان جیسے ہوتے
مِثْلَهُمْ لَكَانَ عَهْدُكُمْ كَعَهْدِهِمْ	تو تم میں بات کا پاس کیوں نہ ہوتا۔

(حماسہ باب الہجاء مع شرح)

اتنا لمبا چوڑا جملہ آخر میں محذوف ہے بعینہٖ جیسے آیت میں "نوح شکرگذار تھا"۔ (تم میں شکرگذاری کیوں نہیں)۔

غرض اس آیت میں ایک ذکر کے اندر دوسرا ذکر ہرگز شروع نہیں ہوا

لیکن یہاں نہیں تو اور بہت سے مقامات پر ہمارے دوستوں کی تمنائے عیب جوئی پوری ہو سکتی ہے اور حقیقت واقعہ سے آگاہی نہو تو مضامین کے باہمی امتزاج سے بے ربطی کلام کا اعتراض پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ انسانی اور خدائی طرز بیان میں جو تفاوت ہے ظاہر کر دیا جاوے تا آدمی اسلوب قرآنی کو سمجھنے میں دہوکا نہ کھائے"

حقیقت یہ ہے کہ "لوگ[1] کلام الٰہی کو انسانوں کے کلام پر قیاس کرتے ہیں اور انسان کا یہ خاصہ ہے کہ اُسے ایک بات دوسری بات کے تعلق سے سوجھتی ہے۔ اس لئے جب ایک مضمون کو شروع کرتا ہے تو جو سوالات اس سے پیدا ہوتے جاتے ہیں انہی کی رہنمائی سے آگے بڑھتا ہے۔ انسان کے اور کام بھی اسی طرح ترتیب کے محتاج ہوتے ہیں وہ مکان بناتا ہے تو اس میں عمارتوں کی مشابہت سے کام لیتا ہے۔ باغ لگاتا ہے تو اس میں ایک ایک قسم کے درختوں کے تختے آراستہ کرتا ہے۔ لیکن خدا کے کام تمام دنیا میں اس کے بالکل برعکس ہیں۔ اس کی عمارت میں کہیں ہموار زمین ہے تو بیچ میں ایک عمیق غار آجاتا ہے۔ کہیں سر بفلک پہاڑ کھڑا ہوتا ہے۔ درختوں کی بھی یہی کیفیت ہے کہ چھوٹے چھوٹے سبزہ زاروں میں کوئی پودا تنہ دار اور بلند ہے تو کوئی بیل زمین پر پھیلی ہوئی پاس ہی کوئی تناور درخت آسمان سے باتیں کرتا ہے۔ بیچ میں کوئی قطعہ شور زمین کلر ہے جہاں گھاس کا ایک پتہ نہیں کہیں پھولوں کا تختہ ہے تو بیچ میں کہیں خاردار جھاڑی بھی موجود ہے اور پاس ہی کوئی پھلدار پودا لہلہاتا ہے۔

حیوانوں اور انسانوں بلکہ ہر قسم کی پیداوار کو دیکھو ایک جنس کی دو چیزیں قد و قامت صورت شکل عقل و شعور میں کبھی باہم مشابہ نہونگی۔ اور کالا گورا بلند و پست کارآمد و بیکار ہزارہا قسم کے ذرات جیسے مختلف افراد نظر آئینگے۔ غرض جو ترتیب ہم انسانی کاموں میں دیکھتے ہیں خدائی کاموں میں وہ ترتیب بالکل مفقود ہے اور آسمان کے ستاروں

---

[1] یہ مضمون اپنی ایک اور تحریر (ما حضر فی رد الطعن عن خیر البشر) سے اقتباس کرتا ہوں۔ اور حقیقت میں اس نکتہ کو دریافت کرنے کی سعادت اس زمانے کے مسلم فلسفی اور اردو کے مشہور اہل قلم عالیجناب ڈاکٹر صادق علی صاحب اسسٹنٹ سرجن ریاست کپورتھلہ کو نصیب ہوئی ہے۔ آنجناب نے اس مضمون پر ایک بے مثل رسالہ اعجاز القرآن کے نام سے تصنیف کیا تھا جو افسوس ہے کہ اب دستیاب نہیں ہوتا اور مصنف مذکور کے پاس بھی نہیں رہا۔"

سے لے کر زمین کے ذرّوں تک ہر چیز کے اندر بے ترتیبی اور تنوع کا جلوہ نظر آتا ہے۔ البتہ ایک بات ضرور دیکھی جاتی ہے کہ دن روشن ہے تو اس کے ساتھ لگی ہوئی سیاہ رات موجود ہے۔ جہالت کا دورہ ہے تو پاس ہی کہیں عقل وخرد کی روشنی نظر آتی ہے۔ زہریلا درخت ہے تو اس سے ملا ہوا اس کا تریاق بھی موجود ہے۔ اب قدرت کے ان تمام افعال کو دیکھ کر غور کرو کہ اُس قادر کا کلام کیسا ہونا چاہئے۔ اگر کلام کرنیوالا وہی جہان کا خالق ہے تو اس کے قول کو اس کے فعل سے ضرور مشابہت ہونی چاہئے اور فعل کو دنیا میں دیکھتے ہو تو قول کو قرآن میں دیکھو توحید کا ذکر ہے تو ساتھ ہی کسی نبی کا قصہ نظر آتا ہے۔ اسی میں کچھ احکام مذکور ہوجاتے ہیں پھر کسی فرقہ کی نافرمانی اور عذاب کا ذکر آجاتا ہے۔ غرض جو بے ترتیبی اس کی مخلوقات میں عیاں ہے وہی بے ترتیبی اسکے کلام میں نظر آتی ہے۔ اور پھر جسطرح مخلوقات میں نور وظلمت اور زہر وتریاق کا ساتھ ہے اُسیطرح قرآن میں عذاب کا ذکر ہے تو ہمیشہ اور ہر جگہ اس کے ساتھ رحمت وثواب کی بشارت بھی موجود ہے۔ پس اعتراض کرنے والے شوق سے اپنا دل ٹھنڈا کریں اور ترتیب کی خوبی سُنا کر بے ترتیبی کی مذمت کا راگ گائیں۔ حقیقت ان کا ساتھ نہ دیگی اور قرآن کے اندر ترتیب کا نہونا اہل نظر کے لئے ایک بیّن ثبوت ہوگا۔ اس امر کا کہ کلام کا کلیم وہی ہے جو اس بے ترتیب نظام عالم کا خالق ہے۔ بلکہ اگر قرآن میں ابواب وفصول کی ترتیب ہوتی تو مقام اعتراض تھا کہ خدا کا قول اس کے فعل سے مختلف کیوں ہے۔ مگر اے معشوق من ست آنکہ بنزدیک تو زشت ست۔ جن کو مناظر قدرت کی بے ترتیب آرائش صانع قدیر کی طرف کھینچتی ہے۔ انہی کو کلام الہی کی ترتیب روانی قدرت کاملہ کا جلوہ دکھاتی اور معرفت ربانی کا رستہ سُجھاتی ہے"

۲۔ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورہ نور۔ پارہ ۱۸، رکوع ۴)	اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پرہیز کرنا چاہیں تاکہ تم دنیا کا مال حاصل کرو جو ان کو مجبور کرے گا۔ تو خدا مجبور کرنے کے بعد غفور رحیم ہے"

اس آیت پر بقول اِن کے دو الزام ہیں ایک تو وہی مشہور اعتراض کہ شرط
ناموزون ہے یعنے لونڈیاں زنا سے بچنا چاہیں تو مجبور نہ کرو۔ اگر وہ خود رضامند ہوں
تو خیر۔ دوسرے جبر کرنے کی صورت میں سزا کے موقع پر خدا کو غفور رحیم کہا گیا ہے۔
حالانکہ چاہیے یوں تھا۔ کہ اب بھی جبر کروگے تو خدا کا عذاب سخت ہے سزا پاؤگے
اسلئے فرماتے ہیں کہ "اس بنا پر یقین ہوتا ہے کہ اور آیات کی نسبت اسمیں سے زیادہ الفاظ
نکل گئے ہیں"۔ پہلا اعتراض بظاہر وقیع معلوم ہوتا ہے۔ اور شرط کے لانے سے گمان ہوتا
ہے کہ شرط موجود نہو تو ممانعت بھی نہ رہیگی۔ لیکن کیا یہ کہنا درست ہے کہ "وہ زنا سے پرہیز
کرنا چاہیں تو مجبور نہ کرو لیکن خود زنا کرنا چاہیں تو مجبور کر سکتے ہو"! کیا مجبور کرنے کی صورت
پیدا ہوسکتی ہے جب آدمی خود کوئی کام کرنا چاہتا ہو۔ جبر ہوتا ہی اُس صورت میں ہے
جبکہ کام کرنے والا رضامند نہو پس جب شرط کو نفی کرنے سے کوئی معنے پیدا ہی نہیں
ہوتے تو اعتراض کب باقی رہتا ہے اور کیوں نہیں سمجھا جاتا کہ شرط کے الفاظ
لفظ اکراہ کی تفسیر کرتے ہیں تفسیر اور فصاحت کے لئے چند الفاظ کو بڑھا دینا
عرب کا عام دستور ہے۔ قرآن میں ایک جگہ فرمایا ہے۔ وَلَا طَائِرٍ یَطِیرُ بِجَنَاحَیْہِ
(نہ کوئی پرندہ جو اپنے پروں سے اُڑتا ہو) طائر کا لفظ جو معنے رکھتا ہے وہی مطلب پروں
سے اُڑنے کا ہے مگر نہیں یہ نظیر اسلامی عادت کے وافق قلم سے نکل گئی۔ ہمارے دوستوں
کو محرف قرآن پر کیا اعتماد۔ اُن کو حماسہ کا وہ شعر دیکھنا چاہئے جو پہلے گذر چکا ہے:۔
لَا تَنْکِحَنَّ عَجُوْزًا اِنْ اُتِیْتَ بِھَا (بڑھیا سے نکاح نہ کرنا اگر وہ تمہارے پاس لائی جائے)
کیا شاعر کا یہ مطلب ہے۔ کہ بڑھیا لائی جائے تو نکاح نہ کرنا تم خود اسکے پاس جا پہنچو
تو خیر کر لینا۔ نہیں بڑھیا کے نکاح سے وہ بالکل نفور ہے اور یہ الفاظ محض حالت
واقعہ کو ظاہر کرنے کے لئے لایا ہے کہ بڑھیا سے نکاح کا اتفاق ہوتا ہی جب ہے
کہ کوئی اُس کی سفارش کرے اور زور دے ورنہ جوان آدمی اپنی مرضی سے بڑھیا
کی طرف راغب نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح یہاں حالت واقعہ کو ظاہر کیا گیا ہے
کہ جبر و اکراہ کا موقع ہی اسوقت ہوتا ہے جبکہ کام کرنے والا خود رضامند نہو اور اُن کو
غیرت دلائی گئی ہے کہ وہ لونڈی اور ذلیل مخلوق ہو کر بُرے کام سے نفرت کرتی
ہیں تم اسپر بھی انہیں مجبور کرتے ہو۔ شرم کرو۔ امر واقعہ کے ظاہر کرنے کے علاوہ

یہ دوسرا فائدہ ہے جو شرط کا جملہ لانے سے پیدا ہوا اور زنا کا مال کھانے والوں کو شرمندہ کرنے کے لئے کلام میں زور پیدا ہو گیا۔ جو صرف "زنا پر جبر نہ کرو" کہنے سے پیدا نہ ہوتا۔ اور شرطیہ میں اِنْ کا لفظ لانے سے جو قلیل الوجود شرط کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ واقعہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ زنا کا رواج عام ہے۔ شاذ و نادر ہی کوئی لونڈی اس سے نفور ہوتی ہو گی۔ پس اگر کبھی کوئی لونڈی خدا کے خوف سے ڈرنے والی پیدا ہو بھی جائے تو بھلے مانسو اسکو تو مجبور نہ کیا کرو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ باوجود نفرت کرنے کے زنا پر مجبور کیا جائے تو مجبور کرنیوالے کے ظالم اور بےحیا ہونے میں کلام نہیں لیکن ایسی لونڈیوں کا کیا حشر ہو گا۔ جو اپنی خوشی کے خلاف مار پیٹ کے خوف اور ظالم کے ظلم سے مُنہ کالا کرواتی اور مالک کی جیب کو بھرتی ہیں سو خدا فرماتا ہے کہ ایسی مجبوری کے ساتھ زنا کروائیں تو خدا غفور رحیم ہے (تفسیر کشاف و تفسیر سراج المنیر) کیا آیت کی یہ تفسیر نہیں ہو سکتی؟ جبکہ سورۂ نحل میں (پارہ ۱۴ رکوع ۱۴) کفر کے لئے مجبور کرنے کے ذکر پر آخر میں انہی الفاظ سے مغفرت کی نوید دیگئی ہے اور فرمایا گیا ہے اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ غفور رحیم کا لفظ لانے پر اعتراض اسلئے پیدا ہوا کہ اس آیت کو جبر کرنیوالے کی سزا سمجھا گیا حالانکہ ان کا حکم ظاہر ہے اور ایسے قبیح فعل کی سزا کا ذکر نہو جب بھی سمجھنے والا سمجھ سکتا ہے۔ تذبذب جو پیدا ہو سکتا ہے وہ لونڈیوں کے بارہ میں ہے کہ وہ زنا کی مرتکب ہوتی ہیں جس کی حرمت میں کلام نہیں مگر کرتی جو کچھ ہیں اس میں ان کی رضا کو دخل نہیں تو خدا اُن سے کیا سلوک کریگا۔ اسی کے جواب کی ضرورت تھی اور اسی کا غفور رحیم کے سوا کوئی جواب نہیں اس کے خلاف اگر ان الفاظ کو جبر کرنے والوں کے حق میں سمجھا جائے تو ایسی لونڈیوں کا فیصلہ باقی رہا جاتا ہے۔ اور تمام قرآن کو دیکھ ڈالو۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (خدا طاقت سے زیادہ کیسکو تکلیف نہیں دیتا۔) اس عام حکم کے سوا مجبوری سے زنا کروانے کا صریح حکم کہیں مذکور نہیں۔ یہاں لونڈیوں کا ذکر مانو تو جبر کرنے والوں کا حکم بہت جگہ مل سکیگا۔ اسی آیت میں پہلے ان کو عبرت انگیز الفاظ میں اس فعل سے روکا گیا ہے اور صریح ممانعت موجود ہے نیز اسی سورہ میں ان آیتوں سے پہلے بدی اور بےحیائی پر مجبور کرنا ایک طرف صرف

حکم دینے کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور قرآن کے دیگر مواقع میں بھی ایسے ہی احکام پائے جاتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ (نور پارہ ۱۸ رکوع ۳) — اے ایمان والو شیطان کے نشان قدم کی پیروی نہ کرو جو شخص شیطان کے نشان قدم کی پیروی کرتا ہے (وہ بدی میں مبتلا ہوتا ہے) کیونکہ شیطان بیحیائی اور بدکاری کا حکم دیتا ہے"

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ. إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ٥ (بقرہ پارہ ۲ رکوع ۲۱) — شیطان کے نشان قدم کی پیروی نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ صرف بدی اور بیحیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ خدا کی نسبت وہ بات کہو جس کا علم نہیں"

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ (بقرہ رکوع ۳۴ پارہ ۳) — جو لوگ کافر ہیں اُن کے دوست شیطان ہیں جو اُن کو روشنی سے تاریکی کی طرف لیجاتے ہیں"

غرض آیت مذکور کے پہلے حصہ میں زنا پر مجبور کرنے کی صریح ممانعت بصراحت مذکور ہے تو دوسرے حصہ میں مجبور ہونیوالوں کی بیکسی اور لاچاری پر مغفرت کی نوید۔ اور ذکر اسی پیرایہ میں ہے جو دونوں حکموں کے مناسب حال ہو۔ نہ کوئی امر فصاحت کے خلاف ہے۔ نہ کسی تحریف اور فرو گذاشت کا احتمال؛

۳- وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ (بنی اسرائیل۔ پارہ ۱۵ رکوع ۳) — تمہارے رب کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور والدین سے حسن سلوک رکھو۔

اسپر اعتراض یہ ہے کہ جب خدا کا حکم قضا ہے تو قضا کے مقابلہ میں وہ کونسی طاقت ہے جو کروڑوں غیر اللہ کے پجاریوں سے کسی زمانے کو خالی نہیں

رہنے دیتی۔ مگر حقیقت میں یہاں دو وصلی تھا۔ کسی جاہل کاتب نے وص سے ملا دیا یا سیاہی گرنے سے حرف قضا بنگیا اور کاتب اونگھ گیا۔ اس اعتراض میں قضا کے لفظ سے خدا کا وہ حکم سمجھا ہے جس کو تقدیر کہتے ہیں اور جو ٹل نہیں سکتا۔ بیشک اس لفظ کے یہ معنے بھی ہیں اور قرآن میں مستعمل ہیں فرمایا ہے وَاِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ط (وہ جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے ہو جا وہ ہو جاتا ہے۔ (بقرہ پارہ ۱۔ ارکوع ۱۴) مگر اس لفظ کے صرف یہی معنے نہیں ہیں۔ قضا کے معنے ادا کرنا اور پورا کرنا بھی ہے اور قضا کے معنے ایسے حکم کے بھی ہیں جو حکام نافذ کریں اور اس کی نافرمانی کرنے والوں کو سزا دی جاسکے۔ ادا کرنے کے معنوں میں خدا فرماتا ہے، فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ (قصص پارہ ۲۰ رکوع ۴) جب موسیٰ نے وعدہ کی مدت پوری کی) اور اس معنوں میں شاعر کہتا ہے

خَلِیْلَیَّ ھُبَّا طَالَمَا قَدْ رَقَدْتُمَا	میرے دونوں دوستو اٹھو بہت سوئے
أَجِدَّ كُمَا لَا تَقْضِیَانِ كَرَاكُمَا	کیا تم جان کر اپنی نیند کو پورا نہیں کرتے۔

(حماسہ باب المراثی)

واجب التعمیل اور ممکن الانکار حکم کے معنوں میں یعنے جن معنوں سے قاضی کا لفظ مشتق ہے اور حاکم کے معنے دیتا ہے خدا فرماتا ہے؛

فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی	قسم ہے تمہارے پروردگار کی وہ مومن نہ بنینگے
یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ	جب تک تمکو منصف نہ بنیں اور جو کچھ تم حکم
ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا	دو اسپر دل سے رضامند نہوں؛
مِمَّا قَضَیْتَ (نسا، پارہ ۵ رکوع ۹)	

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰی مَا جَآءَنَا	ساحروں نے فرعون سے کہا کہ جو نشانات ہمنے
مِنَ الْبَیِّنٰتِ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ط	دیکھے اسپر تمہاری بات کو ترجیح نہیں دیسکتے اب جو چاہو حکم دو۔

(سورہ طہ۔ پارہ ۱۶۔ رکوع ۳)

اسی حاکمانہ حکم کے معنے میں شمیمند رحارثی کہتا ہے؛

فَلَسْنَا كَمَنْ كُنْتُمْ تُصِیْبُوْنَ سَلَّةً	(حماسہ باب الادب)	ہم تم جیسے نہیں ہیں کہ چوری سے کسی کو مار جائیں
فَنَقْبَلُ ضَیْمًا اَوْ نُحَكِّمُ قَاضِیًا		پھر خود ظلم برداشت کرتے پھریں یا کسی حکم دینے والے منصف کو مانیں۔

توجب قضا کے معنے قرآن میں اور کلام عرب میں ایسے احکام کے بھی ہیں جو حکام کی طرف سے جاری ہوں اور اُن کی نافرمانی ہوسکے اور تمام شرعی احکام جو خدا کی طرف سے نازل ہوئے ہیں سب اسطرح کے واجب العمل اور ممکن العصیان ہیں تو کسی ایسے حکم کا قضیٰ کے لفظ سے ذکر کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ مطلب صاف ہے۔ کہ خدا نے یہ حکم دیا ہے مانوگے تو اچھا ہے نہیں تو سزا پاؤگے؛

۴۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ
فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ
يُوزَعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ
أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي (سورہ نمل پارہ ۲۰ رکوع ۷)

یاد کرو جسدن ہم ہر قوم کی جماعتوں کو قبروں سے اُٹھائینگے جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہے اور اُنکو گروہوں میں تقسیم کرینگے جب وہ آئینگے تو خدا کہے گا۔ کیا تم ہی نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا؛

یہاں خدائے تعالےٰ نے کلام کو متکلم صیغوں سے شروع کیا تھا اور آگے قَالَ کہکر غائب کا صیغہ استعمال کر لیا۔ اعتراض کرتے ہیں کہ قُلْتُ چاہیئے تھا قَالَ لکھا گیا جو نامناسب ہے لہذا آیت تام نرہی" یہ اعتراض صرف یہین نہیں قرآن کی بہت سی آیتوں اور عرب کے بیشمار اشعار اور جملوں پر وارد ہو سکتا ہے اس عمل کا نام التفات ہے۔ متکلم سے مخاطب مخاطب سے متکلم۔ مخاطب سے غائب غائب سے مخاطب۔ غائب سے متکلم۔ متکلم سے غائب ضمیرین اور صیغے بدل دینے کا کلام عرب میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا۔ فن بلاغت کی کتابوں میں اس کی ہر شکل کی مثالیں اشعار عرب اور قرآنی آیات سے بکثرت مذکور ہوتی ہیں۔ (ملاحظہ ہو مطول۔ فن معانی۔ بحث التفات) سب قسموں کی مثالیں لکھنے میں طول ہوگا خاص اس شکل کی مثالیں جس میں آیت مذکورہ کی مانند متکلم سے غائب کیطرف انتقال ہے کروس بن زید کے شعر اور اُس کی شرح میں ملاحظہ ہو۔

لَئِنْ فَرِحَتْ بِي مَعْقَلٌ عِنْدَ
شَيْبَتِي لَقَدْ فَرِحَتْ بِي بَيْنَ أَيْدِي
الْقَوَابِلِ أَهَلَّ بِهِ لَمَّا اسْتَهَلَّ
بِصَوْتِهِ حِسَانُ الْوُجُوهِ لَيِّنَاتُ
الْأَنَامِلِ۔ (حماسہ باب اوّل)

اگر میرا قبیلہ معقل میرے پرانے تجربہ کار ہونے سے خوش ہوتا ہے تو کیا عجب ہے۔ وہ جب بھی خوش ہوا تھا۔ جبکہ میں دایہ کی گود میں تھا۔ جب پیدا ہو کر اُس نے (دینے میں نے) آواز نکالی تو بہت سی خوبصورت اور نرم انگلیوں والی عورتیں واہ وا کہہ اٹھی تھیں؛

شارح اس موقع پر لکھتا ہے ؛

اِنْتَقَلَ مِنْ حَدِیْثِ نَفْسِہٖ اِلَی الْغَیْبَۃِ عَلٰی جَرْیِ عَادَتِہِمْ

یہاں متکلم کے صیغہ سے غیبت کی طرف آگیا جو عرب کی عام عادت ہے ۔

۵۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکَاذِبِیْنَ (عنکبوت پارہ ۲۰ رکوع ۱)

ہم نے فتنہ میں ڈالا ان لوگوں کو جو اُن سے پہلے گذرے ہیں پس خدا جان لیگا اُن لوگوں کو جو صادق ہیں اور جان لے گا دروغگوئی کرنے والوں کو

اس آیت پر اعتراض ہے کہ لَیَعْلَمَنَّ (بفتح یا اور بفتح لام) پڑھنے سے جسکے معنے ہیں خدا جان لے گا۔ خدائے علام الغیوب کی نسبت جہل لازم آتا ہے۔ لیُعْلِمَنَّ (بضم یا و بکسر لام) ہونا چاہیئے تھا جس کے معنے ہونگے خدا جتلا دیگا۔ جواب یہ ہے کہ یہاں حقیقت میں نہ خدا کے خود معلوم کرنے کا ذکر مقصود ہے نہ کسی اور کو بتانے کا۔ مطلب یہ ہے کہ سچوں کو بھی بدلا ملیگا اور جھوٹوں کو بھی۔ چونکہ علم سبب اور بدلا اسکا نتیجہ ہے یعنے بادشاہ کو علم ہوتا ہے تو سزا و جزا دیتا ہے اسلئے بدلے کی بجائے علم کا لفظ بول دیا گیا ہے۔ یہ استعمال عام ہے۔ سبب بولکر مسبب مراد لیتے ہیں۔ ہم بچہ کو کوئی شرارت کرتے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں "میں دیکھ رہا ہوں میں دیکھ رہا ہوں" مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمہاری شرارت کا علم ہے مار کھاؤ گے مساور بن مہند اپنے بڑھاپے کی تجربہ کاری اور جوان ہمتی کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے ؛

وَلَتَعْلَمَنَّ ذُبْیَانُ اِنْ ھِیَ اَعْرَضَتْ اِنَّا لَنَا الشَّیْخُ الْاَعَزُّ الْاَکْبَرُ ۔

بنی ذُبیان نے کبھی جنگ میں روگردانی کی تو اسوقت جانینگے کہ ہمارا ایک معزز اور عمر رسیدہ بزرگ بھی موجود ہے "

بنی ذبیان اپنے سردار کو پہلے سے جانتے تھے کہ وہ موجود ہے جس طرح خدا جھوٹے اور سچے بندوں کو پہلے سے جانتا تھا کہ وہ اس قسم کے اعمال کرنے والے ہیں یا کر رہے ہیں۔ پھر جو سردار کہتا ہے کہ وہ کبھی لپسپا ہوئے تو اپنے سردار کو جانینگے اس کا مطلب یہی ہے کہ اپنے علم کا نتیجہ دیکھینگے اور جب اور کسی سے جوانمردی نہو سکیگی تو سردار اپنی تجربہ کاری سے ان کی کامیابی کا رستہ نکالے گا

اسی طرح خدا نے جو فرمایا ہے. کہ وہ صادق و کاذب کو جانے گا. تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب موقع آئے گا تو خدا اپنے علم کا نتیجہ اُن کے آگے دھریگا یعنے سزا و جزا دیگا۔ اس عمل کو مجاز کہتے ہیں. تلخیص المفتاح اور اس کی شرح مطول میں لکھا ہے کہ "تمام فصحا کا اتفاق ہے کہ مجاز اور کنایہ حقیقت اور تصریح سے فصیح تر ہوتا ہے کیونکہ اس میں ذہن ملزوم سے لازم کی طرف جاتا ہے اور دعوے مع ثبوت پیش نظر ہو جاتا ہے (مطول بحث حقیقہ و مجاز فصل چہارم)

قسم سوئم کے اعتراض چند لفظوں کی طرز تحریر پر ہیں مثلاً مُنٰفِقِیْن بغیر الف کے مُنفقین پڑھا جاتا ہے مَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لکھتے وقت لام ہٰؤلاء کے ساتھ یعنے لِهٰؤُلَاءِ کی شکل میں ہونا چاہئے۔ لام جدا لکھنے سے مال کے معنے سمجھے جاتے ہیں. اَیْنَمَا جہاں متصل ہونا چاہئے اَیْنَ مَا لکھا ہے جہان اَیْنَ مَا چاہئے اَیْنَمَا لکھدیا ہے ایسے استعمالوں سے اگر فی الواقع مفہوم قرآن کے سمجھنے میں دشواری پیدا ہوتی ہے جب بھی یہ طرز تحریر کی بحث ہے تحریف قرآن کو اس سے کوئی تعلق نہیں اور شیعہ سُنی میں جو اختلاف ہے، وہ اس رد و بدل کی نسبت ہے جس سے ایک مفہوم کی بجائے دوسرا مطلب سمجھا جانے لگا ہو اور مقصود ہدایت نابود یا ناقص ہو گیا ہو. شیعہ کا عالم گروہ ایسی تحریف کا مدعی ہے اور اہل سنت اس سے منکر مُنٰفِقِیْنَ کو الف کے بغیر لکھنے کے باوجود جب اہل علم دانائے سیاق و سباق مُنٰفِقِیْنَ ہی پڑھتے ہیں اور جاہل ہی جو عبارت کا مطلب نہ سمجھ سکے اُسکے تلفظ میں غلطی کرتا ہوگا تو ایسے الفاظ کی تحریر کو اُس تحریف کے تحت میں کیونکر لایا جا سکتا ہے جو قرآن کا مطلب بدلنے کے لئے عمل میں لائی گئی ہو. بلکہ جب یہ طرز تحریر تمام دُنیا کے ہر گوشہ میں رائج ہے اور کسی ملک کا لکھا ہوا قرآن بھی ان فرو گذاشتوں سے خالی نہیں ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ قرآن کے بارہ میں اُمت محمدیہ نے کیسی احتیاط مدنظر رکھی ہے کہ جہاں طرز تحریر نا مناسب اختیار کر لی گئی ہے اُس کو بھی بدلنے کی جرأت نہیں کی اور حرفوں کو متصل سے منفصل اور منفصل سے متصل کرنے کی مناسب اصلاح بھی نہیں کی گئی تو تحریف کرنے یا جملوں اور آیتوں کو بدلنے اور لفظوں کو حذف کرنے کا حوصلہ کہاں ہوا ہوگا +

پس اگر ہے تو یہ تحریف نہ ہونے کا ثبوت ہے نہ کہ قرآن میں ردوبدل کرنے کا۔ قرآن میں عمداً ردوبدل کرنے یا بے پرواہی سے کچھ لکھ دینے کا ثبوت جب ملتا کہ دنیا کے ایک حصہ میں غلطیاں کی کچھ شکل ہوتی اور دوسرے حصہ کچھ اور اسوقت ثابت ہوتا کہ قرآن کی صحت اور حفاظت کا کسی نے خیال نہیں رکھا۔ مگراب تو قدیم سے قدیم اور جدید سے جدید تحریر دیکھ لو۔ ہر زمانے کی کتابوں میں آیات کا اقتباس پڑھتے چلے جاؤ، ہر جگہ وہی الفاظ ہیں اور وہی طرز تحریر۔ اسکو حفاظت کا ثبوت کہنا چاہیئے یا تحریف کا؟

پھر یہ بھی غلط ہے کہ اس طرز تحریر سے لفظ کے بولنے یا مطلب کے سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ حرفوں کی شکلیں آواز کی نقل اُتارنے کیلئے ایجاد ہوئی ہیں اور حرکات وسکنات کی شکل بھی اسی غرض کیلئے معین ہوگئی ہے کہ بولنے اور سمجھنے میں دشواری نہو۔ الف حرکت فتح کو دراز کرنے کا کام دیتا ہے اسی کام کے لئے کشیدہ فتح ایجاد ہوئی ہے مُنَافِقِیْنَ کو الف کے ساتھ لکھا جائے یا مُنٰفِقِیْنَ کے نون پر کشیدہ فتح بنادیجائے دونوں سے ایک ہی آواز پیدا ہوتی ہے اور قرآن میں چونکہ اعراب (زبر زیر پیش وغیرہ) کا التزام ہوگیا ہے اسلئے کیسا ہی جاہل سے جاہل پڑھنے والا ہو مُنٰفِقِیْنَ کو مُنْفِقِیْن پڑھے گا تو آنکھوں کا قصور یا دل کی شرارت ہوگی لکھنے والے پر الزام نہیں ہاں اعراب کا رواج نہوتا اور معمولی کتابوں کی طرح قرآن لکھا جاتا تو منافقین کو منفقین کی شکل میں لکھنا قصور ہوتا۔ اسی طرح ن کی شکل سے اور تنوین کی دو حرکتوں سے ایک ہی آواز پر دلالت ہوتی ہے لَنَسْفَعَنْ اور لَنَسْفَعاً۔ لِیَکُوْنَنْ اور لِیَکُوْناً دونوں طرح لکھنے سے نون خفیفہ ادا ہوگا اور سمجھنے والے سمجھ لینگے اور سمجھتے آئے ہیں مَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثاً کے یہ معنے کہ "اس قوم کے مواشی بات کو نہیں سمجھتے" محض مذاق ہے جو شخص جانتا ہے کہ عربی میں مال مواشی کو کہتے ہیں اور اس فقرہ کے معنے سمجھ سکتا ہے وہ اتنا بیوقوف نہوگا۔ کہ مواشی کو اس مضمون میں فاعل نہ سمجھے اور فاعل پر ضمہ ہونے کی ضرورت نہ جانے اور کسرہ دیکھتا ہوا مال کو ایک لفظ سمجھے اسی طرح اینما کو متصل لکھو یا منفصل آدمی سے کا چھوٹا یا دل کا شریر نہو اور سیاق وسباق کو سمجھ سکتا ہو تو مطلب سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں۔"

مگر ہاں یہ ہے تحریر کی فروگذاشت اور کاتبین اول نے کی ہے۔ قرآن لکھا ہوا خدا کے پاس سے آیا نہیں حضرت نے اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا نہیں۔ فن کتابت کی ابتدا تھی۔ لکھنے والوں نے جو کچھ سُنا قلمبند کرنے کی کوشش کی۔ کہیں کہیں ایسی شکل بھی پیدا ہو گئی جو بہتر نہ تھی اور بالخصوص "لَاْاَذْبَحَنَّہٗ" کا الف بالکل ہی زائد اور بے مصرف لکھا گیا۔ بعد میں لکھنے والوں نے دیکھا اور نقص کو سمجھا مگر غلطی فن تحریر کی تھی اور عظمت کلام الٰہی کی، ہیاؤ نہ پڑا کہ خط تنسیخ قرآن پر کھینچیں۔ کہا چلو پڑھتے ہوئے درستی کا خیال رکھینگے۔ چنانچہ یہی ہوُا اور اُسوقت سے آج تک کسی مفسّر و مبلّغ نے کسی قاری و تالی نے تحریر کی غلطی سے مطلب سمجھنے اور لفظ کو ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور لفظ کو لکھنے میں بھی سنت قدیم کو نہیں چھوڑا۔ یہ احتیاط ہے سلف و خلف کی اور یہ اسکا نتیجہ ہے کہ کسی زمانے اور کسی ملک کا قرآن کسی لفظ اور کسی حرف میں اور قرآنوں سے متفاوت نہیں۔ اصلاح کی جراءت کیجاتی اور یکے بعد دیگرے لفظوں کو درست کرنے کا دروازہ کھلتا تو خدا جانے آج تک قرآن کی کیا سے کیا شکل بنجاتی؛

میں اس کو کاتبین اوّل کی فروگذاشت کہتا ہوں ایک تو اسلئے کہ کاتبین مابعد کرتے تو غلطی ایسی عالمگیر نہ ہوتی۔ دوسرا اسلئے کہ ان سب اغلاط کا چرچا قدیم سے چلا آتا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت جو روایت ہے کہ مصاحف لکھے جانے کے بعد حضرت عثمان کے سامنے پیش کئے گئے تو آپنے اس میں بعض فروگذاشتیں دیکھیں مگر فرمایا کہ

لَا تُغَیِّرُوْھَا فَاِنَّ الْعَرَبَ سَتُغَیِّرُھَا — ان کو بدلو نہیں عرب خود بدل لینگے۔

اَوْ قَالَ سَتُغَیِّرُھَا بِاَلْسِنَتِھَا — یا فرمایا کہ عرب اپنی زبان سے درست کر لینگے

اس روایت میں بہت کچھ اور کئی طرح سے غور و تامل کیا گیا ہے اور تلاش کیا گیا ہے کہ قرآن میں کون کون مقام ہو سکتے ہیں جن کے اندر حضرت عثمان کو فروگذاشت کا خیال گذرا ہو گا۔ ہر طرف خیال دوڑایا گیا ہے۔ اکثر مقامات کے متعلق بحث و تکرار کے بعد صحت اور درستی کا یقین کیا گیا ہے مگر جس کی تاویل نہیں ہو سکی اور فن کتابت کی فروگذاشت کے سوا کوئی عذر خیال میں نہیں آیا

وہ یہی لَاَاذْبَحَنَّہٗ۔ لَااَوْضَعُوْا اور جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ جیسے دو چار لفظ ہیں جن میں الف یا واو وغیرہ ایک آدھ حرف زائد لکھا جاتا ہے اور پڑھنے میں نہیں آتا (اتقان باب چہل ویکم ذکر تنبیہات بحوالہ ابن اشتہ و ابن انباری وغیرہ) ورنہ اور سب طرح پر قرآن کریم۔ اغلاط سے پاک صحت سے مزین اور ہدایت و ارشاد میں مکمل ہے والحمد للہ

قرآن کریم کی نسبت مرزا احمد سلطان صاحب نے جو کچھ لکھا تھا۔ اس خاکسار نے اپنی سمجھ کے موافق اس میں غور کیا۔ تحریف کی مثال میں جن آیتوں کے نقائص بیان ہوئے معرض بحث میں آئیں۔ تحریف کے متعلق جو ثبوت پیش کیا گیا اس کی تنقید ہوئی صحابہ کرام اور ان کے متبعین پر جو الزام لگایا گیا۔ اس میں فکر کیگئی۔ قرآن کی حفاظت و سلامت کے لئے جو انسانی کوششیں پایۂ ثبوت کو پہنچیں ذکر کیگئیں اور برادران شیعہ کو جس وجہ سے صحابہ کرام کی نسبت بدگمانی ہے اسے تحقیق کرنے کی سعی کی گئی ہم اس تگ و دو کے بعد اگرچہ اس صلہ کی امید نہیں۔ کہ شیعہ بزرگوار میرے ہمخیال ہو جائینگے یا میری تحریر سے امامت و خلافت کی نسبت کسی طرح کے اتحاد و یکجہتی کی طرف آسکینگے مگر ہاں قرآن کریم کے بارہ میں ایک آرزو دل میں رکھتا ہوں اس کی نسبت ایک گذارش پیش کرنے کی جراءت سے باز نہیں رہ سکتا؛

گذارش یہ ہے کہ قرآن کریم کا اسلوب بدیع اور قرآن کریم کی روشن ہدایت ایک اعجاز ہے جو مسلمانوں کے سوا کسی اُمت اور کسی قوم کو دیا نہیں گیا۔ دیگر مذاہب میں سے بعض کے پاس کوئی الہامی صحیفہ موجود ہی نہیں (جیسے مذہب بُدھ) بعض کی آسمانی کتابوں کا بیشتر حصہ دنیا کے پردہ سے نابود ہو چکا ہے (جیسے استاو ژند) بعض کے پاس ایسی کتاب کے کچھ حصے موجود ہیں اور کچھ بے نشان (جیسے وید) اور بعض جو وحی ربانی کے قائم رکھنے کا فخر کرتے ہیں۔ اُن کا خدائی کلام پیغمبر کے اپنے ارشادات اور روایت کرنے والوں کے الفاظ کے ساتھ مخلوط ہو کر خالص الہامی کتاب کے درجہ سے گر گیا ہے (جیسے انجیل) یا ان کی ہدایت کے تمام دفاتر ترجمہ در ترجمہ ہوتے ہوتے ایسے مسخ ہو گئے ہیں کہ ایک صدی کا ترجمہ دوسری صدی کے ترجمہ سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اور اصل کتاب کا اس کی الہامی زبان میں نشان نہیں ملتا (جیسے عہد جدید و عتیق) اور یہی ہونا بھی چاہیئے تھا۔ کیونکہ وہ سب مذاہب ناکمل اور وقتی تھے۔ اور

انکے بعد ایک آفتاب توحید چمکنے کو تھا جس کی روشنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک قائم و دائم رہے چنانچہ یہ فضیلت قرآن کو حاصل ہوئی تھی اور ہوئی کہ وہ خاص الخاص کتابی شکل میں انسانی کلام سے ممتاز رہکر ہر جگہ موجود اور اکثر مسلمانوں کے دلپر منقوش ہے۔ اور اس کی طرز ادا اور اسکی فصاحت و بلاغت سے انسانی فصیح البیانی اور روانی کو کوئی نسبت نہیں۔ آرزو ہے کہ کاش حضرات شیعہ اپنے گھر کے اس اصل شب چراغ کی قدر دانی چھوڑ کر اپنے تئیں مفلس و نادار نہ بنائیں اور اس اعجاز نادر الوجود پر فخر کرنے میں دوسرے بھائیوں کیساتھ برابر کے حصہ دار رہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ علیہم کی جناب میں ان کو شکایت ہو اور جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کی ذات اطہر کو سب سے افضل و برتر ماننے پر اصرار ہو تو اپنے دعاوی کو آیات قرآنیہ کی تفسیر اور فرامین ائمہ کی روایت سے مستند کرتے رہیں اور جواب دینے والوں کے ساتھ بحث و انکار کا شغل جاری رکھیں۔ مگر صحابہ سے کاوش رکھنے کی بنا پر قرآن کریم کی الہامیت سے انکار اور اس کے ادعائی نقائص و اغلاط کے اظہار سے باز رہیں۔ کلام کی بجائے کلیم کو انسانی کوششوں کے آگے عاجز ماننے کا ارتکاب کریں اور دعوے اعجاز کے خلاف مخالفین اسلام کے ساتھ ہمنوا ہو کر اغیار کو خندہ زن ہونے کا موقع نہ دیں۔

بہت سے خاصان خدا نے اپنی عمریں قرآن کریم کی اعجازی حیثیتوں کو نمایاں کرنے میں صرف کر دی ہیں اور تمام وقت معارف و حقائق قرآنیہ کی تلاش میں خرچ کیا ہے ان کی قابل رشک کوششوں کو چشم عبرت سے دیکھیں اور اس کے خلاف اپنی عمر عزیز کو قرآن کے معائب و نقائص کی تلاش میں صرف کرنے پر نادم و پشیمان ہوں اور غور کریں کہ زاد راہ آخرت کے ذکر میں

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامۂ
من نیز حاضر مے شوم تفسیر قرآں در بغل

کا ترانہ گانے والوں کے سامنے اُن کو۔ من نیز حاضر میشوم تردید قرآں در بغل کہنے کا موقع پیش نہ آئے۔ اور فخر کرنے کی بجائے پیشگاہ رب العزۃ میں اشک حسرت بہانے نہ پڑیں؛ والسلام

(۷) باب ہفتم

آزردگی غیر سبب

اہلسنت سے

اب ان الزاموں کو دیکھا جاتا ہے جو صاحب عالم نے بحث تحریر سے فارغ ہو کر اہلسنت پر قائم کئے ہیں جن کی وجہ سے ان کو شیعہ کا خُدا اور رسُول و قرآن اہلسنت کے خدا و رسول اور قرآن سے جُداً نظر آتا ہے ان اعتراضوں کی بُنیاد روایات پر ہے اور اگرچہ ظاہر کر دیا جائیگا کہ الزام محض اُس حاشیہ آرائی سے پیدا ہوتے ہیں جو صاحب عالم نہایت بیباکی سے الفاظ روایت کے ساتھ تضمین کرتے گئے ہیں۔ مگر روایات یہ ہوں یا کوئی اور ان کی نسبت ایک عام قاعدہ کیطرف توجہ دلانے کی ضرورت ہے جس کو اہلسنت ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں۔ روایات کے دفتر بے شمار اور کثیر المقدار مدون ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں تدوین کرنے والے محتاط بھی ہیں غیر محتاط بھی جن لوگوں سے روایت کا سلسلہ مرتب ہوتا ہے۔ ان میں معتبر بھی ہیں ضعیف بھی ہیں اور واضع الحدیث بھی۔ غور کرنے والوں نے ان دفاتر کی چھان بین کی ہے قوت و ضعف کے لحاظ سے ان کی قسمیں مقرر کی ہیں اور بعض بعض کتابوں کو سب سے زیادہ معتبر اور نسبتاً قابل وثوق بھی مانا ہے۔ مگر قرآن کریم کے سوا یہ درجہ کسی کتاب کو نہیں دیا گیا کہ وہ سرتاسر صحیح اور منتج یقین ہو جن کتابوں کو سب سے اعلٰے مانکر صحاح کا لقب دیا گیا ہے ان کی نسبت بھی یہ وثوق نہیں کہ ان کی ہر ایک روایت صحیح اور قابل اعتبار ہے بلکہ مانا گیا ہے کہ ان میں بعض روایات ضعیف بھی ہیں اگرچہ کمتر ہیں اور صحاح اسلئے کہا جاتا ہے کہ اکثر و بیشتر روائیتیں صحیح ہیں (مقدمہ مصطلحات حدیث شیخ عبدالحق محدث دہلوی) اور نیز اس لئے صحاح کہتے ہیں کہ وہ راویوں کو نام بنام ذکر کر دیتے ہیں اُدہر کتب رجال میں ان کے پوست کندہ حالات موجود ہیں۔ دیکھنے والا صحیح اقفیت

پیدا کر سکتا ہے کہ روایت کس پایہ کی ہے۔ اسطریق سے دیکھا گیا ہے کہ خود بخاری و مسلم (علیہما الرحمہ) نے جن راویوں سے احادیث روایت کی ہیں ان میں سے بھی بعض بعض کی نسبت کلام ہے بمسلم کے راویوں میں نسبتہً زیادہ اور بخاری کے راویوں میں کم (نزہتہ النظر بحث اخبار آحاد) اسطرح پر روایتوں کے قوت و ضعف کو دیکھنے کے بعد اگر دو روائتیں باہم متناقض پائی جائیں تو ضعیف کو قوی کے اور قوی کو قوی تر کے مقابلہ میں رد کر دیا جاتا ہے (نزہتہ النظر بحث اعلے الاسانید) اور ان سب کو قرآن پر پیش کیا جاتا ہے اگر کہیں قرآن سے اختلاف نظر آئے تو کیسی قوی روایت ہو مردود سمجھی جاتی ہے (توضیح بحث تعارض)

یہ متفق علیہ اصول ہے اہلسنت کا اور ہر ایک روایت کی تصحیح و تنقید اسی قاعدہ سے ہوتی ہے۔ پس اگر کوئی روایت مفہوم قرآن کے خلاف یا قوی تر روایات سے متناقض پائی جائے تو اس کو اہلسنت کا عقیدہ یا مدار محل قرار دینا غلط ہوگا اور شخص واحد کے سہو و نسیان یا بے احتیاطی سے جس نے ایسی روایت کو درج کتاب کر دیا ہے تمام فرقۂ اہلسنت پر اعتراض وارد نہ ہوگا۔

لہ روایات کا کیا ٹھکانا ہے۔ مولانا احتشام الدین صاحب مرادآبادی نے نصیحتہ الشیعہ میں معتبر کتب امامیہ سے کئی روایتیں نقل کی ہیں جن میں ائمہ اہلبیت کی ذات سے کئی طرح کے نقائص و معائب منسوب کیے گئے ہیں۔ حالانکہ ہمارا ایمان ہے کہ ائمہ علیہم السلام کی ذوات مقدسہ ہر طرح کے معاصی سے پاک تھیں اور یہ بھی امید ہے کہ شیعہ بزرگوار اپنے اعمال و افعال کی بنیاد ایسی روایات پر نہ رکھتے ہوں گے مگر روایت وضع کرنے والوں کی بدباطنی یا درج کتاب کرنے والوں کی بے احتیاطی کا تماشا دیکھنا منظور ہو۔ تو ایسی روایات سے کافی تجربہ ہو سکتا ہے۔ میں یہاں انہی روایات کا نشان دیتا ہوں جن کو میں نے خود سب سے معتبر کتاب کافی کلینی میں دیکھ لیا ہے اور صرف انہی افعال و اقوال کو درج کرتا ہوں جن کی ممانعت بھی شیعی روایات سے ثابت ہو۔

اوّل۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنے بیٹے کے ساتھ حمام میں نہ داخل ہو اور اس کے ستر کو نہ دیکھے اور نیز ارشاد ہے کہ والدین اولاد کے ستر کو اور اولاد والدین کے ستر کو نہ دیکھیں اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حمام

ایک روشن معاملہ سے چشم پوشی

یہ زریں اصول اجمالی جواب ہوسکتا ہے اُن تمام الزامات کا جو کسی روایت کی بنا پر قائم کئے جائیں اب معترض کے الزاموں کو فرداً فرداً دیکھا جاتا ہے اور کوشش کیجاتی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰۔ میں بغیر تہ بند کے ستر دیکھنے والے اور دکھانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ فروع کافی جلد دوئم کتاب الزی والتجمل باب الحمام، مگر (۱) محمد ابن عمر ایک اور راوی کی وساطت سے حضرت امام باقر علیہ السلام کی نسبت بیان کرتا ہے کہ آپ فرماتے تو یہی تھے کہ جو شخص خدا پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو حمام میں بغیر تہ بند کے داخل نہو مگر ایک دن خود حمام میں تشریف لے گئے اور فورہ یعنے بال اتارنے کی دوا لگائی جب لیپ کر لیا تو تہ بند دور کر دیا۔ راوی نے پوچھا۔ کہ میرے ماں باپ قربان ہوں جناب تو تہ بند کی ضرورت پر اصرار فرمایا کرتے تھے اور خود برہنہ ہوگئے ہیں ارشاد ہوا کہ فورہ تمام ستر پر پھیل گیا ہے (۲) ابن ابی عمیر بہت لوگوں کی وساطت سے امام جعفر صادق علیہ السلام کیجانب یہ قول منسوب کرتا ہے کہ کافر کا ستر دیکھ لینا اور گدھے کا جسم دیکھنا برابر ہے یعنے کچھ مضائقہ نہیں (۳) ابی یحییٰ واسطی بعض راویوں کی وساطت سے امام علی نقی علیہ السلام کیطرف منسوب کرتا ہے کہ آگے کے ستر پر ہاتھ رکھ لینا اور برہنہ ہو جانا جائز ہے کیونکہ ایک ستر ہاتھ سے ڈھک گیا دوسرا پیچھے کا ستر جسمانی ساخت کیوجہ سے خود ہی ڈھکا ہوا ہے (سب روایتیں مذکورہ بالا اب میں قریب قریب واقع ہیں۔

دوئم۔ اصول کافی کتاب الایمان والکفر میں ایک باب اَلبَذَا یعنے بدزبانی و دشنام دہی کی مذمت میں قائم کیا گیا ہے جس میں مختلف اسالیب سے دشنام دہی کو شرک شیطان۔ نفاق۔ باعث محرومی جنت اور موجب دخول نار فرمایا گیا ہے۔ مگر دوسرے مقام پر عبد العزیز بن نافع کہتا ہے کہ ایک شخص حضرت جعفر صادق کی خدمت میں آیا کہ میں بنی امیہ کی خدمت میں رہا ہوں مگر جانتا ہوں کہ وہ حقدار امامت نہ تھے۔ اور جو کچھ اُن کے پاس تھا۔ سب آپ کا حق ہے۔ یعنے جو کچھ اُن کے ہاتھ سے لے کر کھایا ہے معاف فرما دیجے آپنے فرمایا ہاں تجھ کو بھی معاف اور جو شخص تیرے جیسی حالت میں ہو۔ اس کو بھی معاف ہے سوہ چلا گیا تو اُس کی ایسی کامیابی دیکھ کر دو شخص اور حضرت کی خدمت میں آئے۔ وہ بھی بنی امیہ کی خدمت میں رہے تھے اُنہوں نے بھی یہی درخواست کی امام جعفر نے فرمایا ہمیں کیا۔ ہم کسی کا کھایا

ہے کہ ان کی واقعی حقیقت پر روشنی ڈالیجائے سب سے بڑا اعتراض بخاری کی ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱ ہوا احرام یا احلال نہیں کرتے وہ دونوں چلے گئے اور امام جعفر کو اب غصہ آیا کہ فَلَمْ یَدْخُلْ عَلَیْہِ اَحَدٌ فِی تِلْکَ اللَّیْلَۃِ اِلَّا بَدَاءَ ہٗ اَبُوْعَبْدُ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ ط (تمام شب کوئی نہیں آیا جس کو ابو عبداللہ جعفر صادق نے گالیاں نہ دی ہوں) اور اس رات امام کے پاس سے کسی کو کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ (اصول کافی کتاب الحجۃ باب الفئی والانفال) - راویوں کی یہ عنایت جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر بھی ہوئی ہے اور آنجناب کے اکثر خطبات کا لب و لہجہ ایسا سخت اور خشمناک رکھا گیا ہے جو اُس قتیل خنجر رضا التسلیم کے تحمل و وقار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ امام جعفر صادق کے سامنے ایک شخص نے کسی مشرکہ عورت کے بیٹے کو ابن الفاعلہ (پسر زانیہ) کہدیا تھا تو حضرت نے تادم مرگ اس سے بات نہ کی تھی (باب البذاء) مگر جناب مرتضیٰؑ کی پاکیزہ زبان سے عمرو بن العاص کے لئے نکلوایا گیا ہے کہ "یہ پسر زانیہ اہل شام کو روز ورغلاتا ہے" (ترجمہ نہج البلاغۃ صفحہ ۹۷) اور کوفہ کے اندر خطبہ کہنے کے اثنار میں ایک موقعہ پر اشعث بن قیس نے عرض کی کہ یہ کلام آپ کے لئے سخت مضر ہے کیونکہ امام کو چاہئے کہ بصیر اور دانا ہو" اور بات یہ تھی کہ منصف مقرر کرنے کے بارہ میں لوگ اعتراض کرتے تھے اور آپ نے ندامت کا اظہار فرمایا تھا کہ ہمنے حزم و احتیاط کو ترک کیا اور ایسے اعتراضوں کا ہونا اُس شخص کی سزا ہے جو حزم و احتیاط کو ترک کرے"۔ اشعث نے ایسا خیال ظاہر فرمانے سے حضرت کو روکنا چاہا تو حضرت علی کے جناب کو غصہ آگیا اور فرمایا "تجھ پر خدا کی لعنت برس رہی ہے لعنت کرنیوالے تجھ پر لعنت کر رہے ہیں اور شریر کے بیٹے شریر انسان۔ اور کافر کے بیٹے منافق"۔

سوئم۔ اصول کافی کتاب الایمان والکفر میں ایک باب ذی اللسانین کا قائم کیا گیا ہے۔ جس میں تبایا گیا ہے کہ ظاہر اور باطن میں تفاوت رکھنے والے اور زبان سے کچھ اور دل میں کچھ اور کہنے والے کو قیامت کے دن آگ کی زبانیں دیجائینگی۔ مگر دوسرے موقع پر بیان ہوتا ہے کہ ایک منافق مرگیا یعنے ایسا شخص جو شیعہ اہلبیت نہیں تھا اگرچہ مسلمان ہوگا کیونکہ اس باب کا عنوان صلوٰۃ علی الناصب ہے اور ناصب اصطلاح شیعہ میں غیر شیعہ کو کہتے ہیں یعنے بیدین۔ غرض تو اس شخص کے جنازہ پر جناب امام حسین علیہ السلام بھی شریک ہوئے آپ کا ایک غلام منافق کی دعائے مغفرت میں شریک ہونے سے نفور ہوا تو آپ نے فرمایا میرے پاس کھڑے رہنا اور جو میں کہوں وہی کہتے جانا۔ چنانچہ جب آپ بظاہر مغفرت مانگنے والوں کے ساتھ شریک ہوئے تو غلام نے آپ کو فرماتے سُنا کہ یا الٰہی اس بندہ پر پیہم ہزار لعنت بھیج اور اسکو اپنے بندوں میں اور اپنے ملکوں میں رسوا کر دوزخ کی آگ میں ڈال سخت عذاب کا مزا چکھا کہ وہ تیرے دشمنوں سے دوستی رکھتا تھا۔ تیرے دوستوں

حدیث پر ہے جس میں لکھا ہے کہ جونیہ یعنے اسماء بنت نعمان بن ابی الجون کندیہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بلوایا ایک باغ میں اتارا اور اسکے پاس آپ تشریف لے گئے۔ اپنی طرف بلایا تو اُسنے بدزبانی کی۔ آپنے اسکو تسکین دینے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ بولی تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ آپنے اسی وقت اُسکو کچھ دلوا کر روانہ کر دیا۔ اسپر اعتراض ہے کہ جونیہ کو اس کارستانی کی خبر نہ تھی کہ کس نے بلایا اور کس لئے بلایا گیا ہے۔ پس ایک اجنبیہ محصنہ کو دھونس دیکر بستی سے الگ ایک تنہا باغ میں بلانا اور اس اجنبیہ کا بغیر قرار داد نکاح کی درخواست سنکر پیغمبر آخر الزمان شہنشاہ عرب کو بالمشافہ مازاری کہہ کر اپنے تئیں بچانا اور باوجود اجنبیہ کے انکار کے افضل المرسلین کا اس کی طرف ہاتھ بڑھانا اور بیت المال سے اجرت دیدار میں رقم خرچ کر دینا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ حضرات شیعہ کے عقائد کے مطابق پیغمبر خدا کو عہدۂ رسالت پر قائم نہیں رہنے دیتیں۔"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲ سے دشمنی رکھتا تھا۔ اور تیرے نبی کی اہلبیت سے بغض رکھتا تھا"

چھٹا ھد جناب علی مرتضی کرم اللہ وجہہ نجوم کے بارہ میں فرماتے ہیں "ایہا الناس تم تعلیم و تعلم نجوم سے پرہیز کرو سوائے اُن چند قواعد کے جو بری اور بحری سفر میں تمہارے کام آتے ہیں۔ کیونکہ یہ علم نجوم کہانت کیطرف دعوت دیتا ہے منجم کی مثال بالکل کاہن کی سی ہے اور کاہن جادوگر اور ساحر ہے۔ ساحر کافر ہے اور کافر کا ٹھکانا جہنم ہے" (ترجمہ نہج البلاغۃ صفحہ ۸۷) مگر معلے بن خنیس امام جعفر صادق سے نجوم کی نسبت دریافت کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ حق ہے مشتری آدمی بنکر زمین پر آیا عجم کے ایک شخص کو نجوم سکھایا اور پوچھا کہ بتاؤ مشتری کہاں ہے اس نے کہا آسمان میں تو نظر نہیں آتا۔ اُسے چھوڑ کر مشتری نے ایک ھندی کو یہ علم سکھایا اور اس سے پوچھا کہ بتاؤ مشتری کہاں ہے۔ اس نے کہا میرے حساب سے تم ہی مشتری ہو۔ یہ کہکر وہ شخص چیخ مار کر مر گیا اور علم نجوم اُسکے خاندان میں متوارث رہا اور جمیل بن صالح ایک اور راوی کی وساطت سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ نجوم صرف ایک خاندان کو عرب میں معلوم ہے اور ایک خاندان کو ہندوستان میں (کتاب الروضہ ص ۱۵۳)

پنجم کتاب النکاح کافی باب مناکحۃ النصاب میں تصریح ہے کہ مومنہ عورت کا نکاح ناصبی یعنی غیر شیعہ سے جائز نہیں مگر خود حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بی بی ام کلثوم بنت فاطمہ کا نکاح حضرت عمر فاروق سے کر دیا اس کا ذکر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کیطرف کیسے شرمناک الفاظ کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے یعنے اِنَّ ذَالِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاہُ (یہ شرمگاہ ہم سے چھین لیگئی) فروع کافی جلد دوئم کتاب النکاح باب تزویج ام کلثوم اور ابراہیم بن محمد اپنے والد کی وساطت سے امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں کہ قمر در عقرب میں سفر یا نکاح کرنیوالا بھلائی نہیں دیکھتا (کتاب الروضہ ص ۱۳۰)

یہ امر فریقین کو مسلّم ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر سے کسی اجنبی عورت کی نسبت ایسا فعل کبھی سرزد نہیں ہوا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اہلسنت یا اُنکے کسی فرد نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کوئی ایسا اتہام منسوب کرنے کی جراءت کی ہے یا نہیں۔ کہنے والے امام بخاری کو مجرم گردانتے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بخاری نے حسب عادت اس روایت کو اختصار کے ساتھ لکھدیا ہے۔ وہ حدیث سے کوئی مضمون استنباط کرتے ہیں تو جسقدر الفاظ اُس مطلب کے ہوتے ہیں درج کر دیتے ہیں۔ اور اسی مضمون کو باب کا عنوان (سرنامہ) مقرر کرتے ہیں۔ اگر اعتراض سے پہلے اُن مقامات کو دیکھنے کی تکلیف گوارا نہ تھی جہاں اہلسنت کی کتابوں میں تمام واقعہ مندرج ہے تو بخاری سے روایت نقل کرتے ہوئے کم از کم باب کے سرنامہ پر نظر ڈالنی دشوار نہ تھی۔ اُس میں عورت کو بالمواجہہ طلاق دینے کا ذکر ہے اور طلاق نکاح کے بغیر نہیں ہو سکتی اور خود اسی روایت سے دو صفحے آگے بخاری نے لاطلاق قبل النکاح کا باب باندھا ہوا ہے ظاہر ہے کہ بیان کرنیوالے کو جونیہ کے ساتھ نکاح ہونے کا علم اور اعتراف ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تنہائی میں ملنا اور ہاتھ بڑھانا اس عورت کی نسبت ہوا ہے جس سے نکاح ہو چکا ہے اسکو بستی سے الگ ایک تنہا باغ میں بلانے کا الزام بھی غلط ہے۔ خود اسی روایت میں موجود ہے کہ ایک باغ کے اندر اُمیمہ بنت نعمان بن شراحیل کے گھر میں اُتارا گیا ہے یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس محلات اور قصور نہیں تھے ایک ایک بی بی کے پاس ایک ایک حجرہ تھا۔ نئی بی بی کو عاریتہً کسیکے گھر میں اُتارنے سے چارہ نہ تھا۔ اس کی قسمت میں یہ شرف ہوتا اور رہتی تو کوئی گز دو گز کا کوٹھا ظاہر میں ذلیل اور باطن میں باغ فردوس کا چمن بنوا دیا جاتا۔ سردست جہاں اُتاری گئی تھی وہاں کوئی علیحدہ حجرہ ہوگا جس میں فرش ہوئی ہوگی اور حضرت بیشک اُس سے تنہائی میں ملے ہونگے۔ مگر کیا شب زفاف میں عورت کو علیحدہ کمرہ میں اتارا نہیں جاتا۔ اور اُس کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے زبان اور ہاتھ سے ایما نہیں کیا جاتا۔ یہ سب مرحلے اسی روایت کو بغور دیکھنے سے طے ہو سکتے تھے۔ مگر یہاں اعتراض مقصود تھا لفظ طلاق کی طرف التفات نہیں کیا گیا۔ الفاظ حدیث کو نقل کرتے ہوئے هَبِي نَفْسَكِ لِي کا ترجمہ ہونا چاہیئے اپنے تئیں میرے سپرد کر دو یعنے تیار ہو جاؤ۔ مگر کہا گیا ہے "مجھے اپنا

نفس ہبہ کردے یعنے نکاح کرلے"۔ اسطرح الزام کی بنیاد قائم کرنے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ذکر کرتے ہوئے اعتراض پر جو نمک مرچ چھڑکا گیا ہے اس سے اہلسنت کی تضحیک کا مقصد تو برآیا مگر نبی کی شان اور اپنے ایمان سے بھی جو بے پروائی کا سلوک ہوا ہے ظاہر ہے۔

واقعہ کو دیکھنا ہوتا تو مدارج النبوۃ میں موجود تھا جہاں اُن تہی دستان قسمت کا ذکر ہے جو شرف صحبت سے محروم رہیں۔ ایک وہ بدنصیب ہے جس نے مفارقت کا اختیار دئے جانے پر علیحدہ ہونا پسند کیا۔ اسکو دیکھا گیا ہے کہ بعد میں کھجور کی گٹھلیاں چُوستی اور گرا پڑا دانہ دُنکا چُنکر کھاتی پھرا کرتی تھی اور کہتی تھی دیکھو یہ وہ کمبخت ہے، جس نے خدا و رسول کو چھوڑ کر دُنیا پسند کی۔ دوسری یہی جونیہ ہے جس کی نسبت مواہب لدنیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"اتفاق ست[1] بر آنکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم او را تزوج کرد و اختلاف کردہ اند در سبب مفارقت او مرا او را۔ پس گفتہ اند قتادہ و ابو عبیدہ کہ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم چون خواند او را بسوئے خود و فرمود بیا نزدیک[2] من ابا آورد آن زن و سرکشی کرد و بعضے گفتہ اند کہ گفت آن زن پناہ مے جویم بخدا از تو۔ فرمود پناہ جستی تو بہ پناہے بزرگ و بتحقیق پناہ داد ترا خدائے تعالےٰ اَلحِقِی بِاَھلِکِ (ملحق شو بکسان خود) و این کلمہ ایست کہ بہ نیت طلاق مے گویند"

اسی ضمن میں آگے چلکر بخاری کی مذکورہ روایت کا ذکر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں

"پس چون در آمد آنحضرت بر وے فرمود مہیا ساز نفس خود را برائے من۔ گفت آیا مہیا سازد ملکہ نفس خود را بر مردم فرومایہ و دراز کرد آنحضرت دست خود را تا بگیرد دست او را

---

[1] اس اتفاق سے شیعہ بھی علیحدہ نہیں ہیں۔ جونیہ کے نکاح کی روایت ان کے ہاں بھی ہے اور ہاتھ بڑھانے اور اعوذ باللہ کہنے کا واقعہ اُس روایت میں ایک اور عورت عامریہ کی نسبت مذکور ہے۔ جونیہ سے مفارقت کرنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ابراہیم ابن رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی وفات پر اُسنے کہا تھا کہ نبی ہوتے تو بیٹا کیوں مرتا۔ (فروع کافی کتاب النکاح باب ذکر ازواج النبی ؐ)

[2] بیا نزدیک من تعالَیِ اَنتِ کا ترجمہ ہے سیرۃ حلبیہ میں قوی تر روایت کے روسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان مبارک کا یہی لفظ ہے"

ساکن گرد و گفت اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ۔ فرمود پناہ جستی تو بہ پناہ گاہے عظیم پس تر بیروں آمد"

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ عورت بد دماغ اور شورہ پشت ہے۔ جس خاندان میں عرصہ تک ریاست اور حکومت رہے، پھر ادبار آجائے اُس کے جاہل افراد کی یہی کیفیت ہوا ہوا کرتی ہے کہ بات کو سہار نہیں سکتے۔ کسی کے ماتحت ہو کر رہنا پسند نہیں کرتے اور جھونپڑیوں میں محلوں کے خواب دیکھا کرتے ہیں۔ کوئی ان کی مفروضہ عزت و شان کا خیال نہ رکھے اور تعظیمی کلمات سے گفتگو نہ کرے تو جھنجھلا پڑتے ہیں۔ یہی حالت اس عورت کی ہے۔ بنی کندہ قبیلہ سے ہے جو بنی قحطان کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ قدیمی عرب اور مشہور شاہان یمن کی نسل سے ہونے کے باعث اپنے تئیں بنی اسماعیلؑ سے اعلیٰ سمجھتے اور اپنی گذشتہ جبروت و جلال پر نازاں تھے۔ (تاریخ تمدن اسلامی جرجی زیدان۔ جلد چہارم انساب عرب)

یہ عورت بلقیس ملکہ سبا کی ہم قوم ہونے کے سبب سے اپنے تئیں اسی کا ہم رتبہ سمجھتی ہو گی اور آنحضرت کو سلیمانؑ جیسا بادشاہ سمجھ کر جنکے محل میں حوض کے اوپر بلور کا فرش تھا۔ نکاح میں آئی ہو گی یہاں شہنشاہ اقلیم باطن کو ظاہر میں گدائے دلق پوش کی صورت پایا۔ دل کی آنکھیں روشن نہ تھیں عیش پرستی کی ہوس خاک میں ملگئی ادہر حضرت نے بی بی سمجھکر بی بیوں کی طرح بلایا۔ اَبَیْتِ اللَّعْنَ[1] کہہ کر خطاب نہ کیا جل گئی اور بھونڈا جواب دیا جضرت نے ہاتھ بڑھایا تو عورت تھی ڈر گئی ہو گی۔ بوکھلاہٹ میں دوسری بات کہی تو وہ بھی نے تکی حضرت نے سمجھ لیا۔ کہ بے تمیز ہے، طلاق دیدی۔ کہ جاؤ جس کو اپنے لائق سمجھو اس سے شادی کرلو"

واقعہ کی صورت یہ ہے اس میں غور کرنے کے بعد بالعموم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سلوک عورتوں کے ساتھ اور احکام رسالت پناہی مستورات کے بارہ میں جو اہل سنت کی کتابوں میں درج ہیں دیکھے جائیں تو بات اور بھی صاف ہو جاتی ہے۔ بیعت کے وقت مرد کا ہاتھ پکڑا جاتا ہے عورتوں سے بیعت لینے کے وقت حضرت نے اُن کا ہاتھ کبھی نہیں پکڑا (ترمذی باب بیعۃ النساء) روایت ہے کہ کسی عورت کو جو ملکیت میں نہو حضرت نے

[1] یہ عرب کا قدیم شاہانہ سلام ہے یعنے تمکو قابل لعنت اور ناپسندیدہ حرکات سے اجتناب رہے"

ہاتھ سے کبھی مس نہیں کیا (بخاری جلد چہارم باب بیعۃ النساء) فرمایا ہے کہ مرد عورت کے پاس شب باش نہو۔ مگر اس صورت میں کہ نکاح ہو چکا ہو یا وہ محرم ہو (مسلم باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیۃ) جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ عورت کو ناگہاں دیکھنے کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ تو ارشاد ہوتا ہے کہ آنکھیں نیچی کر لو (مسلم باب نظر الفجاءۃ) ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بعد کوئی فتنہ ایسا عظیم نہیں جیسا عورتوں کا فتنہ مردوں کے لئے (مسلم باب فتنۃ النساء) نابینا شخص گھر میں آتا ہے تو حضرت ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ نہیں تو تم تو دیکھتی ہو (ترمذی باب احتجاب النساء) ایام اعتکاف میں مسجد کے اندر ام المؤمنین صفیہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں جانے لگتی ہیں تو دو انصاری وہاں سے گذرتے ہیں اور ام المومنین کو دیکھ کر جلدی سے ہٹ جانا چاہتے ہیں حضرت انکو ٹھہرا کر بتاتے ہیں کہ یہ بی بی صفیہ ہیں وہ عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ معاذ اللہ ہم حضور کی جناب میں بدگمانی کر سکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ نہیں شیطان انسان کے اندر خون کی طرح رواں ہے۔ مبادا انکو کوئی وسوسہ گذرتا اسلئے بات بتادی۔ (مسلم کتاب الآداب) ابو سعید رضی خدری فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم باکرہ عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے (بخاری مسلم ترمذی) حضرت کے اخلاق کا سوال ہوتا ہے تو بی بی عائشہ فرماتی ہیں تمنے قرآن نہیں دیکھا۔ جو کچھ قرآن کا حکم ہے وہی حضرت کا سلوک اور عمل تھا (مسلم باب صلوۃ اللیل)۔

جن کتابوں میں حضرت کی نسبت ایسی روایتیں موجود ہیں کیا انہی میں ایسی روایت بھی ہو سکتی ہے کہ چند آدمیوں کے ساتھ ایک اجنبی عورت کے پاس تشریف لے جائیں ساتھ والوں کو باہر بٹھا کر خود تنہا اسکے پاس پہنچیں اور ہاتھ سے مس کرنے کی کوشش کریں! نہیں تمام الزام سراسر غلط اور سرتاپا بہتان ہے۔ روایت کے الفاظ حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ واقعہ کی تفصیل معاملہ کو واضح کرتی ہے اور حضرت کا تمام طرز عمل اس الزام کے خلاف شہادت دیتا ہے۔ اور سب کچھ اہلسنت کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے۔ باوجود اس کے جو لوگ کچھ کا کچھ بنا کر اہلسنت کو بدنام کرنے کے لئے ناپاک الفاظ میں نامناسب حرکات جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کیجانب منسوب کرتے ہیں خدا اُن کو ہدایت دے۔ اس ذکر میں معترض کے قلم سے ایک جملہ بہت معنے خیز نکلا ہے۔ وہ اجرت دیدار کے

بازاری لفظ سے ذاتی ضرورت کے لئے بیت المال کی رقم خرچ کرنے پر اعتراض کرتے ہیں
سوال ہوتا ہے کہ باغ فدک جسکے فرضی دعویداروں کے گواہان چست مقدمہ کی اپیل سے
آج تک دست بردار نہیں ہوتے کیا حضرت کی موروثی جائداد تھا۔ یا حضرت نے کسی طرح کی محنت
مزدوری سے حاصل کیا تھا؟ جو ترکہ کے طور پر آپ کے ورثا میں تقسیم ہوتا وہ بھی تو ملک گیری و کشور
ستانی کی مہمات میں اسی طرح حاصل ہُوا تھا جس طرح بیت المال کا تمام خزانہ اور اُس پر
حضرت کا قبضہ و تصرف اسی قسم کا تھا جیسا دیگر شاہی اموال و املاک پر۔ پس اگر سلطنت کا
تمام سامان سرکار کا مال ہے تو سب کچھ اغراض ملکی میں خرچ ہونا اور توریث و حصہ کشی سے
پاک رہنا چاہئے اور یہی ہُوا ہے اغراض ملکی میں حاکم وقت کی ذات اور اُس کی ضرورتیں
بھی داخل ہیں و خدمت سلطنت کی بجالائے تو ضرورتوں کا سرانجام کہاں سے کرے۔
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرمانروا کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ خزانہ شاہی سے اولاد امجاد کا
خرچ نکالتے تھے اُسی سے ازواج مطہرات کا۔ آنحضرت کے وصال پر جو حاکم وقت قرار پایا تمام
ذمہ داریوں کے ساتھ ہر قسم کا انتظام بھی اسی کی تحویل میں آیا خاندان نبوت کا صرف پہلے
جس آمدنی سے لیا جاتا تھا پھر بھی وہیں سے ہوتا رہا۔ نہ جویریہ کا مہر بیت المال سے ادا کرنا
خلاف قانون ہے نہ جناب فاطمہ زہرا اور دیگر متعلقین حرم سرا کا املاک سرکاری سے
پرورش پانا۔ فدک کو وارثانہ حصہ کشی سے پاک رکھنا حق بجانب تھا اور جناب فاطمہ زہرا
کا حصہ نہ ملنے سے ملول ہونا سراسر بہتان ہے مسئلہ ایسا صاف ہے کہ قوانین ملک داری سے
مس رکھنے والا انکار نہیں کر سکتا۔ اور علم نبوت کی وارثہ بنت الرسول معاذ اللہ ایسی نادان نہیں
ہو سکتیں کہ املاک سرکاری اور جائداد ذاتی کا تفاوت نہ سمجھیں"!

باغ فدک کی گل چینی

ضمناً فدک کا ذکر آگیا ہے مناسب ہوگا کہ شیعی روایات اور شرعی قانون سے بھی
اسپر روشنی ڈالی جائے۔ فدک غزوۂ خیبر کے بعد تسخیر ہوا ہے اور حسب روایات اہلسنت
جنگ خیبر میں اہل اسلام کی شاندار کامیابی دیکھ کر فدک والے صلح کرنے پر مجبور ہوئے
(تاریخ طبری و ابوالفداء) شیعی روایات میں اس مہم کو اعجازی رنگ دیا گیا ہے اور کہا
گیا ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم مع حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے وہاں

تشریف لے گئے اور شیر خدا کا رعب اس پر ایسا غالب ہوا کہ ہتھیار ڈالنے کے سوا چارہ نہ دیکھا۔ اور شریعت اسلامیہ کے رو سے یہ اور ایسی اور جائدادیں جو بغیر لشکر کشی کے تصرف اسلام میں آئیں اُن کا جمع و خرچ صرف رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے۔ خدا فرماتا ہے:

مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (حشر پارہ ۲۸ رکوع ۱)

"جو کچھ خدائے تعالےٰ اپنے رسول کو گاؤں والوں کی طرف سے پہنچاتا ہے وہ خدا کا مال ہے۔ قرابت داروں کا یتامی مساکین اور مسافروں کا مال ہے"

چنانچہ حضرت زمانۂ حیات میں ایسی جائدادوں سے عیال کا نفقہ نکال کر باقی ضروریات دین میں صرف فرماتے رہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی خلیفہ اول و ثانی کے عہد میں ان کے زیر اہتمام اسی طرح سے صرف ہوتا رہا۔ شیعہ ایسی جائدادوں کی نسبت قریب قریب یہی مذہب رکھتے ہیں کہ تا حیات وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قبضۂ تصرف میں رہنی چاہیئے تھیں اور رہیں اور ان کا صرف بھی انہی وجوہ پر ہونا چاہیئے جو قرآن میں بتایا ہے۔ صرف یہ تفاوت ہے کہ یتامی و مساکین اہلسنت کے نزدیک عام ہیں اور شیعہ خاص خاندان اہلبیت کے یتامی و مساکین کو حقدار سمجھتے ہیں (روایت سلیمان بن قیس عن امیر المومنین علیہ السلام اصول کافی کتاب الحجہ باب الفئی)

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر جو انتظام ان جائدادوں کا ہونا چاہیئے تھا۔ اس کی نسبت شیعہ روایتوں میں تین طرح کے خیال ظاہر کئے گئے ہیں۔

۱۔ بعض روایتوں میں ان کو میراث رسول کہا گیا ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِىْ عَبْدِ اللّٰهِ (فِىْ اَثْنَاءِ حَدِيْثِهٖ) عَنْ اَبِىْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ قَالَ ظَلَمَانَا حَقَّنَا فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ وَمَنَعَا فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ مِيْرَاثَهَا مِنْ اَبِيْهَا۔
کتاب الروضہ صفحہ ۵۰ ۱۸۸۶ء

"ایک حدیث کے اثناء میں عبد الرحمن حضرت جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں کہ ابو بکر و عمر نے ظلم کیا۔ کہ ہم کو ہمارا حق نہ دیا جو قرآن کے رو سے ملنا چاہیئے تھا اور فاطمہ علیہا السلام کو اُن کے والد بزرگوار کے ترکہ سے محروم رکھا"

۲- بعض روایتوں میں ان کو حق امام کہا گیا ہے

عَنْ حَفْصِ بْنِ الْبُخْتَرِيِّ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ الْاَنْفَالُ مَالَمْ يُوْجِفْ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ اَوْ قَوْمٌ صَالَحُوْا اَوْ اَعْطَوْا بِاَيْدِيْهِمْ وَكُلُّ اَرْضٍ خَرِبَةٍ وَبُطُوْنُ اَوْدِيَةٍ فَهُوَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَهُوَ لِلْاِمَامِ مِنْ بَعْدِهٖ يَضَعُهٗ حَيْثُ يَشَاءُ (اصول کافی کتاب الحجہ باب الفئ)

حفص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ فتوحات جن پر گھوڑوں اور اونٹوں سے حملہ نہیں ہوا یا کسی قوم نے مصالحت میں پیش کی ہیں یا اپنے ہاتھ سے دیدی ہیں اور تمام ویرانے اور دریاؤں کے برآمدہ قطعے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضۂ تصرف میں ہیں اور آپ کے بعد امام کے تصرف میں ہیں۔ جہاں چاہے صرف کرے

۳- ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے وصال پر کسی جدید انتظام کی ضرورت ہی نچھوڑی گئی تھی۔ بلکہ آنحضرتؐ نے تمام ایسی جائداد پر جو بغیر لشکر کشی کے تصرف میں آئی تھی اپنے زمانۂ حیات میں جناب خاتون رضی اللہ عنہا کو قبضہ دیدیا تھا۔ اور جناب زہرا کے کارندے اس پر متعین ہو گئے تھے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَسْبَاطٍ قَالَ لَمَّا وَرَدَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْمَهْدِيِّ رَاٰهُ يَرُدُّ الْمَظَالِمَ فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَا بَالُ مَظْلِمَتِنَا لَا تُرَدُّ فَقَالَ لَهٗ

علی بن اسباط کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مہدی عباسی کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ غصب کردہ حقوق کو واپس کر رہے ہیں۔ امام نے فرمایا یا امیر المومنین[1] ہمارا غصب کردہ حق کیوں واپس

[1] تعجب ہے کہ امام مفروض الطاعۃ جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام مہدی عباسی کو جو غاصب امامت ہے۔ امیر المومنین کہہ کر خطاب کرتے ہیں حالانکہ عمر بن ظاہر امام جعفر صادق سے دریافت کرتا ہے کہ امام مہدی آخر الزمان کو امیر المومنین کہہ کر خطاب کیا کرینگے تو امام فرماتے ہیں۔ "ہرگز نہیں۔ امیر المومنین صرف حضرت علی کا خطاب ہے آپ سے پہلے کسی کا یہ خطاب نہیں ہوا۔ اور آپ کے بعد بھی کافر ہوگا جو یہ خطاب اختیار کرے گا (اصول کافی کتاب الحجت باب نادر) مگر آہ تقیہ ایسی سپر ہے جس سے کلمات کفر پر رضامندی کی مہر لگانے سے بھی کوئی ہرج واقعہ نہیں ہوتا۔ ان روایات پر کیونکر اعتماد ہو۔ یہی امیر المومنین کا لفظ احمد بن عمر سمجھنا چاہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ امیر المومنین کیوں کہتے ہیں۔ تو بیچارہ راوی گویا امام موسےٰ کاظم علیہ السلام کو معاذ اللہ

وَمَا ذَاكَ يَا اَبَا الْحَسَنِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَمَّا فَتَحَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ فِدَكَ وَمَا وَالَاهَا لَمْ يُوْجَفْ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ فَلَمْ يَدْرِ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ هُمْ فَرَاجَعَ فِيْ ذَالِكَ جِبْرَئِيْلَ وَرَاجَعَ جِبْرَئِيْلُ رَبَّهٗ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ اَنِ ادْفَعْ فِدَكَ اِلٰى فَاطِمَةَ فَدَعَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ فَقَالَ يَا فَاطِمَةُ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَدْفَعَ اِلَيْكِ فِدَكَ فَقَالَتْ قَدْ قَبِلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْكَ فَلَمْ يَزَلْ وُكَلَاؤُهَا فِيْهَا حَيٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَمَّا وُلِّيَ اَبُوْبَكْرٍ اَخْرَجَ عَنْهَا وُكَلَاءَهَا (اصول کافی کتاب الحجہ باب الفیٔ)

نہیں ملتا۔ اس نے پوچھا وہ کیا فرمایا کہ جب حقتعالے نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر فدک اور اس کے مضافات کو بغیر لشکر کشی کے کھول دیا۔ تو خدا نے یہ حکم نازل فرمایا کہ قرابت داروں کو ان کا حق دو آنحضرت نے سمجھا نہیں کہ اس سے کیا مراد ہے جبرئیل سے پوچھا اور جبرئیل نے خدا سے پوچھا پھر وحی ہوئی کہ فدک فاطمہ زہرا علیہا السلام کو دیدو۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب خاتون جنت کو بلایا اور کہا کہ خدائے تعالے نے مجھے حکم دیا ہے کہ فدک تم کو سپرد کردوں۔ جناب زہرا نے فرمایا کہ میں نے خدا کا اور آپ کا عطیہ قبول کیا اس کے بعد حضرت خاتون جنت کے کارندے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اس پر متعین رہے جب ابوبکر حاکم بنے تو انہوں نے حضرت خاتون جنت کے کارندوں کو وہاں سے نکالدیا۔

یہ تمام روایتیں ایک دوسرے کی تکذیب کرتی ہیں۔ اگر فدک کو ورثہ قرار دیا جائے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال پر ازواج مطہرات اور خاتون جنت سب کو حصہ ملنا چاہئے تھا۔ اگرچہ ازواج کا حصہ ثمن (آٹھویں حصہ) سے زیادہ نہیں مگر اتنی بڑی ریاست جس کی حدود اربعہ کوہ اُحد سرحد مصر۔ سمندر اور دومۃ الجندل

بقیہ صفحہ ۱۱۰۔ جاہل بنانا چاہتا ہے کہ انکی طرف سے جواب دیتا ہے لَا نَدْرِی یَمِیْنُ الْعِلْمِ (کیونکہ وہ علم کی خوراک دیتے ہیں) اصول کافی کتاب الحجہ باب نادر) حالانکہ عربی پڑھنے والے بچے بھی جانتے ہیں کہ امیر کا اشتقاق امر سے ہے جس کے معنے حکم دینے کے ہیں نہ کہ میرہ سے جسکے معنی ہیں غلہ بہم پہنچانا۔ میرہ کا وصفی صیغہ مائر ہو سکتا ہے۔ امیر کسی قاعدہ سے نہیں بنتا۔

(روایت علی بن اسباط اصول کافی (کتاب الحجہ باب الفئ) بیان کیجاتی ہیں اُسکا آٹھواں حصہ بھی گراں قدر ہو گا مگر ازدواج کا حصہ نہ دینے کی شکایت کسی حامی انصاف نے نہیں کی۔ اگر جناب فاطمہ زہرا کو بحکم خداوندی اُس جائداد کا قبضہ حیات رسول علیہ السلام میں دیدیا گیا تھا۔ تو جناب خاتون جنت کے بعد آپکی تمام اولاد اور اولاد کی اولاد۔ مرد عورت سب حقدار تقسیم تھے۔ نیز آپ کے شوہر حضرت علی کے ایسے حصہ میں سے آپ کی وہ اولاد جو فاطمی نہیں ہے اپنے اپنے حصہ پر بطور مالک کے قابض ہونی چاہئے تھی اور شکایت یہ ہوتی کہ خلفا نے حضرت خاتون جنت سے اُنکی مقبوضہ ریاست چھین کر اتنے شخصوں کو اپنے جائز ورثہ سے محروم رکھا مگر الفئ والانفال کا تمام باب دیکھ ڈالو تمام روایات میں صرف امام کو حقدار اور متصرف مانا گیا ہے اور بنی فاطمہ یا اولاد شیر خدا کے بطور ورثہ قابض ہونے کی ضرورت کہیں ظاہر نہیں کی گئی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ الزام قائم کرنے کے لئے اگرچہ بعض روایات میں اس کو حضرت فاطمہ زہرا کا حق کہا گیا ہے اور جناب خاتون جنت اور حضرت صدیق اکبر کی بحث و تکرار کو نہایت اہتمام سے بیان کیا گیا ہے اور ورثہ کے ثبوت میں جناب زہراءؑ کی زبان سے وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ کی سند بھی پیش کی گئی ہے مگر جو کچھ جناب صدیق اکبر نے فرمایا تھا شیعی روایات اسی کی تائید کرتی ہیں اور آیت قرآنیہ کا مطلب بھی خود ہی ظاہر فرما دیتی ہیں۔

ابی البختری امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے۔

اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَذَالِكَ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَاِنَّمَا اَوْرَثُوْا اَحَادِيْثَ مِنْ اَحَادِيْثِهِمْ فَمَنْ اَخَذَ بِشَيْءٍ مِّنْهَا فَقَدْ اَخَذَ حَظًّا وَّافِرًا	علما انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے درہم و دینار کا ورثہ نہیں چھوڑا اُنہوں نے صرف اپنی احادیث کا ورثہ چھوڑا ہے۔ جس نے ان میں سے کچھ لیا بڑا عظیم الشان حصہ پایا۔

(اصول کافی کتاب فضل العلم باب صفتہ العلم)

قداح ایک طویل حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے:

اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ اِنَّ	علما انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیا نے دینار

اُلْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَلٰکِنْ اَوْرَثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَ مِنْہُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ (اصول کافی کتاب فضل العلم باب ثواب العالم والمتعلم)

درہم کا ورثہ نہیں چھوڑا ہوں نے علم کا ورثہ چھوڑا ہے۔ جو اس کا حصہ لے اُس نے بہت کچھ لیا۔

مفضل بن عمر حضرت امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے۔

اِنَّ سُلَیْمَانَ وَرِثَ دَاؤُدَ وَمُحَمَّدًا وَرِثَ سُلَیْمَانَ وَاِنَّا وَرِثْنَا مُحَمَّدًا وَاِنَّ عِنْدَنَا عِلْمُ التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالزَّبُوْرِ وَتِبْیَانُ مَا فِی الْاَلْوَاحِ قَالَ قُلْتُ اِنَّ ھٰذَا ھُوَ الْعِلْمُ قَالَ لَیْسَ ھٰذَا ھُوَ الْعِلْمُ اِنَّ الْعِلْمَ الَّذِیْ یَحْدِثُ یَوْمًا بَعْدَ یَوْمٍ وَسَاعَۃً بَعْدَ سَاعَۃٍ (اصول کافی کتاب الحجۃ باب ان الائمۃ ورثوا علم النبیؐ)

حضرت سلیمان جناب داود کے وارث ہوئے اور حضرت محمدؐ سلیمانؑ کے وارث ہوئے اور ہم حضرت محمد الرسول اللہ کے وارث ہوئے ہمارے پاس توریت انجیل زبور کا علم ہے۔ اور الواح موسی کی تفسیر ہے راوی نے عرض کی کہ علم سے یہی مراد ہے۔ فرمایا صرف یہی نہیں علم ان تمام امور کا جو ہر روز اور ہر گھڑی واقع ہوتے ہیں؛

ضریس الکناسی کہتا ہے میں امام جعفر صادق کی خدمت میں تھا آنجناب کے پاس ابو بصیر بھی حاضر تھا امام نے فرمایا

اِنَّ دَاؤُدَ وَرِثَ عِلْمَ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ سُلَیْمَانَ وَرِثَ دَاؤُدَ وَاِنَّ مُحَمَّدًا وَرِثَ سُلَیْمَانَ وَاِنَّا وَرِثْنَا مُحَمَّدًا وَاِنَّا عِنْدَنَا صُحُفُ اِبْرَاھِیْمَ وَاَلْوَاحُ مُوْسٰی فَقَالَ اَبُوْ بَصِیْرٍ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْعِلْمُ فَقَالَ یَا اَبَا مُحَمَّدٍ لَیْسَ ھٰذَا ھُوَ الْعِلْمُ اِنَّ الْعِلْمَ

داؤد علم انبیا کے وارث ہوئے سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور ہمارے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سلیمان کے وارث ہوئے اور ہم رسول کریم علیہ السلام کے وارث ہوئے ہمارے پاس ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اور موسے علیہ السلام کے الواح ہیں۔ ابوبصیر نے عرض کی کہ علم یہی ہیں فرمایا اے ابومحمد علم صرف یہی نہیں تمام واقعات

مَا يَحْدُثُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ يَوْماً بِيَوْمٍ وَسَاعَةً بِسَاعَةٍ (ایضاً)　　علم جو رات کو اور دن کو روز بروز اور ساعت بہ ساعت واقع ہوتے ہیں "۔

ان تمام روایتوں میں جو مسئلہ فدک سے خالی الذہن ہونے کیحالت میں بیان کی گئی ہیں حق الامر زبان پر جاری ہوگیا ہے۔ یہ بات اور ہے کہ فضیلت ائمہ میں مبالغہ کرنے کا شوق غالب آیا ہے تو اُن کو خدا سے ملا دیا اور ذرہ ذرہ کا علم بخشدیا۔ حالانکہ قرآن میں رسول علیہ السلام کی زبان سے کہوایا گیا ہے :

قُلْ مَا اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ۔ (احقاف پارہ ۲۶ رکوع ۱)　　اے محمد کہدو مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے کیا سلوک اور تم سے کیا ہوگا۔

وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ (انعام پارہ ۷ رکوع ۵)　　اور میں غیب نہیں جانتا۔

مگر اس مبالغہ سے قطع نظر اس صداقت میں کلام نہیں کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ذات خداوندی سے علم حاصل کرنے اور اس علم کی روشنی اور معرفت کا ورثہ لوگوں تک پہنچانے کے لئے دُنیا میں آتے ہیں درہم و دینار کو متاع الدُنیا قلیل سمجھ کر اس طرف راغب نہیں ہوتے تو دوسروں کے واسطے چھوڑ جانے کا خیال کیونکر کرسکتے ہیں۔ تمام انبیا نے اپنے اپنے پیشروؤں سے اور سلیمان[1] نے داؤد سے یہی علم کا ورثہ پایا ہے تو ختم المرسلین (صلوات اللہ وسلامہ علیہ و علی آلہ) جو دنیا کو اپنی طرف منسوب کرنا بھی پسند نہیں فرماتے اور دُنیاکُم (تمہاری دُنیا) کہہ کر خطاب کرتے ہیں (فروع کافی کتاب النکاح باب اول روایت حفص بن البختری)، ملکیت اور جائداد کا پیدا کرنے کی طرف توجہ کیونکر فرماتے اور اپنے وارثوں کے لئے حطام دُنیا کا اہتمام کس طرح کرسکتے تھے۔ آنجناب کا ورثہ بطریق اولیٰ نکات معرفت اور لوامع ارشاد وہدایت ہونے چاہئیں جو استحقاق وراثت پیدا کرنے والوں کو ملے اور ہمیشہ ملے رہینگے۔ فدک تو کیا روم و شام بھی ترکہ میں دیا جاتا تو اولاد و احفاد میں تقسیم در تقسیم ہوتا ہوا کبھی کا نابود ہوچکا ہوتا۔ علم کا ورثہ وہ دولت ہے کہ جس میں توفیق ہو وہ جسقدر چاہے حاصل کرسکتا ہے اور دوسروں کے حصہ میں کمی نہیں آتی۔

ہاں رسُول ہو یا رسُول کے جانشین جو لوگ تمام عمر اور عمر کا تمام وقت تبلیغ وہدایت اور سرانجام مہمات خلائق میں صرف کریں ان کے بسر اوقات کی سبیل بھی

[1] اگر سلیمان نے داؤد کے مال و دولت کا ورثہ پایا ہوتا تو قرآن میں اسکو اہتمام سے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ داؤد کے اور بیٹے بھی تھے اور سلیمان بیٹے تھے باپ کا فرزند جیسی وراثت کے حقدار ہوتے ہیں۔ سلیمان داؤد کی بالخصوصیت سلیمان کے وارث ہونے کا ذکر ہی اسلئے ہوا ہے کہ اُن کا ورثہ خاص تھا جو باپ کی طرف سے ملا یعنے منصب نبوت و ہدایت۔

ہونی چاہیئے تھی۔ زکوٰۃ عشر و خراج وغیرہ سے ضروریاتِ عوام اور مصارفِ نظم ونسق پورے کئے۔ مالِ غنیمت ان کا حصہ ہُوا جو سر فروشی سے حاصل کریں تو جو شخص اس خرچ کو گھمانے والا اور تمام پرزوں کے افعال و نتائج کی نگرانی رکھنے والا ہو اس کی اور اس کے متعلقین کی صورتِ معاش بھی معین ہونی چاہیئے تھی خصوصاً جبکہ متعلقین بھی سب کے سب خدمتِ دین میں مصروف اور مہماتِ جہانبانی میں مددو معاون ہوں تو تلاشِ معاش کے لئے کیونکر وقت نکال سکتے ہیں۔ مالِ غنیمت کا ایک خمُس اس مصرف کیلئے رکھا گیا۔ مگر غنیمت ہمیشہ حاصل ہونے کی چیز نہیں۔ جہاد خاص حالات میں فرض ہوتا ہے ہمیشہ اور بے وجہ جاری نہیں رہ سکتا۔ دوسری مد اُن جائدادوں کی رکھی جن کی تسخیر میں محض رعبِ سلطنت نے کام دیا ہے اور لوگوں کو زحمت کشی اور جانبازی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

خمُسِ غنیمت اور ایسی آمدنی سے رسول اور قرابت دارانِ رسول کو نفقہ دینے اور باقی غربا میں تقسیم کرنے کا حکم ہُوا ہے تو دونوں جگہ فرمایا یوں گیا ہے کہ وہ خدا کا ہے وہ رسُول کا ہے وہ قرابت داروں کا ہے وہ غربا وغیرہ کا ہے!

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی

خدا کو مال ومنال کی کیا ضرورت۔ رسُول کی مختصر زندگی کے لئے دائمی حکم دینے میں کیا مصلحت؟ کوئی چیز کسیکی ملکیت میں دینی ہوتی ہے تو اُس کا محاورہ اور ہے صدقہ کا ذکر آیا ہے۔ حکم ہُوا ہے اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ صدقہ فقرا کے لئے ہے خدا اور رسول کا ذکر نہیں۔ وراثت کی نسبت ذکر ہوا ہے فرمایا گیا ہے ثُمن بیوی کے واسطے ہے سُدس ماں باپ کے واسطے ہے باقی اولاد کے واسطے ہے۔ یہاں بھی نہ خدا کا حصہ بتایا ہے۔ نہ رسول کا مگر یہ جائداد پہلے خدا اور رسول کے واسطے ہے۔ پھر اوروں کے واسطے بملکیت بخشنے کا یہ محاورہ نہیں تو اس کا مطلب اور آیتوں میں دیکھو۔ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اِن سب چیزوں کے خدا کے واسطے ہونے کا یہی مطلب ہے کہ سب کچھ اسی کی مخلوق ہے اور سب پر اسیکا حکم جاری ہے۔ اِس

جائداد کو بھی جب خدا کے واسطے کہدیا گیا تو اور کس کی ملکیت ہو سکتی ہے۔ ہاں حکم خدا کے موافق رسُول کی زیر نگرانی مصارف مذکورہ میں صرف ہوتی رہے۔ چنانچہ زمانہ رسُول علیہ السّلام میں یہی ہوا۔ خلافت راشدہ میں یہی عمل جاری رہا اور یہی اِن تمام روایات سے مستنبط ہوتا ہے جنہیں ائمہ اہلبیت نے اِس کو امام وقت کی تفویض میں دیا ہے اور ملکیت نہیں سمجھا۔

پس الفاظ حکم قرآنی اور روایات ائمہ کو دیکھ کر اسبارہ میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا کہ اموال مذکورہ کی نسبت مالکانہ تقسیم و حصہ کشی کا حکم نہ تھا۔ جانشین رسُول کی زیر نگرانی نہ صرف بنی فاطمہ بلکہ تمام قرابت داران رسُول اور دیگر مستحقین میں تقسیم کرنے کی ہدایت تھی۔ سوال باقی یہ رہتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کار خاص کے لئے آپ کا قائمقام کون ہونا چاہئے تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ جو شخص رسُول علیہ السّلام کے بعد آپ کے اور تمام حقوق و اختیارات پر قابض ہو اسی کے سر پر یہ بار بھی ڈالا جانا چاہئے۔ شیعی روایات میں امام کا عام لفظ مذکور ہے اس سے حاکم وقت مراد لیا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ امام ان کے نزدیک بارہ بزرگواروں کے سوا کوئی ہو نہیں سکتا اس لئے ان کے خیال میں اس جائداد کا اہتمام ائمہ اہلبیت کو ملنا چاہئے تھا۔ مگر دوسری جانب یہ بھی ظاہر ہے کہ ائمہ اہلبیت جو امامت و خلافت کا کوئی اقتدار نہ رکھتے تھے حکومت و ریاست سے محروم تھے بلکہ امامت کا دعوے بھی نہایت اخفا کے ساتھ اپنے خاص ہوا خواہوں کے حلقہ میں کر سکتے تھے ورنہ عوام کے سامنے اور خصوصاً حکام وقت کے حضور میں امامت سے[1] صاف انکار اور اطاعت کا اعتراف کرتے تھے ایسے مستور الحال گوشہ نشینوں کو حکام وقت امام کیونکر تصوّر کر سکتے تھے۔ اور ایک بڑی ریاست کا انتظام اُن کی تحویل میں کیونکر دے سکتے تھے اور اگر ان میں سے کسیکو یہ انتظام تفویض بھی ہوتا تو انتظامی اختیارات کہاں سے لاتے۔ اور دیگر قرابت داران رسُول جو اُنکے خاندان سے نہ تھے بلکہ خود امام حسن علیہ السّلام کی اولاد جو اکثر عقائد میں اُنکے مختلف اور خود امامت و خلافت کے لئے ساعی رہتے تھے انکے اہتمام پر رضامند کیونکر ہو سکتے

---

[1] ملاحظہ ہو امام جعفر صادق علیہ السلام و منصور عباسی کا مکالمہ (کتاب الروضہ صفحہ ۱۰)۔ اور امام جعفر صادق اور زیدیہ فرقہ والوں کا مکالمہ (بروایت سعید سمان۔ اصول کافی۔ کتاب الحجتہ باب ما عند الائمہ)

یہ بزرگوار تو ایک طرف جناب علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ اور عم رسول حضرت عباس بن عبد المطلب کی مشترکہ درخواست پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ انتظام دونو کو تفویض کیا مگر چچا بھتیجے میں اتفاق نہ رہ سکا اور کچھ عرصے کے بعد جھگڑتے ہوئے حضرت عمر کے پاس پہنچے اور چچا نے غصّے میں بھتیجے کو سخت سست بھی کہا (مسلم کتاب الجہاد باب الفئ) ان کی درخواست اس جھگڑے میں جیساکہ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں یہ تھی کہ جائداد کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے تا ایک حصہ کا انتظام حضرت علی کو سپرد رہے۔ اور دوسرے کا حصہ عباس کو اور دونو اپنے اپنے حلقہ میں قرابت دارانِ رسول کے کفیل رہیں حضرت عمر نے فرمایا۔ کہ جو انتظام رسول علیہ السّلام کے زمانے میں تھا۔ اس کو بدلنا ممکن نہیں تم انتظام نہیں کرسکتے۔ تو چھوڑ دو میں کوئی اور سبیل پیدا کردوں گا۔ مگر عمل وہی ہوگا جو زمانۂ نبوت میں ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ وہی ہوا۔ اور وہی مناسب اور حق بجانب تھا۔ اور شیعہ کو بھی وہی مناسب اور حق بجانب سمجھنا چاہئے اسلئے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت میں بھی اس انتظام میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا۔ اور حضرت علی کے بعد جب امام حسن علیہ السلام نے زمانۂ خلافت سے ہاتھ اُٹھایا ہے۔ اور امیر معاویہ برسرِ کار آئے ہیں تو آپنے ورثہ کے متعلق کسی خاص انتظام کا معاہدہ نہیں کیا۔ ورنہ اگر حضرت علی کے زمانے میں کوئی اور مناسب انتظام ہو جاتا۔ یا حضرت امام حسن معاہدہ کے وقت اُس کے متعلق شرائط کا تصفیہ فرمالیتے تو امام جعفر صادق ابوبکر و عمر کے وقت سے اپنے زمانہ تک ظلم شیخین کے جاری رہنے کی شکایت نہ کرتے اور نہ فرماتے کہ اُن کا ظلم آجتک جاری چلا آتا ہے (کتاب الروضہ صفحہ ۵) اگر وہ انتظام ظلم تھا تو حضرت علی کے وقت اور امام حسن کے معاہدہ میں قائم نہ رہنا چاہئے تھا۔ اگر قائم رہا ہے تو جو کچھ تھا ظلم نہ تھا بجا و مناسب تھا۔

بیتابی عشق کا ناموزون ترانہ

ایک اعتراض یہ ہے کہ روایات اہلسنت کے مطابق حضرت عائشہ کے حسن و عشق میں بقول فاروق و اُم سلمہ پیغمبر خدا کا دل پر اختیار نہ تھا۔ اس کی بنیاد حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کے بیان پر ہے جس کا قصہ خود حضرت عمر کی زبان سے بخاری کی کتاب النکاح اور مسلم کی کتاب الطلاق میں مذکور ہے۔ آنجناب فرماتے ہیں کہ بیوی سے میرا کچھ تکرار ہُوا میں خفا ہُوا کہ میرے سامنے بولتی ہو۔ انہوں نے کہا (بروایت بخاری) کہ خود رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپ سے تکرار کیا کرتی ہیں۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ خود تمہاری بیٹی آنحضرت سے تکرار کیا کرتی ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں۔ کہ مجھے سخت اندیشہ ہُوا۔ اسی وقت حفصہ کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ کیا تم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے تکرار کرتی ہو اور آنجناب کو ناراض کر دیتی ہو کہا ہاں میں نے کہا کیا ڈرتی نہیں ہو کہ رسول خدا کے غضب سے خدا ناراض ہو گا۔ اور تم ہلاک ہو جاؤ گی حضرت سے کچھ نہ مانگو۔ نہ کسی بات میں تکرار کرو اور نہ آپ سے کلام کرنی چھوڑو۔ اور جو ضرورت ہو مجھ سے مانگو۔ اپنی ہمسائی کی کی ریس نہ کرو وہ تم سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اور رسول خدا کو زیادہ محبوب ہے۔ اس کو بخاری کے الفاظ ہیں:

لَا يَغُرَّنَّكِ اِنْ كَانَتْ جَارَتُكِ اَوْضَاءَ مِنْكِ وَاَحَبَّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛

تم دھوکا نہ کھانا۔ اگر تمہاری ہمسائی تم سے زیادہ خوبصورت۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے۔

مسلم کی روایت میں ہے:

لَا تَغُرَّنَّكِ هٰذِهِ الَّتِيْ قَدْ اَعْجَبَهَا حُسْنُهَا وَحُبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِيَّاهَا۔

تم کو وہ عورت دھوکے میں نہ ڈالے جو اپنے حسن پر اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے منظور نظر ہونے پر نازاں ہے؛

ان الفاظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیطرف اشارہ ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر میں ام سلمہ کے پاس گیا کہ ان سے میری قرابت تھی انہیں نصیحت کی تو بولیں کہ ابن خطاب تم ہر بات میں بول پڑتے ہو۔ حتے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔ مجھے سخت رنج ہُوا اور چلا آیا۔ پھر حضرت عمر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو حفصہ کے پاس جانے اور ان کو سمجھانے کا قصہ انہی الفاظ میں بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں حفصہ سے کہہ آیا ہوں کہ اپنی ہمسائی کی ریس نہ کرنا۔ وہ تم سے زیادہ خوبصورت

اور رسُول خدا کو زیادہ محبوب ہے۔ آنحضرت یہ سُنکر تبسّم فرماتے ہیں؛

یہ قصّہ ہے اور یہ اسکے الفاظ ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم راہبانہ اور مجرّدانہ زندگی بسر نہیں فرماتے۔ اہل وعیال رکھتے ہیں بیوی بچّے رکھتے ہیں اور جیسا انسان کا تقاضائے فطرت ہے بیوی بچّوں سے اور بچوں کی اولاد سے محبّت رکھتے ہیں اُن کی خوشی سے خوش ہوتے ہیں اُن کے رنج پر رنجیدہ ہوتے ہیں کوئی عزیز مرتا ہے تو غمگین ہوکر آبدیدہ بھی ہوجاتے ہیں۔ زبان سے کلمات تاسّف بھی ادا فرماتے ہیں۔ کسیکی روش پسند خاطر ہوتی ہے تو مسرور ہوکر تحسین فرماتے ہیں کوئی بات ناگوار ہوتی ہے تو اس سے کبیدہ خاطر بھی ہوتے ہیں[۱]۔ غرض دُنیا میں تاہّل اور

[۱] حضرت کا ارشاد ہے کہ سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کا سلوک گھر والوں سے اچھا ہو۔ اور میرا سلوک گھر والوں کے ساتھ تم سب سے اچھا ہے (ابن ماجہ وترمذی) سکونی بوساطت امام جعفر صادق رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ عورت ایک گڑیا ہے جسکو ملجائے وہ ضائع نہ کرے (کافی کتاب النکاح باب اکرام الزوجہ) امام جعفر صادق فرماتے ہیں مِنْ اَخْلَاقِ الْاَنْبِيَاۤءِ حُبُّ النِّسَاۤءِ (عورتوں کی محبّت پیغمبری اخلاق ہے (کافی کتاب النکاح باب حُبُّ النِّسَاء) حضرت انس کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے عیال پر آنحضرت سے زیادہ شفیق نہیں دیکھا (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم) حضرت فرماتے ہیں کہ فاطمہ میرا لخت جگر ہے۔ جو چیز اس کو ناپسند ہو مجھے بھی ناپسند ہے اور جو بات اسے ایذا دے اس سے مجھے بھی ایذا ہوتی ہے (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم) آنحضرت خطبہ پڑھتے ہیں اور سامنے جناب حسنین علیہ السلام بھاگتے ہوئے پھسل پڑتے ہیں حضرت بذات خود منبر سے اُترکر اُنکو اُٹھاتے ہیں اور فرماتے ہیں خدا نے درست فرمایا۔ کہ مال اور اولاد فتنہ ہے یہ گر پڑے مجھ سے صبر نہ ہوسکا خطبہ چھوڑکر اُن کو اُٹھایا (ترمذی وابوداؤد) جناب ابراہیم ابن رسول اللہ کی حالت نزع میں حضرت آبدیدہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چشم گریاں ہے۔ دل غمگین ہے اور اے ابراہیم ہم تیرے فراق پر تاسف ہیں (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم) حضرت بیت الخلا میں جاتے ہیں ابن عباس وضو کے واسطے پانی رکھتے ہیں۔ آپ آکر دریافت فرماتے ہیں۔ . . . .
. . . . کس نے رکھا معلوم ہونے پر ابن عباس کو دعا دیتے ہیں اَللّٰھُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔ یا الٰہی ان کو دین کا تفہم عطا فرما۔ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ آنحضرت باکرہ عورت سے زیادہ حیادار تھے اور کوئی امر آپ کو ناگوار ہوتا تھا۔ تو آنجناب کے چہرہ مبارک سے معلوم کرلیتے تھے (شمائل ترمذی)۱۲

عیالداری کے اندر جو کیفیتیں انسان کے دل پر گذر سکتی ہیں حضرت کو ان سب سے سابقہ پڑتا ہے اور جب رسول فرشتہ نہیں بشر ہے تو سابقہ پڑنا بھی چاہیئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان سب حالات کے اندر دوسرے انسانوں کو جو طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے اس کی ہدایت کیونکر ہوتی اور مجرد و بے تعلق نبی کی مثال عیالداروں کی رہنمائی کیا کرتی۔ ایک خادم اوروں کی نسبت زیادہ مزاج شناس ہے۔ ایک عورت دوسری عورت کی نسبت زیادہ خدمت گذار ہے تو انسان کا دل دونو کو یکساں کیونکر سمجھ سکتا ہے اور ایک کو دوسرے کی نسبت اچھا ماننے سے باز کیونکر رہ سکتا ہے۔ یہ معاملات سب کو پیش آتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے موقع پر بد اور نیک یا بہتر اور بہترین اشخاص سے برتاؤ کرنے کا طریق معلوم ہو حضرت کے بھاری عیالدار ہونے اور لمبے چوڑے کنبہ کی خبر گیری کرنے سے اور ہر شخص کے ساتھ برتاؤ رکھنے کی شکلوں سے یہ سب عُقدے حل ہوتے ہیں۔

جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں ابو موسے کہتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول علیہ السلام کو جب کبھی کسی مسئلہ میں مشکل پیش آئی ہے تو ہم نے جناب صدیقہ سے دریافت کیا ہے اور ہمیشہ اُن کے پاس سے کافی معلومات حاصل ہوئے ہیں (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی) اور حضرت کا ارشاد ہے کہ ایک لحاف میں میرے ساتھ کوئی بیوی ہو تو اسی وقت وحی نازل نہیں ہوتی مگر عائشہ کے ساتھ ایک لحاف میں ہونے کے وقت وحی کا القا ہوتا رہتا ہے (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم) پہلی روایت سے جناب صدیقہ کے فضائل علمیہ کا ثبوت ملتا ہے تو دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر اُن کی اپنی ہستی ایسی فنا ہوتی تھی کہ جو توجہ خدا کیطرف تنہائی میں اور جو صفائے قلب علیحدگی میں رسول خدا کو پیغام ربانی اخذ کرنے کے لائق بناتی ہے جناب صدیقہ کا ہمخواب ہونا اس میں کوئی تفاوت پیدا نہیں کرتا تھا۔ یہ خلوص عقیدت۔ یہ فرط محبت اور مدارج فنا فی الرسول کا کمال جناب صدیقہ کے سوا کسی کو حاصل نہ تھا علاوہ جمال ظاہری کے جناب صدیقہ کی یہ شان ہے اور تجربہ کی بات ہے کہ اگرچہ ظاہری حسن انسان کے دل پر اثر کرتا ہے لیکن محبت اور فریفتگی اسی حسین سے پیدا ہوتی ہے جس حسن کے علاوہ کوئی دل کو کھینچنے والی ادا بھی ظاہر ہو۔ اور اُس کے اوضاع و اطوار کا کوئی کرشمہ دِل میں چٹکی لے۔ شیعہ صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے بارہ میں کچھ ہی عقیدہ

رکھیں مگر اتنا غور کریں کہ اگر حالات یہ ہیں اور اگر جناب صدیقہ کا دل و دماغ ایسا طیب وطاہر واقع ہوا ہے تو کونسی انسانی طاقت ہے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو جناب صدیقہ کے سب سے برتر اور اپنے نزدیک سب سے عزیز سمجھنے کے خیال سے باز رکھ سکے۔ اسیقدر اہلسنت کا عقیدہ ہے اور یہی مطلب جناب فاروق اعظم کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کی ریس نکرو جو تم سے زیادہ خوبصورت ہے اور رسول خدا کو زیادہ عزیز ہے۔

اگر اعتراض میں دلپر اختیار نرہنے سے یہ مراد ہے کہ آنکھوں سے آفتاب کو آفتاب اور ماہ تاب کو ماہتاب دیکھتے اور سمجھتے ہوئے اس کے خلاف خیال کرنے اور دونوں کو یکساں جاننے کا اختیار نہیں تو بیشک درست ہے۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جناب صدیقہ کے اوصاف ومحامد کو دوسروں سے اعلےٰ سمجھنے اور اسوجہ سے اُنکو عزیز جاننے میں مجبور تھے۔ بدیں معنی بیشک جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو عائشہ کی محبت میں دلپر اختیار نہ تھا۔ مگر محاورہ میں بالعموم دلپر اختیار نہ رہنے کے معنے یہ نہیں ہوتے اور یہ لفظ عیب چینی اور بدگوئی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے اور جب کہا جاتا ہے کہ دلپر اختیار نہیں رہا تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ محبت میں نیک وبد کی تمیز نہیں رہی اور انسان اپنے محبوب کے لئے جادہ اعتدال سے منحرف اور دوسرونپر کسی طرح کا ظلم روا رکھنے کے لئے آمادہ ہو سکتا ہے یہ روش قابل اعتراض ہوتی ہے مگر روایات سے آنجناب کے بارہ میں ایسے سلوک اور ایسے میلان قلب کا کوئی اشتباہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے خلاف رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا مروی ہے کہ الٰہی جہانتک میرا اختیار ہے میں بیویوں کے ساتھ مساوی سلوک رکھتا ہوں مگر دل کا میلان اور محبت جسکا مالک میں نہیں بلکہ تو ہے۔ اسپر مجھے ملامت نہ کیجو۔ (مشکوٰۃ باب القسم بحوالہ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ ودارمی)۔ مرض الموت میں آنحضرت روزانہ دریافت فرماکر جس بیوی کی نوبت ہوتی تھی۔ اس کے گھر میں شب باش ہونے کے لئے تشریف لیجاتے تھے حتے کہ آخر میں سب ازواج نے بالاتفاق حضرت کو اپنی اپنی نوبت سے معافی دی تو باقی دن حضرت عائشہ کے حجرہ میں گذارے (مشکوٰۃ باب القسم بحوالہ بخاری) سفر میں کسی حرم کو ساتھ لیجانے کی ضرورت ہوتی تھی تو اُسوقت بھی اپنے اختیار سے انتخاب

نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ قرعہ اندازی سے جسکا نام نکلتا تھا۔ اسیکو شرف ہمرہی عطا ہوتا تھا (بخاری کتاب النکاح و مسلم کتاب العلم) ایسی سختی کے ساتھ مساوات کی پابندی رکھنے کی روایات کو مانتے ہوئے۔ کیونکر الزام دیا جاسکتا ہے کہ اہلسنت کے نزدیک عائشہؓ کی محبت میں رسول خدا کو دلپر اختیار نہ تھا یعنے معاذ اللہ جادۂ اعتدال سے منحرف ہو جاتے تھے؟

احکام صیام کی نسبت غلط فہمی

ایک اعتراض یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم "بیخودی میں بحالت صوم حضرت عائشہؓ کی زبان "چوستے تھے۔ اس اعتراض میں غور کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ آنحضرت کے گھر میں جو بیویوں کی کثرت تھی اُس کی واقعی ضرورت اور مصلحت خدا کے سوا کسیکو معلوم نہیں۔ انسانی غور و تامل جسقدر پتہ لگا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے اگر محض حظ نفس مطلوب ہوتا تو اُس زمانے کی رسم۔ آنحضرت کے اثر اور لوگوں کی عقیدت و فدویت کی وجہ سے جسقدر تعداد چاہتے حسین سے حسین اور نوجوان سے نوجوان عورتوں کی مہیا ہو سکتی تھی مگر ایسا نہیں ہوا اور سوائے جناب صدیقہ کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی باکرہ عورت سے شادی نہیں کی۔ باقی سب بیوگان تھیں جن میں سے بعض عیالدار اور صاحب اولاد بھی تھیں۔ پس حضرت نے اُن کو اپنی خدمت میں لے کر ایک تو کسی نہ کسی شکل میں اُن کی دلجوئی خبر گیری اور ان کے عیال کی پرورش کا بار اپنے اوپر لیا ہے اور دوسرا فائدہ کثرت ازواج کا یہ ہوا ہے کہ زن و شوہر کے تعلقات کی تعلیم اور ایک سے زیادہ بیویوں اور ان کی اولاد کے ساتھ برتاؤ کرنے کے فقہی اور اخلاقی احکام در آنحضرت کی اپنی مثال اکثر و بیشتر ازواج مطہرات ہی کی وساطت سے اُمت تک پہنچی۔ بحالت صوم عائشہ کی زبان چوسنے کے اعتراض میں "بیخودی" کے لفظ کا اضافہ ہمارے مہربانوں کا انعام ہے اور جب اُن کے نزدیک بخاری و مسلم کی روایات میں بزعم خود پیغمبر کی توہین پاکر خلفاء ثلثہ پر لعنت ملامت کرنا حق بجانب ہے اور ایک قصور پر سب کو پکڑ لینے میں کوئی بے انصافی نہیں (صفحہ ۳۰ کتاب مذکور) تو خواہ غیر مودب الفاظ رسول کریم ہی کی نسبت استعمال کرنے پڑیں اہلسنت کو دل آزاری کا انعام دینے کی کوشش کیوں نہ کریں۔ ہم اس لفظ "بیخودی" کو جسکا روایات

میں کوئی نشان نہیں عطا ہوئے تو بلقائے تو کہہ کر علیحدہ کر دیں تو روزہ کے اندر منکوحہ بیوی کا بوسہ لینے یا زبان چوسنے کا فقہی مسئلہ رہجاتا ہے۔ ازواج مطہرات میں سے مسلم اور ترمذی میں بی بی عائشہ بی بی حفصہ اور بی بی ام سلمہ (رضی اللہ عنہن) تینوں امہات کی روایت سے یہ مسئلہ مذکور ہے۔ ابو داؤد میں جس کے الفاظ پر اعتراض ہے روایات ذیل ہیں۔ ابو ہریرہ رضہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے روزہ کیحالت میں عورت کے جسم سے جسم کو مس کرنے کی نسبت دریافت کیا تو حضرت نے اجازت دیدی۔ ایک اور شخص نے یہی مسئلہ دریافت کیا۔ تو اُسے منع فرمایا جسکو منع فرمایا وہ جوان تھا اور جسکو اجازت دیدی وہ بوڑھا تھا حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے روزہ کیحالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا۔ پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آج ایک بڑا فعل سرزد ہو گیا ہے یعنے روزہ میں بوسہ لیا ہے۔ آنحضرت نے ارشاد کیا کہ روزہ میں منہ کے اندر پانی ڈالکر کُلّی بھی تو کر لیتے ہو۔ اس میں کیا مضائقہ ہے حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ آنحضرت روزہ کیحالت میں بوسہ لیتے تھے اور بدن کے ساتھ بدن کو مس فرمالیتے تھے مگر اپنے دلپر قابو رکھنے کی طاقت حضرت کے برابر کسی میں ہے۔ بی بی عائشہ کی دوسری روایت میں بوسہ لینے اور زبان چوسنے دونوں باتوں کا ذکر ہے۔ مسلم میں ایک روایت ہے کہ عمر بن ابی سلمہ نے آنحضرت سے روزہ کیحالت میں بوسہ لینے کا حکم پوچھا ارشاد ہوا کہ ام سلمہ یعنی اپنی والدہ سے پوچھو۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت ایسا کر لیا کرتے ہیں۔ عمر بن ابی سلمہ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ جناب کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا بخدا میں تم سے زیادہ ڈرتا اور اسکی نافرمانی سے اجتناب کرتا ہوں مطلب یہ ہے کہ رسولخدا خدا کی مغفرت پر یقین رکھنے کیوجہ سے ایسی جرأت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ یہ فعل بذاتہ جائز اور ناقابل اعتراض ہے اور جسطرح روزہ میں پانی پینا منع ہے مگر مضمضہ کرنے اور منہ میں پانی لینے کی اجازت ہے اور جب تک پانی کا قطرہ حلق سے نہ اُترے پانی کی نم منہ میں رہنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اسیطرح عورت سے مجامعت کرنے کی ممانعت ہے مگر اور قسم کے لوازم محبت کی اجازت اسی دلیل سے دیگئی ہے کہ پانی منہ میں بھر لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو لب سے لب یا زبان سے زبان کے مس ہونے میں کیا مضائقہ ہے۔ ہاں اپنے نفس پر

قابو نہ ہو اور اس فعل سے بے اختیار ہو کر روزہ کے فاسد کرنے تک پہنچنے کا احتمال ہو تو باز رہنا چاہئے۔ یہی حکم شیعی روایات سے ثابت ہوتا ہے عورت کے جسم کو مس کرنے کی نسبت پوچھا گیا۔ تو امام جعفر صادق نے فرمایا جوان کے لئے مکروہ ہے مبادا انزال نہ ہو جائے ایک روایت میں بوسہ کی نسبت پوچھا گیا۔ تو امام موصوف نے فرمایا میرے اور تمہارے جیسے بوڑھوں کو مضائقہ نہیں لیکن جوان اور پر جوش آدمی کی نسبت اندیشہ ہے۔ (کتاب الصوم کافی باب الصائم یقبل او یباشر) اور اسی شرط کا اظہار بی بی عائشہ نے کیا ہے اور فرمایا ہے کہ حضرت کو اپنے نفس پر سب سے زیادہ اختیار حاصل تھا اور ایسے فعل سے روزہ کے فسخ ہونے تک پہنچنے کا اندیشہ نہ تھا۔ امت مرحوم کی سہولت اور حکم شرعی کی تشریح پر جو روشنی آنحضرت کے اپنے فعل سے پڑ سکتی ہے وہ اور طرح ممکن نہیں پس ان حالات کا اظہار کر دینے سے حکم شرعی کی توضیح اور حضرت کے اپنے نفس پر قابو رکھنے کا اظہار ہوا یا معاذ اللہ عالم بیخودی اور جوش جنون کا؟

سخت گیری پر فخر بیجا

ایک اعتراض بی بی عائشہ کو "غیر مردوں کا ناچ" دکھانے پر ہے۔ یہ حدیث خود ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی زبان سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ حبشی لوگ مسجد میں چھوٹے نیزوں سے کھیلتے تھے حضرت نے اپنی چادر سے پردہ کیا اور اپنے شانہ مبارک پر سے مجھے اُن کے کرتب دکھائے۔ میں چھوٹی عمر کی لڑکی تھی اور بچوں کو ایسی باتوں کا شوق ہوتا ہے (مشکوٰۃ باب عشرۃ النسا) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ یہ واقعہ آیۂ حجاب اترنے سے پہلے کا ہے اور بیشک اس حدیث میں بی بی عائشہ اپنے تئیں جاریہ حدیثۃ السن یعنے چھوٹی عمر کی لڑکی کہتی ہیں اور جناب صدیقہ حضرت کی حرم سرا میں حاضر ہوئی ہیں تو نو سال کی عمر تھی اور بروایت صحیح ہجرت کا آٹھواں مہینہ تھا (سیرۃ حلبیہ جلد ثالث ذکر ازواج النبی) اور ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم ہجرت کے پانچویں سال میں نازل ہوا ہے (مدارج النبوۃ وقائع سال پنجم از ہجرت) اگر یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد ہوتا تو بی بی عائشہ اسوقت پندرہ سال کی ہو چکی ہوتیں اور عرب جیسے گرم ملک میں اس عمر کی عورت پوری جوان ہوتی ہے نہ کہ لڑکی۔ قرین عقل یہی ہے

کہ یہ واقعہ آیہ حجاب اُترنے سے پہلے کا ہے مگر باوجود اس کے حضرت چادر سے پردہ کرتی ہیں اور جو تماشا دکھاتے ہیں وہ ناچ نہیں حبشیوں کا فن جنگ ہے۔ اور عائشہ جیسی مخدرہ کو اُس کے دکھانے کی ضرورت ہے کہ انہیں آنحضرت کے ہمرکاب ہیبت انگیز یورشوں میں جانا ہے اور اس مصنوعی جنگ کے بعد شمشیر زنی اور نیزہ بازی کے سچے مناظر دیکھنے ہیں اور کبھی ضرورت پڑے تو اپنی حفاظت یا دین کی حمایت میں خود ہی شمشیر بکف ہونے کا احتمال ہے۔ ایسی زندگی اختیار کرنے والے کے طفلانہ تماشے بھی نیزہ بازی کے ہونے چاہئیں۔ یہ کیفیت ہے اُسواقعہ کی جسکو غیر مردوں کا ناچ کہا گیا ہے۔ یہ اعتراض کچھ عرصہ پہلے کیا جاتا تو کسیقدر موزوں ہی تھا جبکہ ہندوستانی شرفا عورتوں کو نقد و جنس کی طرح گنبدہائے مقفل میں بند رکھنے پر فخر کرتے تھے اور ان کو کسی طرح کی راحت پانے اور فرحت و انبساط کا لطف اٹھانے کی مستحق نہ جانتے تھے۔ مگر اب جبکہ عورتوں کے اندر ایسی ہی انسانی روح کے موجود ہونے پر یقین ہوتا جاتا ہے۔ جیسی مردوں کو دی گئی ہے بلکہ اُن کے آزادانہ حقوق پر اس سے بھی زیادہ زور دیا جانے لگا ہے جسقدر اسلام نے عطا فرمائی ہیں تو اسوقت ایک لڑکی کو ایسا تماشا دکھانے پر اعتراض جو ایک طرح سے مفید اور ضروری بھی ہے طبعی سخت گیری پر بیجا فخر کرنے کا نتیجہ ہے"

تکفیر انبیا کا اتہام صریح

ایک اعتراض یہ ہے کہ "اکثر اہلسنت و جماعت پیغمبروں کے آباؤ اجداد کے کفر کے علاوہ پیغمبروں کے کفر کے بھی قائل و معتقد ہیں"۔ اس کی دلیل میں جو عبارت تفسیر کبیر کی لکھی گئی ہے اسمیں خود بعض الناس اور معترض کے اپنے ترجمہ میں بعض لوگ کا لفظ موجود ہے اور آگے ایسا خیال رکھنے والے کلبی اور سُدی دو شخصوں کا نام ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت نبوت سے پہلے اپنی قوم کے دین پر تھے۔ حیرت ہے کہ دو شخصوں نے جمہور اہلسنت کے خلاف ایک خیال ظاہر کیا ہے۔ تو بجائے ان کی غلطی تصور کرنے کے "اکثر اہلسنت وجماعت" کو کیونکر مطعون کیا جا سکتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کا دروازہ اہل سنت نے کھولا ہے نہ شیعہ نے۔ خود قرآن کریم کے اندر سورہ والضحیٰ میں وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ کا لفظ آیا ہے یعنے خدا نے ضال پایا اور ہدایت عطا کی۔ تفسیر کبیر میں

اس کی تحقیق شروع کی ہے تو پہلے اُن لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس لفظ کے سمجھنے میں دھوکا کھایا۔ اور رسولخدا کیطرف معاذاللہ کفر کو منسوب کیا معترض کے مطلب کی بات تھی اسقدر حصہ نقل کر لیا اور اسمیں بھی بعض کی بجائے اکثر کو معطوف کرنے کی جراٗت کی۔ ورنہ آگے مطلب صاف تھا۔ اور ان ضعیف اقوال کے بعد امام رازی نے صراحت کر دی ہے؛

وَاَمَّا الْجُمْهُوْرُ مِنَ الْعُلَمَاءِ فَقَدِ اتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا كَفَرَ بِاللهِ لَحْظَةً وَّاحِدَةً

جمہور علما کا اتفاق ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک لحظہ کیلئے بھی کفر کا ارتکاب نہیں کیا۔

پھر وَوَجَدَكَ ضَالًّا کی تفسیر میں بیس معنے مع اسناد بیان کئے ہیں اور فرقہ اہلسنت کیجانب سے صاف اعلان کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کبھی کفر و معصیت کا ظہور نہیں ہوا۔

تفسیر سراج المنیر میں تفسیر کشاف کی عبارت نقل کی گئی ہے کہ

"جو لوگ کہتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے اپنی قوم کے دین پر تھے اگر اُن کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت ان کی طرح علوم شرعیہ سمیت سے خالی تھے تو درست ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ حضرت اُن کے کفر و ضلالت کے پابند تھے تو خدا کی پناہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ہمیشہ ہی کبائر و صغائر سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں۔ چہ جائیکہ وہ کفر کے مرتکب ہوں۔ جب شرک کرنا ہم سب کے لئے عیب کی بات ہے تو شان نبوت کے لئے نہایت سخت اور قبیح نقص ہوگا اگر وہ پہلے کفر کے مرتکب ہو چکے ہوں"

تفسیر خازن میں لکھا ہے :"

اُس شخص کی بات نہ سنو جو کہتا ہے کہ قبل نبوت حضرت اپنی قوم کے مذہب پر تھے کیونکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیا معصومین جب سے پیدا ہوئے ہیں نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ہر حالت میں توحید و ایمان پر رہے ہیں اور صفات خداوندی سے جاہل ہونے کے عیب سے انکی پاکیزہ ارواح ملوث نہیں ہو سکیں ۔اس کی تاریخی دلیل یہ ہے کہ کفار قریش نے بعد نبوت حضرت کی شان میں نکتہ چینی کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ مگر شرک کا الزام حضرت

کی نسبت اُن کی زبان پر نہیں آیا۔ اگر حضرت سے کبھی کفر کی کسی حرکت کا اظہار ہوتا تو وہ لوگ خاموش نہ رہتے اور سمعی دلیل دیکھنی ہو تو خدا خود فرماتا ہے ”

مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَ مَا غَوٰی — تمہارا رفیق یعنے پیغمبر خدا کبھی گمراہ اور کج رشتہ نہیں ہوا

تفسیر مدارک میں لکھا ہے :

یہ خیال کرنا جائز نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی حق سے عدول کیا ہو اور گمراہی میں مبتلا ہوئے ہوں۔ آنحضرت آغاز حال سے نزول وحی تک بت پرستی سے اور اہل عصیان کی نجاستوں سے محفوظ رہے ہیں۔

تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ضال تھے بایں معنے کہ آپ کو نبوت سے پہلے خدا کے احکام اور حکمتوں کا علم نہ تھا۔ وہ وحی اور الہام سے معلوم ہوا ہے۔

غرض کفر و معصیت ایک طرف اہلسنت کا ایمان ہے کہ خفیف سے خفیف صغائر کا بھی حضرت سے اپنی عمر مبارک کے کسی حصہ میں ظہور نہیں ہوا۔ میں ایسے موقعوں کا ذکر جن میں حضرت کو معیوب کاموں سے اجتناب کرنے کی توفیق ہوتی رہی ہے اور کسی وقت بھی حضرت سے کسی نامناسب حرکت کا ارتکاب ہونے نہیں پایا کتاب السیرۃ النبویہ مصنفہ علامہ دحلان سے جو مکہ معظمہ میں شافعی فرقہ کے مجتہد تھے نقل کرتا ہوں یہ روایتیں مختلف تفاسیر وصحاح میں متفرق موجود ہیں کتاب مذکور میں یکجا کر دیگئی ہیں علامہ موصوف آنحضرت کے سفر اول اور بحیرا راہب کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بحیرا نے آنحضرت سے بات کرتے ہوئے کہا کہ تم کو لات و عزےٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں تو حضرت نے فرمایا ”کہ لات و عزےٰ کے نام سے نہ پوچھو واللہ مجھے اُن سے زیادہ کسی چیز سے نفرت نہیں ہے“۔ علامہ موصوف آگے چلکر فرماتے ہیں

وَقَدْ حَفِظَ اللّٰہُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِمَّا کَانَ عَلَیْہِ الْجَاھِلِیَّۃُ مِنْ اَقْذَارِھِمْ وَمَعَائِبِھِمْ بِحَسْبِ مَا اِلَیْہِ شَرْعُہٗ لِمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِہٖ مِنْ کَرَامَتِہٖ

حقتعالےٰ نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ان تمام ناپاکیوں اور عیبوں سے جن میں ایام جاہلیت کے لوگ مبتلا تھے محفوظ اور اسی طریق پر چلایا جو آپ کی شریعت میں مقرر ہونے والا تھا کیونکہ حقتعالےٰ آپ کو معزز بنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ آپ

حَتّٰی صَارَ اَحْسَنَهُمْ خُلُقًا وَاَعَظَّهُمْ مِنَ الْفُحْشِ وَالْاِخْلَاقِ الَّتِیْ تُدَنِّسُ الرِّجَالَ تَنَزُّهًا وَاَفْضَلَ قَوْمِهٖ مُرُوْءَةً وَاَکْرَمَهُمْ مُخَالَطَةً وَخَیْرَهُمْ جُوْدًا وَاَکْثَرَهُمْ حِلْمًا وَاَحْفَظَهُمْ اَمَانَةً وَاَصْدَقَهُمْ حَدِیْثًا فَسَمَّوْهُ الْاَمِیْنَ ط

اخلاق میں سب سے بہتر ہو گئے اور فحش سے اور اُن تمام بداطواریوں سے جو انسان کو ناپاک کرتی ہیں پاکیزگی میں سب سے بڑھ کر تھے۔ اور مروت میں تمام قوم سے افضل تھے اور حسن سلوک میں سب سے اشرف تھے اور سخاوت میں سب سے بہتر تھے حلم میں سب سے زیادہ تھے امانت میں سب سے زیادہ محتاط تھے بات چیت میں سب سے زیادہ راستباز تھے۔ اسلئے لوگوں نے آپکو امین کا خطاب دیا تھا۔

پھر واقعات گذشتہ کے ذکر میں آنحضرت کی زبان مبارک سے ذکر کرتے ہیں۔ کہ

" میں بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا۔ سب بچے اپنے تہ بند کھولکر اُن میں کھیلنے کیلئے پتھر جمع کرتے تھے۔ میں بھی ایسا ہی کرتا تھا۔ کہ غیب سے کسی نے مجھے تھپڑ مارا جو سخت تھا مگر کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور کہا کہ اپنا تہ بند باندھ لو۔ میں نے باندھ لیا اور اپنے کندھے پر پتھر اُٹھانے لگا۔ اور سب لڑکے برہنہ تھے۔ اور ایسا ہی اتفاق ہوا۔ جب حضرت ابو طالب چاہ زمزم کی مرمت کرتے تھے اور آنحضرت پتھر لاتے تھے۔ کہ تہ بند کھُل گیا اور آپ بیہوش ہو گئے۔ جب افاقہ ہوا تو ابو طالب نے سبب پوچھا آپنے فرمایا۔ کہ کوئی سفید لباس کا شخص آیا کہنے لگا کہ کپڑا اوڑھا نک لو تمہارا ستر کبھی کھلنے نہ پائے۔ اسی طرح کا واقعہ عمارت کعبہ کے موقع پر پیش آیا تھا۔ اور حضرت رضی اللہ عنہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے کبھی اُن قبیح حرکات کا ارادہ بھی نہیں کیا۔ جو ایام جاہلیت میں کی جاتی تھیں بجز دو دفعہ کے اور دونوں دفعہ حقتعالے نے مجھے ایسے قول سے محفوظ رکھا۔ میں اور ایک اور لڑکا مکہ کے بالائی میدان میں بکریاں چراتے تھے۔ مینے اس سے کہا کہ آجکی شب میری بکریوں کو سنبھالو تو میں جاکر کہانیاں سُن آؤں جو لڑکے سُنا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں چلا۔ شہر میں ایک گھر سے دف بجانے اور گانے کی آواز آئی۔ مینے پوچھا کیا ہے۔ کہا گیا شادی ہے مجھے اس آواز سے ایسی غفلت پیدا ہوئی۔ کہ وہیں پڑکر سو رہا۔ دن چڑھے اٹھا واپس اپنے ساتھی کے پاس پہنچا۔ اور دوسری شب پھر جانے کا ارادہ کیا۔ تو اسیطرح رستہ میں سو رہا اور کہانیاں سُننے کے موقع پر نہ پہنچ سکا۔ حضرت اُم ایمن فرماتی ہیں

کہ بوانہ نام قریش کا ایک بُت تھا۔ اس کا میلا کیا کرتے تھے۔ چڑھاوے چڑھاتے تھے اسکے نام پر جانور ذبح کرتے تھے ابو طالب وہاں جاتے تھے خورد سال بھتیجے کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے حضرت انکار کر دیتے تھے حتیٰ کہ ایک بار ابو طالب آپ پر خفا ہوئے اور آپ کی پھوپھیاں بھی ناراض ہوئیں اور کہنے لگیں یہ لڑکا کیسا ہے اپنی قومی جماعت میں شامل ہونا اور قومی تہواروں کو منانا نہیں چاہتا۔ ان کے خفا ہونے پر حضرت تشریف لے گئے مگر حواس باختہ اور پریشان واپس آئے۔ پوچھا گیا۔ تو فرمایا۔ میں نہیں جانتا بڑے بُت کے ارد گرد جسقدر چھوٹے بُت تھے اُن میں سے جس کے قریب جاتا کوئی گورا اُونچا بلند بالا شخص کہتا محمد پرے ہٹ۔ اس کو ہاتھ نہ لگا۔ ام ایمن فرماتی ہیں۔ کہ اس واقعہ کے بعد آنحضرت کبھی اس مندر کی طرف نہ گئے تھے کہ پیغمبر ہو گئے۔ (باب ارہاصات فی صفحہ)

شرح عقائد نسفیہ میں انبیا علیہم السلام کی شان میں لکھا ہے۔

اِنَّھُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْکُفْرِ قَبْلَ الْوَحْیِ وَبَعْدَہٗ بِالْاِجْمَاعِ وَکَذَا عَنْ تَعَمُّدِ الْکَبَائِرِ عِنْدَ الْجُمْھُوْرِ

انبیا وحی سے قبل اور بعد کفر سے بالاتفاق معصوم ہیں اور کبائر یعنے بڑے گناہوں کا عمداً ارتکاب کرنے سے بھی جمہور کے نزدیک۔

غرض اہلسنت کی کوئی تفسیر دیکھو کوئی عقائد کی کتاب لو کسی سیرت کی کتاب کا مطالعہ کرو سب میں انبیا علیہم السلام کا کفر اور معاصی سے معصوم ہونا بالاتفاق مندرج ہے اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی ایسا واقعہ مشہور ہی نہیں جس میں صداقت وحقانیت سے انحراف کا ذرا سا بھی شائبہ پایا گیا ہو۔ باوجود ایسی واضح اور کثیر المقدار تفاصیل کے محض دو شخصوں کی غلطی پر ایک بہت بڑے فرقہ کو متہم کرنا جن کا کام ہے انہی کو مبارک رہے اور وہ دو شخص جن کی طرف ایسا غلط خیال منسوب کیا گیا ہے انہیں سے بھی سُدی کا قول سراج المنیر میں یوں نقل کیا گیا ہے۔

قَالَ السُّدِّیُّ وَوَجَدَکَ ضَالًّا اَیْ فِیْ قَوْمٍ ضُلَّالٍ فَھَدَاھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِکَ اَوْ ھَدَاکَ اِلٰی اِرْشَادِھِمْ

امام سُدی فرماتے ہیں کہ تم کو ضال پایا یعنے قوم گمراہ میں پایا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو تمہاری وساطت سے ہدایت دی یا تم کو ہدایت دی اس امر کی کہ اُن کو رستہ بتاؤ۔

اس صورت میں صرف ایک ہی شخص رہجاتا ہے جسکے شخصی عقیدہ پر تمام جماعت کو ملامت نہیں ہوسکتی اور فرقۂ اہلسنت پر جناب رسول خدا یا دیگر انبیا علیہم السلام کی نسبت عقیدۂ کفر کا الزام نہیں آسکتا۔ ہاں یہ ظاہر ہے کہ اگر عبادت کے سب طریقے اور روح کو منور کرنے کے تمام ذریعے انبیا علیہم السلام کو ابتدائے پیدائش سے معلوم ہوتے تو وحی و الہام کا انتظار کیوں رہتا۔ پیغام خداوندی کے نازل ہونے اور پیغام ربانی کے القا کئے جانے کی ضرورت اسی لئے تھی۔ کہ نبوت سے پہلے اُن کو اس قسم کا کوئی علم نہ تھا۔ یہی مطلب ہے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى سے اور یہی فرمایا گیا ہے قرآن کے اور مقامات پر مثلاً وَمَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ (تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا ہے) اور وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ (اگرچہ اس سے پہلے تم بیخبر تھے) قبل نبوت انبیا علیہم السلام کی اس قسم کی ناواقفیت قرآن سے ثابت ہے۔ قرین قیاس ہے اور اہلسنت کا اسپر ایمان ہے؛

اجداد انبیا کی نسبت حد سے بڑھی ہوئی ذمہ داری

اسی اعتراض میں ضمنی طعنہ ہے کہ اہلسنت پیغمبروں کے آباؤ اجداد کو کافر مانتے ہیں اس کا جواب اثبات میں ہے اور ثبوت کا مطالبہ اُس شخص سے جو ان کو مومن تصور کرتا ہے بیشک اگر انبیا کرام کے تمام آباؤ اجداد مومن رہے ہوں تو چشم ما روشن دل ما شاد لیکن ایسا ضرور ہوا ہے اور پیغمبروں کے تمام خاندانی سلسلے حضرت آدم تک مومن رہے ہیں اس کے ثبوت کی ضرورت ہے۔ اگر ثبوت مہیا ہو تو تسلیم کرنے میں عذر نہیں ہے اگر ثبوت دو نو طرف موجود نہیں تو یقین بھی کسی شق پر نہ ہونا چاہیئے۔ اور اگر ان خاندانوں میں سے ایک یا چند اشخاص کے کفر کا ثبوت ملجائے تو اسکو تسلیم کرنا پڑیگا اور ماننا ہوگا کہ سلسلہ تمام و کمال پاکباز نہ رہا باقی رہا انبیاء کرام کا جلال و کمال۔ وہ ظاہر ہے کہ آباؤ اجداد کے ایمان و کفر پر منحصر نہیں سو وہ نفوس قدسیہ بذات خاص ایسے مجلا اور منور ہوتے ہیں کہ ان کی روشنی دنیا کو منور کر دیتی ہے۔ اُن کے آباؤ اجداد ظلمت کفر میں مبتلا ہوں جب بھی اُن کی تنویر و تجلے[1] سے انکار نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ان کی رفعت منزلت دوبالا

---

[1] امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں مکارم اخلاق حاصل کر سکتے ہو تو کرو یہ ایک شخص میں ہوتے ہیں

ہوتی ہے اس خیال سے کہ گمراہ قوم اور تاریک خیال خاندان میں پیدا ہو کر جبکہ تعلیم و تربیت سے کسی قسم کی روشنی حاصل نہ کر سکتے تھے ان کے قلوب مصفےٰ فیض ازلی سے ایسے پاک ہوئے کہ گرد و پیش کی تمام ظلمتوں کو دور کرنے کے قابل بنے اور اس کے خلاف اگر کوئی خاندان ہمیشہ سے توحید پرست اور پاکباز چلا آتا ہے تو اس میں سے کسی کے ہادی و رہنما بنجانے سے احتمال ہوتا ہے کہ خاندانی تعلیم کا اثر ہے جسپر نبوت کا رنگ چڑھا دیا گیا ہے ایسا گمان اس شخص کی نسبت نہیں ہو سکتا جس کے گرد و پیش تمام فضا تاریک ہو اور صرف ایک ور یتیم قعر دریا سے نکل کر زمین و آسمان کو اپنی آب و تاب سے چمکا دے۔

اب اس مسئلہ کا ثبوت دیکھا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پیغمبروں کے ابو الآبا ہیں۔ جناب رسول خدا نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء بنی اسرائیل آپ ہی کے سلسلۂ نسب میں منسلک ہیں اور حضرت ابراہیم کے والد کا کفر خود قرآن سے ثابت اور بار بار مذکور ہے۔ خدا فرماتا ہے :-

۱- إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

ابراہیم نے اپنے والد آذر سے کہا کہ تم بتوں کو خدا مانتے ہو میں تم کو اور تمہاری قوم کو علانیہ گمراہی میں پاتا ہوں (انعام پارہ ۷ رکوع ۹)

۲- وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ (توبہ پارہ ۱۱ رکوع ۱۴)

ابراہیم نے اپنے والد کے لئے اس لئے مغفرت مانگتے تھے کہ اُنہوں نے اُس کا وعدہ کیا تھا جب معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے۔ تو اس سے بیزار ہو گئے۔

۳- وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ

کتاب میں سے ابراہیم کا قصہ یاد کرو وہ صدیق اور نبی تھے یاد کرو جب اُنہوں نے اپنے والد سے کہا کہ کیوں ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو نہ دیکھے نہ سنے

بقیہ از صفحہ ۱۳۱- اس کے بیٹے میں نہیں ہوتے کبھی بیٹے میں ہوتے ہیں باپ میں نہیں ہوتے (اصول کافی کتاب الکفر والایمان باب المکارم) نیز امام موصوف فرماتے ہیں مومن کا نطفہ مشرک کی پشت میں ہوتا ہے۔ اس کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ مشرکہ عورت کے شکم میں آتا ہے اس سے بھی کچھ حرج نہیں ہوتا ہے پیدا ہوتا ہے، جب بھی اسکو کچھ ضرر نہیں پہنچتا حتی کہ قلم کا لکھا پورا ہوتا ہے یعنی مومن و پاکباز رہتا ہے (اصول کافی کتاب الایمان والکفر باب یکون المؤمن ... فی)

وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ ۝
(مریم پارہ ۱۶۔ رکوع ۶)۔

نہ کچھ کام آئے اے پدر مجھے وہ علم حاصل ہے جو تمہیں نہیں۔ میرا کہنا مانو میں تم کو سیدھا رستہ بتاؤں۔ اے پدر شیطان کی عبادت نہ کرو شیطان خدا کا نافرمان ہے اے پدر مجھے اندیشہ ہے کہ تم کو خدا کی طرف سے عذاب آئے تو تم شیطان کے دوست سمجھے جاؤ۔ اُس نے کہا اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے نفور ہے؟

۴۔ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ۝ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (الانبیاء پارہ ۱۷ رکوع ۵)۔

جب ابراہیم نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسی تصویریں ہیں جن پر تم دھرنا دیئے بیٹھے ہو۔ انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو اُن کی عبادت کرتے دیکھا ہے کہا تم اور تمہارے آباؤ اجداد صریح گمراہی میں تھے؛

۵۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا ذَا تَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ۝ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۝ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۝ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ (سورہ شعرا۔ پارہ ۱۹۔ رکوع ۵)۔

لوگوں کو ابراہیم کا واقعہ سناؤ جب اُنہوں اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو۔ وہ بولے کہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی پر آس لگائے بیٹھے ہیں کہا کیا وہ سنتے ہیں جب پکار دیا کوئی نفع نقصان پہنچاتے ہیں؟ بولے ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا کرتے پایا ہے؛

۶۔ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا

جب ابراہیم نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ تم

تَعۡبُدُوۡنَ ط اَئِفۡكًا اٰلِهَةً دُوۡنَ اللّٰهِ کس کی عبادت کرتے ہو کیا خدا کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ
تُرِيۡدُوۡنَ (صافات پارہ ۲۲ رکوع ۳) کے خدا بنانے چاہتے ہو۔

ان سب آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے والد کو بُت پرست۔ علانیہ گمراہ دشمن خدا۔ شیطان پرست۔ مستحق عذاب غرض ہر قسم کے لوازم کفر سے متصف ظاہر کیا گیا ہے اور آیت نمبر ۴ اور نمبر ۵ میں حضرت کے والد اور قوم کی طرف سے جو جواب ملا ہے۔ اُس میں اعتراف ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد بھی یہی وتیرہ رکھتے تھے۔ اگر ابراہیم کا خاص سلسلہ نسب کفر کا مرتکب نہوتا تو سب کی طرف سے ایک جواب نہ دیا جاتا۔ اور جب قرآن کریم میں ایسی صراحت موجود ہے تو سب انبیا کرام کے آباؤ اجداد کو مومن کیونکر مان سکتے ہیں۔ نہ یہ خیال صحیح ہے اور نہ یہی کہنا درست ہوگا کہ تمام سلسلہ اور ہر ایک نبی کے آباؤ اجداد کافر ہے ہیں جناب اسمٰعیل جناب اسحاق۔ جناب یعقوب جناب یوسف اور جناب سلیمان علیہم الصلوۃ والسلام پیغمبر و ابن پیغمبر تھے۔ ہاں جو پیغمبر کافر والدین کے گھر میں پیدا ہو کر سعادت ازلی سے نبوت و رسالت تک پہنچا یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس کا قلب زیادہ مصفا و مجلا اور اس کی شان اوروں سے ارفع و اعلےٰ ہے۔ اس میں کلام نہیں اور اس سے آگے زبان بند ہے اور بے ثبوت نہیں کہہ سکتے کہ دیگر سلسلوں کیا کیفیت تھی؛

تقاضائے بشریت پر ملامت

ایک اعتراض ہے کہ اہلسنت قائل و معتقد ہیں کہ رسول تبلیغ احکام خدا میں بھی خطا کرتے تھے۔ یہ اعتراض حقیقت میں اہلسنت پر نہیں قرآن پر ہے۔ قرآن میں جہاں انبیا علیہم السلام کے صفات عالیہ اور محامد جلیلہ کا ذکر ہے وہاں جو جو غلطی اور خطا کسی نبی پاک سے ہوگئی ہے اُسکو بھی چھپایا نہیں گیا۔ سب سے مقدم جناب آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کی خطا کا تذکرہ بچہ بچہ کی زبان پر ہے قرآن کریم نے اسقدر ان کی بریت کردی کہ اگر عَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی سے کہہ کر ان کی معصیت کا اظہار کیا ہے تو نَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (وہ بھول گئے تھے عمداً قصور نہیں کیا) فرما کر اہمیت کم کردی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی فروگذاشت ہوئی ہے جس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ لیکن آخر میں

ان کی طرف ثُمَّ اَنَابَ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِی کے الفاظ منسوب ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ کوئی لغزش تھی جسپر پشیمان ہوکر معافی مانگی گئی۔ داؤد علیہ السلام کا قصہ دیکھو۔ دو شخصوں کے مابین فیصلہ کرتے ہیں اور فیصلہ میں کوئی ایسی غلطی ہے جسپر حضرت کو سجدہ میں گر کر معافی طلب کرنے کی ضرورت ہوئی اس کے بعد جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن کریم میں دیکھئے تو اسیران جنگ بدر کی نسبت جو فیصلہ حضرت نے کیا ہے اسپر ذیل الفاظ تنبیہ کیگئی ہے؛

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (انفال پارہ ۱۰۔ رکوع ۹۔)

اگر خدا کی طرف سے پہلے امن کا وعدہ نہوتا تو تم نے جو وصول کیا ہے اسپر بڑا عذاب نازل ہوتا؛

جنگ تبوک میں آنحضرت نے بعض لوگوں کو گھر پر رہنے کی اجازت دیدی تھی۔ اسپر محبت آمیز الفاظ میں عتاب ہوا ہے؛

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (توبہ پارہ ۱۰ رکوع ۷۔)

خدا نے معاف تو کر دیا مگر تم نے اُن کو اجازت کیوں دی تھی؛

بس یہی دو موقعے ہیں جن میں آنحضرت کی ذاتی رائے حد مناسب سے متجاوز تھی انہی کا ذکر اہلسنت کی زبان وقلم سے نکلا ہے اسلئے کہ خود حقتعالے ان کا ذکر فرماتا ہے اور جب قرآن کسی امر کو خطا کہتا ہے تو خطا کہنے پر اعتراض کرنے والوں کی دیدہ دلیری قابل حیرت ہے؛

اور حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر کی شان اگرچہ تمام بنی نوع انسان سے ارفع و اعلے ہوتی ہے مگر وہ اپنی فطرت میں بشریت سے متجاوز نہیں ہوسکتا اور بشر خاص حالات میں یہاں تک ترقی کرسکتا ہے۔ کہ جس امر کو قبیح سمجھ لے عمداً اُسکا ارتکاب نہ کرے لیکن بشر ہو اور سہو و خطا سے پاک ہو جائے یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ انبیا علیہم السلام اعلے سے اعلے مدارج تک پہنچے مگر کھانے پینے پہننے اور راحت و آرام کی ضرورت محسوس کرنے اور ضروریات زیست سے کام لینے کو ترک نہیں کرسکے اس لئے کہ فطرت انسانیہ میں یہ قوت نہیں اور فطرت بدل نہیں سکتی۔ اسی طرح کسی امر کو یاد رکھتے ہوئے کسیوقت نسیان سے مغلوب ہو جانا۔ روزانہ کوئی فعل کرتے ہوئے کسی دن نیند یا مصروفیت میں

اس کا خیال نہ رہنا۔ ہمیشہ صحیح رائے قائم کرتے ہوئے کسی موقع پر استدلال میں غلطی کر بیٹھنا انسان کی فطرت ہے جو بدل نہیں سکتی اور عامی ہو یا عارف اس کلیے سے باہر نہیں جا سکتا۔ ہاں نبی کی بصیرت مجلا ہوتی ہے پیغام ربانی کا سلسلہ پیہم جاری رہتا ہے کبھی کوئی سہو ہو جاتا ہے تو فوراً قلب پر اثر ہوتا ہے یا الہام غلطی کو روشن کر دیتا ہے۔ فوراً تدارک ہو جاتا ہے اور نبی اپنے فعل پر نادم ہو کر بارگاہ ربانی میں ایسے تضرع اور خشوع سے سرگرم نیاز ہوتا ہے کہ جناب رب العزت پہلے سے بھی زیادہ آمادۂ لطف و کرم ہو جاتے ہیں اور وہ انعام عطا فرماتے ہیں جو معمولی حالت میں مبذول نہ ہوتے۔ یہ سنت اللہ ہے اور عشق و محبت کے راز و نیاز وہاں ایسی حرکت پر گرفت کیجاتی ہے جو غیروں کے لئے گناہ کے ضمن میں بھی نہ آئیں اور دوسری طرف سے ایسی زاری و خونباری ہوتی ہے۔ جو قتل و غارت کا مجرم بھی نہ کر سکے۔ پھر لطف و کرم کی بارش ہوتی ہے جو دلدادگان محبت کے وہم و خیال میں بھی نہ آئے۔ آدم کو اسی غفلت و پشیمانی کے بعد خلافت الہیہ کے منصب پر قائم کیا گیا۔ داؤد کو اسی فتنہ و آزمائش کے بعد اِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفیٰ وَحُسْنَ مَآبٍ یعنی قرب خاص و حسن انجام کا مژدہ سنایا۔ سلیمان کو اسی توبہ و استغفار کے بعد باد و باران پر حکومت ملی اور ہمارے آقائے نامدار (فداہ ابی و امی) نے اسیران بدر کے معاملہ میں گرفت ہونے پر جو گریہ و زاری کی اس نے طالب کو مطلوب بنا دیا اور واقعہ تبوک میں برداشت نہ ہو سکا کہ ملامت کے دو لفظ بولے جانے تک بھی حبیب کا دل رنجیدہ ہو۔ مغفرت کا مژدہ پہلے سنایا غلطی کی خبر پیچھے دی اور آئندہ جو بے شمار افضال و عنایات خفیہ و علانیہ ہوتے رہے ان کے گیت دنیا گاتی ہے اور خیال و قیاس میں کسی کے آ نہیں سکتے۔ خطا کیسی اور قصور کسکا جب دیدار یار و فنائے جان نثار من تو شدم تو من شدی کا نقشہ جائے اور عاشق کی ہستی محبوب کے جلوہ سے بے نشان ہو جائے تو دوئی کہاں اور ایک کی ادا سے دوسرے کی ناپسندیدگی کیونکر۔ کوئی تار ہے جو پتلی ہلاتی ہے اور کوئی آواز ہے جو بنسری کو بجاتی ہے۔ ایک حیلہ ہے جس سے انداز معشوقانہ ظاہر ہو اور ایک بہانہ ہے جس سے مدارج وصال میں ترقی ہو۔ خطا و آمرزش لفظ ہے جس سے دنیا داروں کو سمجھانا مقصود ہے۔ کمال بے پایاں حقیقت ہے جس کی طرف جانیوالوں کو لیجانا مطلوب ہے۔ ماؤشما جھگڑتے رہتے ہیں جو حقیقت سے آشنا نہیں ہیں قبض و بسط

یا ہجران و وصال کے منظر بدلتے رہتے ہیں جو وادی محبت میں تیز گام ہونے کے لئے ضروری ہیں ناصحو تم بھی کسی پر جان دو تو معلوم ہو کہ محبوب کی آزردگی میں بھی لذت ہے اور فریاد و واویلا بھی لذت دیتا ہے اور ناز و نیاز کے بعد اختلاط و ارتباط سے جانبین کی آتش شوق اور بھڑکتی ہے عاشق ایام فراق کی سینہ کوبی و جگر کاوی کو مزے لے کر بیان کرتا ہے اور محبوب اعراض و التفات کے ذکر سے خوش ہوتا ہے۔ یہی نغمے قرآن و حدیث میں گائے گئے ہیں اور انہی کی صدائے بازگشت اہلسنت کے منہ سے نکلتی ہے اعتراض بیجا ہے شکایت بیحاصل ہے؛

سہو و نسیان کا طعنہ

ایک اعتراض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قرآن بھول جانے پر ہے۔ اس کا ماخذ دو حدیثیں ہیں۔ ایک میں ذکر ہے کہ حضرتؐ نے نماز میں ایک آیت چھوڑ دی۔ فراغت کے بعد حضرت اُبیؓ نے دریافت کیا کہ کیا وہ آیت منسوخ ہو گئی حضرتؐ نے فرمایا سہو ہو گیا تھا۔ ایک موقع پر کسیکے قرآن پڑھنے کی آواز حضرتؐ کے گوش زد ہوئی فرمایا خدا اس کا بھلا کرے ایک آیت میرے خیال میں نہ رہی اسکے پڑھنے سے یاد آئی یہ ذہول و نسیان ہے جسکا تجربہ سب کو حاصل ہے۔ نہایت کوشش سے یاد کی ہوئی بات ہو۔ حافظہ زبردست ہو۔ جب بھی کسیوقت سہو ہو جاتا ہے جسکے بعد کبھی انسان کو خود ہی وہ بات یاد آ جاتی ہے کبھی کسی اور کے ذکر کرنے پر خیال آتا ہے۔ قرآن کریم آنحضرتؐ پر القا ہوتا ہے حضرت انسانوں کی طرح اُسکو دُہراتے اور یاد کرتے ہیں اور انسانوں کی طرح اُسکو حوالۂ قلم کرنے کا حکم دیتے ہیں ہمیشہ اس کا ورد رکھتے ہیں۔ یہ سب کوششیں تقاضائے فطرت کے مطابق ہیں اور اسی خیال سے ہیں کہ کبھی نسیان ہو جائے تو زبان کی روانی سے اور کاغذ کی تحریر سے مدد لیں۔ ایسے نسیان کے دو دفعہ ظاہر ہونے پر اعتراض کیسا۔ ہاں اگر قرآن کا کوئی حصہ ایسا فراموش ہو جاتا کہ یاد ہی نہ رہتا اور اس کے یاد آنے کی کوئی صورت بھی پیدا نہ ہوتی تو اعتراض کی گنجائش تھی کہ جو پیغام خدا کی طرف سے نازل ہوا تھا دنیا کو پہنچانے کے لئے وہ محفوظ کیوں نہ رہا۔ مگر اب جبکہ لکھا ہوا موجود ہے۔ یاد کرنے والوں کے سینہ پر نقش ہو چکا ہے اور آنحضرت اور ہزارہا قاریوں کی زبانیں اس کو دہراتی رہتی ہیں تو ایک وقت پر یا کچھ دیر کے لئے کسی آیت کے خیال میں نہ رہنے

سے ہرج کیا ہوا اور تبلیغ احکام میں نقص کیا پیش آیا جو لوگ تحریف کے قائل ہیں اور دو ثلث کے قریب قرآن کو ایسا نابود تصور کرتے ہیں کہ امام آخر الزمان کے آنے سے پہلے کسی کے قلب و زبان پر اس کا نشان باقی نہیں ہو سکتا۔ وہ اتنے طویل عرصے تک قرآن کے بڑے حصہ کا معطل رہنا ممکن جانتے ہوے حیرت ہے کہ کچھ دیر کیلئے ایک آیت کے فراموش ہو جانے کو ناممکن کہتے ہیں اور اغراض نبوت میں کوتاہی پیدا ہونے کا اعتراض کرتے ہیں؛

بیشک قرآن کو محفوظ اور مجتمع رکھنے کا ذمہ خود باریتعالےٰ نے لیا ہے مگر اسیطرح جیسے اپنے نور کو مکمل کرنے کا ذمہ لیا ہے وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (صف پ ۲۸ - ع ۱) یعنے یہ سب کچھ دنیا کے عام کاروبار کیطرح انسانی ہاتھوں اور ظاہری کوششوں کے ساتھ غیبی تائید کو شامل کرنے سے سرانجام پاتا ہے۔ اسلام کو بھیجا خدا نے۔ پھیلایا خدا نے اور کفار کو مغلوب کیا اسی نے مگر انسانی ہاتھوں اور انسانی زبانوں کی وساطت سے۔ اور دنیوی اسباب فتح و نصرت کو مہیا کرنے سے۔ اسی طرح قرآن کو جمع اور محفوظ کیا اپنی تائید غیبی سے مگر وسائل وہی دنیوی تھے جن سے کام لیا گیا کہ دلوں میں ذوق و شوق پیدا کیا زبانوں سے یاد کروایا۔ دماغوں میں محفوظ رکھوایا اور قلموں سے نقل اتروائی۔ نہ خدا نے اسلام کے پھیلانے میں اپنی بے واسطہ قدرت کو ظاہر فرمایا کہ تبلیغ و اشاعت کے بغیر لوگ خود بخود کلمہ توحید پکار اُٹھتے۔ نہ قرآن کو محفوظ رکھنے میں براہ راست قدرت کا اظہار ہوا کہ غیب سے فضا میں لکھا ہوا کلام الٰہی نظر آجاتا۔ کام سب قدرت ہی کے ہیں مگر ہوسے دنیوی طریق پر ہیں۔ اور دنیوی طریق پر اسلام کی اشاعت کرتے ہوئے اکثر اوقات لوگ مفتون و مسحور ہو گئے ہیں، تو بعض اوقات تمام مجلس میں ایک متنفس نے بھی گالی اور پتھر کے سوا جواب نہیں دیا۔ ہاں ان سب انقلابوں کا انجام اسلام کی فتح پر ہوا ہے۔ اسیطرح قرآن کی حفاظت میں اکثر و بیشتر دل و دماغ اور زبان و قلم نے پوری یاری دی ہے تو کبھی کسی آیت سے نسیان بھی ہو گیا ہے مگر اسکے محفوظ رہنے میں نقص نہیں آیا۔ بیشک رسول اللہ کے ساتھ خدا کا وعدہ ہے کہ قرآن بھول نہ سکینگے نہیں مگر ساتھ ہی استثنا بھی موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ (سورۂ اعلےٰ پارہ ۳۰ - رکوع ۱۰) ہم تم کو قرآن پڑھائینگے اور تم بھولوگے نہیں مگر جو خدا کو منظور ہو۔ پس جب خدا کی مشیت میں بھولجانا بھی ہے اور جب قرآن خود کسیوقت سہو ہو جانے کی خبر دیتا ہے تو اعتراض کرنیوالے دیکھیں کہ اعتراض

اہلسنت پر ہے یا کسی اور پر،

ھذیان کی ہرزہ سرائی

ایک اعتراض "مقبول فاروق محبت علی میں ہکلی ہکلی باتیں اور حق سے انحراف کرنے کا ہے"
حوالہ تاریخ مختصر بغداد ابن طاہر کا دیا ہے۔ مجھے اس کتاب کو دیکھنے کی عزت حاصل نہیں۔ مگر جو بنیہ
کے قصہ میں دلیرانہ الفاظ داخل کرنے اور جناب صدیقہ کے واقعات میں سوء ادب کے جملوں کو ملانیکا
جو تجربہ ہوا ہے اس سے قیاس ہوتا ہے کہ ہکلی ہکلی باتوں کا اور حق سے انحراف کرنیکا اضافہ
بھی جناب معترض کے زور طبع کا نتیجہ ہوگا اور روایت کے الفاظ دیکھے جائیں تو مطلب اور
ہی نکلیگا۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور اگر واقعی اسی قسم کے الفاظ جناب رسالتمآب کی شان
اعلیٰ میں استعمال کئے ہیں تو راوی کا قصور ہوگا اور ایسے بے ادب کو جسقدر برا سمجھا
اور کہا جائے مناسب ہے۔ جناب فاروق کی تمام سیرت اور رسول علیہ السلام کی جناب میں
اُن کے خلوص عقیدت اور خدمت اسلام میں ان کے انہماک اور توغل کو دیکھتے ہوئے
آنجناب کیطرف ایسے الفاظ کا منسوب ہونا بالکل غلط ہے اور کسی ایک شخص کے قول سے
فرقہ اہلسنت پر الزام عائد نہیں ہو سکتا؛

محسن کی شکر گذاری پر اعتراض

معترض کا یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ اہلسنت جناب شیخین کو شریک فی النبوۃ مانتے ہیں۔
ان کو معصوم عن الخطا جانتے ہیں۔ امامت ابی بکر کے منکر کو کافر کہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں
کہ اگر یہ لوگ اسلام قبول نہ کرتے تو اس دین مبین کا وجود ہی دنیا میں نہ ہوتا۔ یہ سب کچھ اتہام
ہے اور اہلسنت ان میں سے کسی ایک بات کے بھی قائل نہیں ہیں۔ وہ مسئلہ ختم نبوت
اور رسول عربی علیہ السلام کے خاتم النبیین ہونے پر ایسا ہی کامل یقین رکھتے ہیں جیسا قرآن کریم
کی صراحت اور احادیث نبویہ کی ہدایت کو تسلیم کرنے والا رکھ سکتا ہے اور رسول عربی
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد زیادہ سے زیادہ جو کسی شخص کی نسبت عقیدہ قائم کر سکتے ہیں
تو یہی کہ اسکو ولی سمجھیں اور اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ لا یبلغ ولی درجۃ الانبیاء کوئی
ولی انبیاء کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ شرح عقائد نسفیہ۔ انکو معصوم عن الخطا ماننا ایک طرف

وہ امامت کے لئے معصوم ہونے کی شرط ہی تسلیم نہیں کرتے اور دلیل یہ رکھتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر کی امامت پر سب کا اتفاق ہے حالانکہ ان کی عصمت کا یقین نہیں ہے (شرح عقاید النسفیہ) امامت ابی بکر کے منکر کو کافر کہنا ایکطرف وہ صحابہ کرام کی شان میں سب وشتم کرنیوالے کو بھی کافر نہیں کہتے۔ معترض اسموقعہ پر صواعق محرقہ کا نام لیتا ہے جو تردید شیعہ میں لکھی گئی ہے۔ کہیں کلام کو زوردار کرنے کے لئے کسی شخص کا ایسا قول نقل کر دیا ہو۔ یا بحث کے جوش سے قلم جادہ سلامت کو چھوڑ گیا ہو۔ تو تعجب نہیں ایسے موقعہ کا کلام سند میں پیش ہونے کے قابل نہیں ہوتا۔ شہادت اس فن سے ہونی چاہیئے جس سے اُس مسئلہ کا تعلق ہو۔ یہ عقائد کا مسئلہ ہے فیصلہ کتب عقائد کی بنا پر ہونا چاہیئے۔ اہلسنت کیطرف سے اسبارہ میں علامہ تفتازانی کی تصریح قابل وثوق ہے۔ وہ فرماتے ہیں؛

وَاَمَّا الَّذِیْ ذَکَرْنَا فَمَذْهَبُ الشَّیْخِ الْاَشْعَرِیِّ وَاَکْثَرِ الْاَصْحَابِ اَنَّهٗ لَیْسَ بِکَافِرٍ وَبِهٖ یُشْعِرُ مَا قَالَ الشَّافِعِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَا اَرُدُّ شَهَادَةَ اَهْلِ الْاَهْوَاءِ اِلَّا الْخَطَّابِیَّةَ لِاسْتِحْلَالِهِمِ الْکَذِبَ وَفِی الْمُنْتَقٰی عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّهٗ لَمْ یُکَفِّرْ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ وَعَلَیْهِ اَکْثَرُ الْفُقَهَاۗءِ (شرح مقاصد جلد دوم مقصد سادس فصل رابعہ بحث سابع)

ہم نے جو ذکر کیا ہے یعنے فرقہ ہائے اسلامیہ کا کافر نہ ہونا وہ شیخ اشعری اور اکثر اصحاب کا مذہب ہے کہ ایسے لوگ کافر نہیں ہیں اور یہی ثابت ہوتا ہے امام شافعی رح کے قول سے جو فرماتے ہیں کہ میں فرقہ ہائے اسلامیہ میں سے خطابیہ فرقہ کے سوا کسی کی شہادت رد نہیں کرتا خطابیہ کی شہادت اسلئے قبول نہیں کہ وہ دروغگوئی کو حلال سمجھتے ہیں کتاب منتقی میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آپ اہل قبلہ میں سے کیسکو کافر نہیں کہتے یہی اکثر فقہا کا خیال ہے؛

صحابہ کرام پر سب وشتم کرنے والوں کا حکم عقائد نسفیہ اور اُسکی شرح میں ملاحظہ ہو۔

وَاَمَّا سَبُّهُمْ وَالطَّعْنُ فِیْهِمْ اِنْ کَانَ مِمَّا یُخَالِفُ الْاَدِلَّةَ الْقَطْعِیَّةَ فَکُفْرٌ کَقَذْفِ عَائِشَةَ وَاِلَّا فَبِدْعَةٌ وَفِسْقٌ۔

صحابہ کو برا کہنا یا اُن کی عیب چینی کرنا اگر یقینی دلائل کے خلاف ہو جیسے حضرت عائشہ پر تہمت لگانا تو کفر ہے۔ اگر یہ نہیں تو بدعت اور گناہ ہے؛

گنہگار کی نسبت لکھتے ہیں اَلْکَبِیْرَةُ لَا تُخْرِجُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ مِنَ الْاِیْمَانِ وَلَا

تُدْخِلُهٗ فِی الْکُفْرِ (عقائد نسفیہ) گناہ کبیرہ مومن بندہ کو ایمان سے نکالتا نہیں کفر میں داخل نہیں کرتا
اسکی دلائل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَلثَّالِثُ اِجْمَاعُ الْاُمَّةِ مِنْ عَصْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی یَوْمِنَا ھٰذَا بِالصَّلٰوۃِ عَلٰی مَنْ مَاتَ مِنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ مِنْ غَیْرِ تَوْبَۃٍ وَالدُّعَاءِ وَالْاِسْتِغْفَارِ لَھُمْ مَعَ الْعِلْمِ بِارْتِکَابِھِمُ الْکَبَائِرَ بَعْدَ الْاِتِّفَاقِ عَلٰی اَنَّ ذٰلِکَ لَا یَجُوْزُ لِغَیْرِ الْمُؤْمِنِ (شرح عقائد نسفیہ) تیسری دلیل اُمّت محمدیہ کا اجماع ہے زمانہ رسالت پناہی سے ہمارے آج کے دن تک کہ اہل قبلہ میں سے جو شخص بغیر توبہ کے مرجائے اسپر نماز پڑھنی اس کے لئے دعا اور طلب مغفرت کرنا جائز ہے باوجود اس امر کا علم رکھنے کے کہ وہ لوگ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے رہے ہیں اور باوجود اس امر پر متفق ہونے کے کہ نماز جنازہ مومن کے سوا کسی کی جائز نہیں
شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری کہتے ہیں سَبُّ الشَّیْخَیْنِ لَیْسَ بِکُفْرٍ (ابو بکر و عمر کو برا کہنے والا کافر نہیں ہو سکتا) اس صاف اور صریح اظہار کے بعد کہاں گنجائش باقی ہے کہ اہلسنت پر کسی کو بعض صحابہ کی بنا پر کافر سمجھنے کا الزام لگایا جائے!

علیٰ ہذا القیاس اہلسنت اسلام کے وجود کو شیخین یا کسی اور شخص یا جماعت کے وجود پر منحصر بھی نہیں مانتے اسلام کو دنیا میں بھیجنے والا خود اس کا محافظ و مددگار ہے اور اُس نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے،

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (مائدہ پارہ ۶ رکوع ۸)

اے ایمان والو تم میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو دین کو ضعف نہ آسکیگا حقتعالےٰ تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو پیدا کر دیگا جن سے خدا کو محبت ہوگی اور خدا سے اُنکو محبت ہوگی وہ مومنین پر مہربان اور کفار پر غالب ہوں گے۔ خدا کی راہ میں جہاد کرینگے اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خوف نہ رکھیں گے!

جب خدا تعالےٰ کا یہ وعدہ ہے اور وہ انسانوں کے ہاتھ سے اسلام کی خدمت لینا چاہتا ہے تو کسی کے نالائق ہونے پر دوسرا اس سے اعلےٰ اور افضل پیدا کر سکتا ہے اہلسنت اسپر ایمان رکھتے ہیں تو وہ کیونکر خیال کر سکتے ہیں کہ شیخین یا کسی اور عالم کے نہ آنے سے دین کی خدمت ہی نہ ہو سکتی!

ہاں جن اہل سعادت اور سب سے خوش نصیب مسلمانوں کو حقتعالےٰ نے اس عظیم الشان

خدمت کے لئے انتخاب کیا اور جن کے مبارک اور مقدس ہاتھوں سے بنائے اسلام کو رفعت افلاک تک پہنچایا۔ ان کی اس قابل رشک فضیلت کا اہلسنت کو اعتراف ہے اور انکے اس احسان عظیم سے جو بنائے اسلام پر ہوا وہ ناشکر نہیں ہو سکتے اور وہ برائے العین دیکھتے ہیں کہ جناب صدیق اکبر اور جناب فاروق اعظم (رضی اللہ عنہما) کی ذات بابرکات سے دین مبین کی خدمت ایسی کثیر المقدار اور جلیل القدر ہوئی ہے جو اُن کے زمانے میں اور اُن کے بعد آجتک کسی ابن آدم سے ہو نہیں سکی کسی بلا اور مصیبت کے وقت ان حضرات کی طرف سے جانبازی و سرفروشی میں قصور نہیں ہوا۔ آقا کے حضور میں جان نثاری دکھانے والے غلام بھی قابلقدر ہیں مگر آقا ہمیشہ کیلئے آنکھوں سے اوجھل ہو جائے اور اسکا بنایا ہوا کارخانہ بگڑتا نظر آئے اسوقت آقا کے حق خدمت گذاری کو مدنظر رکھنے اور اسکی غیبت میں اسکے کام کو سنبھالنے اور ترقی دینے والے غلام جو درجہ رکھتے ہیں وہ ہر شخص حاصل نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر جب دنیائے اسلام میں زلزلہ آگیا تھا نئی بنی ہوئی عمارت کے منہدم ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ اعدا کا ہر طرف ہجوم تھا۔ نئے نئے توحید کا کلمہ پڑھنے والے کفر و ارتداد کے طوفان میں ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بہ نکلے تھے اور بہت سے خاصان خدا جو علم و معرفت اور شجاعت و شہامت کے جواہر سے مالامال تھے حالات کے ناگہانی انقلاب سے متحیر ہو کر اپنے تئیں حوادث روزگار سے محفوظ رکھنے کے فکر میں تسبیح و مصلے لیکر گوشۂ عافیت میں مستور ہو گئے تھے اُسوقت انہی بزرگواروں کی ہمت مردانہ کا نتیجہ تھا کہ ایک طرف ارتداد کے طوفان کو اپنے بے نظیر عزم و استقلال سے روکنے کے لئے سینہ سپر ہوئے تو دوسری جانب کفر و شرک کے تباہی خیز سیلابوں کو جو دولت و حکومت کی ہیبت ناک آندھیوں کے ساتھ بنیاد اسلام کا غلغلہ اور توحید کا ولولہ پھیلگیا۔ ملت بیضا کی ایسی خدمت اور مذہب حق کی ایسی حمایت نازک وقت میں ایسی مدافعت۔ حوادث ہائلہ میں ایسی جرأت نمائی کا بوبکر و عمر کے سوا کون دعوے کر سکتا ہے جس کو ان کے برابر سمجھا جائے۔ امور واقعہ ہیں جن سے انکار نہیں ہو سکتا اور فضائل صادقہ ہیں جو حقتعالے نے صدیق و فاروق کے سوا کسی ذات میں پیدا نہیں کئے۔ لوح زمانہ پر لکھے ہوئے نقش و نگار کو نہ دیکھنا کورچشمی ہے اور عالم اسلام کے بزرگترین محسنوں کے احسان عظیم سے انکار کرنا کورباطنی۔ پس انبیاء علیہم السلام کے بعد شیخین کو تمام دنیا سے ارفع و اعلے ماننے میں اہلسنت کی نسبت کسی غلطی

کا خوف اور شرک فی النبوۃ وغیرہ کسی جرم کا احتمال نہیں ہو سکتا"

شرک فی النبوۃ بلکہ اس سے بڑھ کر تماشا دیکھنا ہو تو شیعی روایات کو دیکھو:

عَنْ اَبِی جَعْفَرٍ اِنَّ الْجَاحِدَ لِصَاحِبِ الزَّمَانِ کَالْجَاحِدِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ فِیْ اَیَّامِهٖ (کتاب الروضہ صفحہ ۹)

امام باقر فرماتے ہیں کہ امام وقت سے انکار کرنیوالا ایسا ہے جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ سے آپ کے زمانہ میں انکار کرنے والا۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ فِیْ اَثْنَاءِ حَدِیْثِهٖ قَالَ اِنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ کَانَ یَقُوْلُ فَوَاللّٰهِ لَوْ سَجَدَ حَتّٰی یُقْطَعَ عُنُقُهٗ مَا قَبِلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهُ عَمَلًا اِلَّا بِوَلَایَتِنَا اَهْلِ الْبَیْتِ (کتاب الروضہ صفحہ ۱۴)

امام جعفر صادق ایک حدیث کی اثناء میں بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علی مرتضےٰ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی قسم اگر آدمی سجدہ کرتا رہے حتی کہ اس کی گردن کٹ جائے جب بھی حقتعالےٰ اسکی عبادت قبول نہ کریگا مگر اسی صورت میں کہ وہ ہماری یعنی اہل البیت کی محبت رکھتا ہو۔

سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ فِیْ اَثْنَاءِ حَدِیْثِهٖ یَقُوْلُ فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ فَقَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ هُوَ وَاللّٰهِ عَلِیٌّ عَلَیْهِ السَّلَامُ بِعَیْنِهٖ (کتاب الروضہ صفحہ ۱۵۰)

(عبد اللہ بن النجاشی کہتا ہے کہ) میں نے (ایک لمبی حدیث کی اثناء میں) امام جعفر صادق کو فرماتے سنا ہے (وہ یہ آیت پڑھتے ہیں) قسم ہے اے محمد تمہارے پروردگار کی کہ لوگ مومن نہ بنینگے تب تک اپنے جھگڑوں میں تم کو منصف نہ مانیں امام جعفر نے فرمایا کہ یہاں خدا کی قسم (رسول اللہ کی بجائے) حضرت علی کو منصف ماننے کا حکم ہے۔ (جس پر ان کے ایمان کا انحصار ہے)

عَنْ ابْنِ اُذَیْنَةَ قَالَ حَدَّثَنَا غَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ اَحَدِهِمَا اَنَّهٗ قَالَ لَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مُؤْمِنًا حَتّٰی یَعْرِفَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالْاَئِمَّةَ کُلَّهُمْ وَاِمَامَ زَمَانِهٖ وَیَرُدُّ عَلَیْهِ وَیُسَلِّمُ لَهٗ (اصول کافی کتاب الحجۃ باب معرفۃ الامام)

ابن اذینہ کہتے ہیں کہ ہم سے کئی شخصوں نے امام باقر سے یا امام جعفر سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ بندہ مومن نہیں ہوتا۔ جب تک خدا رسول کو اور تمام اماموں کو نہ پہچانے اپنے وقت کے امام کو نہ جانے اور اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اسکو سلام نہ کرے (یا اسکی اطاعت کا اعتراف نہ کرے)

عَنْ اَبِیْ سَلْمَةَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ فِیْ اَثْنَاءِ حَدِیْثِهٖ مَنْ عَرَفَنَا کَانَ مُؤْمِنًا وَمَنْ اَنْکَرَنَا کَانَ

ابی سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر سے (ایک حدیث کی اثنا میں) سنا ہے۔ کہ جو ہم کو پہچانے مومن ہے جو ہم سے منکر ہو کافر ہے

كَافِرًا وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْنَا وَلَمْ يُنْكِرْنَا كَانَ ضَالًّا (اصول کافی کتاب الحجہ باب فرض طاعۃ الائمۃ)

اور جو نہ ہم کو پہچانے نہ منکر ہو وہ گمراہ ہے؛

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ الْأَئِمَّةُ بِمَنْزِلَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ إِلَّا أَنَّهُمْ لَيْسُوا بِأَنْبِيَاءَ وَلَا يَحِلُّ لَهُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَا يَحِلُّ لِلنَّبِيِّ فَأَمَّا مَا خَلَا ذَالِكَ فَهُمْ بِمَنْزِلَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ (اصول کافی کتاب الحجہ باب ان الائمۃ بمن یشبہون ممن مضی)

محمد بن مسلم کہتا ہے کہ مینے امام جعفر کو فرماتے سُنا ہے کہ ائمہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر ہیں۔ مگر یہ کہ وہ نبی نہیں ہیں اور ان کو اسقدر عورتیں جائز نہیں جسقدر نبی کو جائز ہیں۔ مگر اس کے علاوہ اور سب باتوں میں وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ کے برابر ہیں؛

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ أَبِي جَعْفَرٍ الثَّانِي فَقَالَ فِي أَثْنَاءِ حَدِيثِهِ ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّدًا وَعَلِيًّا وَفَاطِمَةَ فَمَكَثُوا أَلْفَ دَهْرٍ ثُمَّ خَلَقَ جَمِيعَ الْأَشْيَاءِ فَأَشْهَدَهُمْ خَلْقَهَا وَأَجْرَى طَاعَتَهُمْ عَلَيْهَا وَفَوَّضَ أُمُورَهَا إِلَيْهِمْ فَهُمْ يُحِلُّونَ مَا يَشَاؤُنَ وَيُحَرِّمُونَ مَا يَشَاؤُنَ وَلَنْ يَشَاؤُا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ (اصول کافی کتاب الحجہ باب مولد النبی صلے اللہ علیہ وآلہ)

محمد بن سنان کہتا ہے کہ میں امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں تھا آپنے (ایک حدیث کی اثنا میں) فرمایا کہ حقتعالے نے حضرت محمد علی اور فاطمہ کو پیدا کیا۔ وہ ہزار زمانے تک رہے پھر تمام مخلوق پیدا کی ان کو اُس کی پیدایش کا گواہ بنایا اور تمام مخلوق پر اُن کی اطاعت فرض کی اور تمام مخلوق کا اُن کو تصرف دیا پس وہ حلال کرتے ہیں جو چاہیں اور حرام کرتے ہیں جو چاہیں اور نہیں چاہتے مگر جب حقتعالے چاہتا ہے؛

عَنْ أَبِي بَصِيرٍ قَالَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيُّ إِمَامٍ لَا يَعْلَمُ مَا يُصِيبُهُ وَإِلَىٰ مَا يَصِيرُ فَلَيْسَ ذَالِكَ بِحُجَّةٍ لِلّٰهِ عَلَىٰ خَلْقِهِ (اصول کافی کتاب الحجہ باب ان الائمۃ علیہم السلام یعلمون

ابو بصیر کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جو امام نہ جانتا ہو کہ اسپر کیا واقعات گذرینگے اور اسکا کیا انجام ہوگا وہ خدا کیطرف سے خلقت کیلئے امام اور حجۃ ہی نہیں ہو سکتا؛

(یہ باب تمام اسی مضمون پر ہے کہ آئمہ جانتے ہیں

مَتیٰ یَمُوْتُوْنَ وَاِنَّھُمْ لَا یَمُوْتُوْنَ اِلَّا بِاخْتِیَارٍ مِّنْھُمْ ۔

(کہ کب مرینگے اور وہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں)

عَنْ جَمَاعَۃَ بْنِ سَعْدِ الْخَثْعَمِیِّ اَنَّہٗ قَالَ کَانَ الْمُفَضَّلُ عِنْدَ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَقَالَ لَہُ الْمُفَضَّلُ جُعِلْتُ فِدَاکَ اَیَفْرِضُ اللّٰہُ طَاعَۃَ عَبْدٍ عَلَی الْعِبَادِ وَیَحْجُبُ عَنْہُ خَبَرَ السَّمَآءِ قَالَ لَا اَللّٰہُ اَکْرَمُ وَاَرْحَمُ وَاَرْءَفُ بِعِبَادِہٖ مِنْ اَنْ یَفْرِضَ طَاعَۃَ عَبْدٍ عَلَی الْعِبَادِ ثُمَّ یَحْجُبُ عَنْہُ خَبَرَ السَّمَآءِ صَبَاحًا وَّمَسَآءً (اصول کافی کتاب الحجہ)

(جماعۃ بن سعد کہتے ہیں کہ مفضل امام جعفر کے پاس حاضر تھے انھوں نے امام موصوف سے پوچھا کہ کہ قربانت شوم کیا خدا اپنے پر ایسے بندے کی اطاعت بھی فرض کرتا ہے جس سے آسمان کی خبریں مستور رکھی جائیں - فرمایا نہیں حقتعالےٰ اس سے ارفع اور زیادہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے کہ کسی بندہ کی اطاعت لوگوں پر فرض کرے اور پھر اس سے آسمان کی خبریں صبح اور شام کی مخفی رکھے !

بَابُ اَنَّ الْاَئِمَّۃَ یَعْلَمُوْنَ عِلْمَ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ وَاَنَّہٗ لَا یَخْفٰی عَلَیْھِمْ شَیْءٌ ۔

(یہ تمام باب اسی مضمون کا ہے کہ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے ائمہ کو سب معلوم ہے اور ان سے کوئی چیز مخفی نہیں)

یہ اور اسکے علاوہ تمام فضائل ائمہ بالخصوص کافی کتاب الحجہ کے دوسو باسٹھ صفحے دیکھ جساؤ نبوت کی کوئی شان اور پیغمبری کا کوئی کمال نہیں جو ائمہ علیہم السلام کے واسطے مانا نہ گیا ہو ان کی امامت پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری ہے جیسے نبی کی نبوت کو تسلیم کرنا۔ اُنپر ملائکہ کا نزول صبح و شام اسی طرح ہوتا ہے جسطرح رسول پر ان کے احکام ایسے ہی واجب الاتباع ہیں جیسے احکام رسول - بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ رسول علیہ السلام کو کسی چیز کے حرام یا حلال کرنے کا اختیار نہ تھا - یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ - اے نبی کیوں حرام کرتے ہو- جو چیز تمہارے لئے خدا نے حلال فرمائی (سورہ تحریم پارہ ۲۸ رکوع ۱)

رسول علیہ السلام کو اپنے اور کسی کے آئندہ حالات کی خبر نہ تھی صرف احکام کی تعمیل اور وحی کی تبلیغ آپ کا کام تھا !

مَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ

(میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا سلوک

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحیٰٓ اِلَیَّ ۔ (سورۂ احقاف پارہ ۲۶ رکوع ۱)

کیا جائیگا میں صرف اُسیکا اتباع کرتا ہوں جو مجھپر وحی کیا جائے

رسول علیہ السلام کو کسی چیز پر تصرف حاصل نہ تھا اپنی نیکی بدی پر اختیار نہ تھا اور غیب کا علم نہ تھا؛

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ ۔ (انعام پارہ ۷ رکوع ۵)

اے محمدؐ کہدو کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں اور میں غیب نہیں جانتا؛

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ؕ (اعراف پارہ ۹ رکوع ۲۳)

اے محمد کہدو کہ میں اپنے نفس کیلئے کسی نفع اور نقصان کا ہتیا نہیں رکھتا۔ مگر جو خدا چاہے وہ ہوتا ہے اور اگر میں غیب جانتا تو اپنے لئے بہت سی بہتری پیدا کرلیتا اور مجھکو کوئی بدی پیش نہ آتی میں تو صرف عذاب الٰہی سے ڈرانیوالا اور رحمت ایزدی کی خوشخبری دینے والا ہوں؛

خدا فرماتا ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی شخص خدا کے سوا غیب سے واقف نہیں ہے؛

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ (سورہ نمل پارہ ۲۰ رکوع ۵)

کہدو کہ آسمان و زمین میں کوئی شخص غیب کی خبر نہیں جانتا سوائے خداتعالےٰ کے؛

خدا فرماتا ہے کہ کسی شخص کو اپنی موت اور دیگر حالات کی نسبت کوئی علم نہیں؛

مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ؏ (لقمان پارہ ۲۱ رکوع ۴)

کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا کریگا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس جگہ مریگا۔ خدا کے علیم و خبیر ہونے میں شک ہی نہیں؛

انبیاء اور تمام دنیا کیلئے یہ قانون ہے مگر ائمہ علیہم السلام کو جو کچھ چاہیں حرام یا حلال قرار دینے کا اختیار تھا اپنے حالات اور تمام واقعات ماضی و استقبال کی نسبت علم رکھتے تھے۔ اگر ایسا نہوتا تو وہ امام ہی نہ ہوتے اپنی موت کا وقت جانتے تھے اور اپنی مرضی سے مرتے تھے غرض نبوت کی تمام فضیلتیں تو رکھتے ہی تھے الوہیت کے بھی بہت سے کمالات پر انکو تصرف تھا۔ اور نبوت کے درجہ سے اگر کچھ کمی تھی تو یہ کہ چار سے زائد بیویاں نرکھ سکتے تھے۔ گویا نبوت کا سب سے بڑا امتیازی خاصہ صرف ایک یعنے کثرت سے عورتوں پر تصرف کرنا ہے جس سے ائمہ کی ذات عاجز تھی ورنہ اور کسی طرح وہ انبیاء سے کمتر نہ تھے۔ بلکہ صفات الوہیت سے متصف ہونے کی وجہ سے انبیاء سے ارفع و اعلےٰ قرار پانے کے مستحق تھے۔ ایسے عقائد رکھنے کے باوجود

دوسرے ونکو شرک فی النبوۃ کا الزام دینا اور ایسے شریر محل میں رہ کر کوہستانیوں پر پتھر برسانا انہی لوگوں کا دل گردہ ہے؛

فیض صحبت کا انکار

مرزا احمد سلطان صاحب تعجب کرتے ہیں کہ اہلسنت تمام صحابہ کرام کو عدل و ثقاہت اور خلوص و اطاعت میں انبیاء علیہم السلام کے بعد خیر الناس اور افضل بنی آدم سمجھتے ہیں اور شیعہ کے مجتہدین کو بھی انکا ہم پلہ قرار نہیں دیتے۔ انکو یہ خبر نہیں کہ دنیا ظلمت کفر سے تاریک تھی وہم پرستی و سیہ کاری کا ہر طرف زور تھا۔ ہر قوم اور ہر ایک قبیلہ۔ تمام خاندان اور سب گھرانے توہمات پر قائم رہنے اور جہالت و غوایت میں منہمک ہونے پر ایک دوسرے سے بڑھ کر اصرار کرتے تھے۔ تعلیم و تربیت تھی تو کفر و ضلالت کی اور معاش کی صورت تھی تو قتل و غارت سے۔ ایمان و توحید کی آواز سب کے لئے بے سری بنسری تھی جو کبھی سنی نہیں گئی خدا ترسی اور ہمدردی کا خیال لقمہ تلخ تھا جو حلق سے اتر نہ سکتا تھا۔ اجسام کو بے راہ روی کی موروثی عادت تھی اور قلوب کو راستبازی سے دیرینہ عداوت۔ کلمۂ حق سنکر غصہ آتا تھا اور راہ راست دکھانے والے کی شکل سے نفرت ہوتی تھی۔ زبان کو لگام نہ تھی۔ ہاتھ کو رکاوٹ نہ تھی دل میں رحم نہ تھا۔ اپنے خیال کے خلاف لفظ سنکر قیامت ڈہاتے تھے اور سیر ہوتے تھے۔ دیکھنے سننے والے کسیکو ترس نہ آتا تھا ظلم و ستم کی اور شہ دیتے تھے۔ سچی بات سنکر بھائی کو بھائی سے محبت نہ رہتی تھی۔ ماں باپ اولاد کے دشمن بنجاتے تھے۔ خویش و بیگانہ سب کشتنی و گردن زدنی ہونے کا فیصلہ کرتے تھے اور فیصلہ کو پورا کرنے سے کسی طرح کا باک نہ تھا۔ جو خدا کا بندہ راستی کیطرف مائل ہوتا تھا اس کو اپنے دل و دماغ۔ کام و زبان۔ چشم و گوش اور دست و بازو کو ایسے کاموں کی طرف مائل کرنا پڑتا تھا۔ جو اسکے میلان طبع کے سراسر خلاف اور مشق و مہارت کے بالکل منافی۔ بسر اوقات سے وہ مایوس ہو جاتا تھا۔ کہ سینہ زوری یا دغا بازی حصول معاش کے دو ہی رستے تھے۔ گھر والوں کی امداد سے وہ محروم ہو جاتا تھا۔ کہ محبت کا ذریعہ بجز کفر پرستی کے کوئی نہ تھا۔ اندر اور باہر ہر جگہ آگ لگجاتی تھی جس میں جلنے سے چارہ نہ تھا۔ لعنت و ملامت۔ سب و شتم جسمانی اذیت اور جان کا خوف ہر طرح کی مصیبت برداشت کرنی پڑتی تھی کہ اہل وطن کے پاس اسکے لئے یہی وجہ مدارات تھی۔ حمایت کرنے والا پناہ دینے والا زبان

سے آفرین کہنے والا دل سے ہمدردی رکھنیوالا کوئی نظر نہ آتا تھا کہ تمام فضا ایک ہی رنگ سے رنگین تھی ان حالات میں جن لوگوں نے دین حق کی آواز پر لبیک کہا۔ ان کی قوت ایمان کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ اُنہوں نے تمام دیرینہ عادتوں کو چھوڑا۔ تمام خواہشوں اور لذتوں سے منہ موڑا۔ بھوک پیاس اور برہنگی کی تکلیف برداشت کی۔ مار پیٹ اور طعن تشنیع کو گوارا کیا جلتی آگ میں جلے۔ تپتی ریت میں بھنے۔ نیزوں سے جگر فگار ہوئے تلواروں سے گردنیں کٹیں۔ مگر زخم کھاتے ہوئے زبان پر کلمہ توحید جاری رہا۔ جان دیتے ہوئے آنکھیں چہرہ رسول کو ڈھونڈھتی رہیں۔ دل میں شوق الٰہی کی آگ بھڑکتی رہی دماغ میں محبّت رسول کا چراغ روشن رہا۔ ہر تکلیف کو راحت سمجھا۔ ہر زحمت کو نعمت جانا۔ جان دیتے ہوئے دعا کرتے رہے کہ رسول کی جان سلامت رہے اپنے بیٹے اور بھائیوں کو خاک و خون میں آلودہ دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔ کہ حبیب خدا پر جان قربان کی۔ بے سامانی میں سامان والوں سے اور قلت میں کثرت والوں سے مقابلہ کیا اور کہا کہ ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں جو موسٰے اور اسکے خدا کو جنگ میں بھیجیں اور خود گھر میں بیٹھ رہیں۔ ہمارا کام جان فدا کرنا ہے بے سامانی اور قلت ہمیں مزاحم نہیں ہو سکتی؛

آغاز اسلام اور ہجوم مصائب کے وقت جو با اقبال پروانہ بنکر شمع اسلام پر نثار ہوئے اور بیحالی میں وجد و حال کی دولت تک پہنچے ان کی رفعت و منزلت کا کیا شمار جن لوگونکو مولفۃ القلوب کے ادنےٰ لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور جو یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ط کے وقت میں اس رتبہ پر آئے اُن کا بھی بعد کے زمانوں سے مقابلہ کرو تو حقیقت کھلے کہ اسلام لانے پر کیسی قربانیاں کرنی پڑی اور کیسی کیسی خواہشوں اور راحتوں سے روگرداں ہونے پر مجبور ہوئے ہیں۔ کفر کی حالت میں جو دل کی خواہش ہو وہی ان کا دین تھا۔ اپنی آرزو کو بر لانے میں قتل سے باک نہ تھا۔ لوٹ مار سے پرہیز نہ تھا۔ دوسرے کی عزت و ناموس کو برباد کرنے میں رکاوٹ نہ تھی بیگانے مال و زن اور زن و بچہ پر تصرف کرنے میں جھجک نہ تھی۔ راحت کو چھوڑنے اور عیش و آرام سے مُنہ موڑنے کی کسی وقت اور لحظہ میں ضرورت نہ تھی۔ اسلام لائے تو سونے اور جاگنے میں وقت کی پابندی کرنی پڑی۔ سردی اور گرمی میں فرائض عبادت بجالانے کی تکلیف اُٹھانی پڑی۔ ظاہری ناامیدی میں نادیدہ ہستی پر آس لگا کر تدلعم کی تکلیف میں دار آخرت کے راحت و آرام کا یقین رکھ کر برہنہ پا خارزاروں کو طے کرنا اور برہنہ سر عظمت و جبروت کے پہاڑوں سے ٹکرانا پڑا۔ بیویوں کے حقوق ادا کرنے پڑے۔ لڑکیوں کی خبرگیری کرنی پڑی۔ غلاموں سے حسن سلوک برتنا پڑا۔ دوستوں سے وعدہ وفائی کرنی پڑی سب پر طرہ

یہ کہ دشمنوں کے ساتھ بھی حد اعتدال سے تجاوز نہ کرنے کی تاکید ہوئی اور درگذر کرنے کی ترغیب دیگئی۔ حالانکہ پہلے وہ ان سب باتوں سے آزاد تھے اور کسی کی محبت یا رعایت حقوق کے نام سے واقف نہ تھے ؛

حالات میں اتنے بڑے انقلابوں اور عادت وخواہش کی ایسی ایسی مزاحمتوں کے بعد ملا کیا؟ نادیدہ ہستی کی خوشنودی اور نادیدہ جہان کی راحت کا وعدہ۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت آخر تک اسلام عرب کے گوشہ میں محدود تھا اور پیروان اسلام بے آب وگیاہ جنگلوں کے بن باسی۔ اسوقت تک ریوڑونکی گلہ بانی یں جنگلوں کی خاک چھاننے یا چند نخلستانوں کی حفاظت میں گردوباد سے آلودہ ہونے کے سوا اسلامیونکے پاس کوئی دولت نہ تھی۔ بیشک رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارک فیاضی میں دریا اور دُر پاشی میں ابر نیساں سے زیادہ تھی اور آپکے خوشحال اور تنگدست جان نثار جو کچھ پاس ہو مستحقین پر لٹانے اور خود فاقہ کشی کرنے میں کوتاہی نہ کرتے تھے۔ مگر تمام مخلوق کو سیر کرنا خدا کے سواکسیکے بس میں نہیں اور عرب میں قلیل المقدور کھجوروں یا بھیڑ بکری کے ریوڑوں کے سوا دھرا کیا تھا۔ اگر کسی کو چند خروار غلہ کے یا چند بکریونکا گلہ دے بھی دیا۔ تو اسقدر بلکہ اس سے بہت بہت زیادہ اپنے زور بازو اور لوٹ مار سے مہیا کر سکتے تھے۔ کیا ہزار طرح کی پابندیاں اور بات بات میں حق وباطل کے امتیاز کا درد سر اُٹھانے کی ترغیب محض اتنی سی بات سے ہوسکتی تھی کہ اونٹ لاد کر خوراک کا لے آئینگے یا بکریونکا دودھ پی لینگے؟

نہیں ان تمام بدعادتوں کو چھوڑنے اور ہر قسم کی نیکی اور پارسائی کی زحمت اُٹھانے کا سبب وہ شوق حق پرستی تھا جو کیکی شیریں آواز نے لا الہ الا اللہ کہہ کر دلوں میں بھر دیا اور نگاہ نازنے قُومُوا باذن اللہ کے اشارہ سے مردوں کے اندر میں جان ڈال کر ولولہ محبت سے تڑپا دیا۔ وہ آواز جسکا اثر آجتک دلوں کو گرماتا اور سینوں میں شوق کی آگ بھڑکاتا ہے اُن کے اپنے کانوں سے سُنی۔ وہ نگاہ جسکے گوشۂ التفات کی آرزو ایک عالم کو آجتک بیقرار اور اشکبار رکھتی ہے۔ اُنپر براہ راست پڑی۔ جن کوچوں میں حبیب خدا کا نقش قدم جا ہے۔ ان میں سینہ کے اندر دل اور دل کے اندر درد رکھنے والے سواری پر چلنا گوارا نہیں کرتے وہ قدم اُن کی خوش نصیب آنکھوں سے مس ہوتے۔ وہ روئے زیبا جسکا دیدار خواب میں ہو جائے تو عاشق نثار اپنے تئیں اقبال میں سکندر اور برکت میں خضر سمجھتا ہے روزانہ اُن کی آنکھونکا نور اور دل کا سرور تھا۔ وہ پاک ومطہر مجلس جس میں پتھر کلمہ پڑھتے اور درخت سجدہ کرتے

تھے اُن بخت بلندوں کو اپنی آغوش میں لیتی تھی اور وہ صحبت کیمیا اثر جو سکۂ قلب کو کندن بنا دے ان اقبالمندوں کو شب و روز میسر تھی؛

ہم جیسے بدنصیب محفلیں برہم ہونے اور اہل محفل کے خوابگاہوں میں سدھارنے کے بعد دیار ہستی میں آئے۔ فیض صحبت کی لذّت دیکھی نہیں نہ نگاہ کرم کا اثر آزمایا نہیں، دل آوارہ ہیں خیالات پراگندہ ہیں۔ ارباب ہمم کی خدمت میں باریاب ہونے کے اثر سے منکر اور اہل کرم کے حضور میں حاضر ہونے کی دولت سے ناآشنا ہیں اور لومڑی کی طرح انگوروں کو ترش کہہ کر انکی اہمیت کم کرنی چاہیں تو کون مانتا ہے۔ صحبت رسول کا اثر آجتک نمایاں ہے اور فیض کا دریا جو سینہ بہ سینہ موجزن ہوتا ہوا طوفان بدامن چلا آرہا ہے۔ اُسیکا نتیجہ ہے کہ محمد الرسول اللہ کہنے والوں سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں اور اس نام کی برکت ماننے والوں کا جوش محبت اب تک اغیار کو محوحیرت کئے ہوئے ہے ورنہ دلپر غیبی قوت کی گرفت نہو تو بحث و تکرار اور کسیکے وعظ و نصیحت سے کبھی کوئی قدم نیکی کی جانب اُٹھ نہیں سکا اور عقلی جولانیاں قلب کو نور ایمان سے معمور کرنے میں ہمیشہ ناکام رہی ہیں۔ پس جن لوگوں نے اس صحبت کو براہ راست حاصل کیا اور اس نُور نبوت سے بیواسطہ فیضیاب ہوئے جو صحبت اور جو نور ان کی وساطت سے آجتک دُنیا میں سرگرم عمل ہے اُن کی افضلیت اور برتری میں اسی شخص کو کلام ہو سکتا ہے جو اثر صحبت سے ناآشنا ہے اور اس دولت کا قدر شناس نہیں؛

مرزا احمد سلطان صحابہ کرام کا درجہ شیعہ مجتہدین سے برتر ہونے پر محوحیرت ہیں مگر آجکل کے مجتہدین ایک طرف رسول علیہ السلام کے بعد جس مسلمان بندہ نے دنیا میں آنکھ کھولی اُس نے اسلام کا جھنڈا گڑا دیکھا۔ اسلامی حکومت قائم دیکھی۔ دنیا کو اسلام کے قدموں میں گرتے۔ اور اسلامیوں کو رفعت و عظمت کی سیڑھی پر چڑھتے دیکھا۔ دین میں پختہ ہونے پر تعریفیں ہوتی علم میں فائق ہونے پر قدر افزائیاں کیجاتی نظر آئیں۔ عوام پر دینداری و پارسائی کا رعب غالب پایا امراء کو اہل تقوے کے آگے جھکتے دیکھا۔ نتیجہ یہ کہ دلمیں خود بخود نیکی و دینداری کی رغبت محسوس ہونے لگی۔ دماغ نے آپ سے آپ جد و جہد کے میدان میں گامزن ہونے کی ترغیب دی اسحالت میں جس سعادتمند نے راستبازی و پاک باطنی کی مشق بہم پہنچائی۔ زہد و پارسائی میں ولایت کا درجہ اور علم و حکمت میں اجتہاد کا منصب حاصل کیا اُسنے اچھا اور اپنی کوشش کے مطابق تعظیم و تکریم کا مستحق ٹھہرا مگر اُسوقت کے زہد و ریاضت کرنیوالوں کو ان نفوس قدسیہ سے کیا

نسبت جنہوں نے ایمان کا دامن اُسوقت پکڑا تھا جبکہ اس کوشش پر انکا اپنا دل مچلتا تھا۔ اپنے پرائے ملامت کرتے تھے اور دوست دشمن بنکر ایذا رسانی کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑتے تھے مگر رسول کے قدموں پر نثار ہونے کا شوق اور صحبت رسول کی غیبی کشش کسی مصیبت اور کسی طرح کی تکلیف کو محسوس نہونے دیتی تھی اور ایمان کی مشعل جو دلمیں روشن ہوجاتی تھی مصیبت کے طوفانوں اور ایذا و تکلیف کی آندھیوں سے گل نہ ہوسکتی تھی۔ ایسا وقت ایک بار آیا۔ پھر قیامت تک نہ آئیگا آفتاب رسالت ایکدن چمکا پھر کبھی طلوع نہ کریگا۔ اسوقت کی مصیبت برداشت کرنے کے لئے جن ارواح طیبہ کو انتخاب کیا گیا۔ اور اس آفتاب سے نور اخذ کرنے کیلئے جو آئینے مجلا ہوے دوسرے وقت میں اور تاریک زمانے میں اُنکی برابری کا دعوے کرنا شب کو روز روشن کے برابر کہنا اور زنگار کو آئینے کے مقابل ٹھہرانا ہے یعنے غلط اور ناممکن۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیدائے کہ شمشیرِ بلا بر سر گشند

یہ وہ لوگ ہیں جن کے وجود حقتعالے نے رسول خدا کیلئے نعمت ہونے میں اپنی امداد غیبی کے برابر ٹھہرایا ہے اور شہادت دی ہے کہ انکا ایک کلمہ توحید پر متحد ہوجانا مال و زر کی طمع سے نہ تھا مال و زر تمام دنیا کا بھی ایسا اتحاد پیدا کرنے سے عاجز تھا۔ یہ خدا کی رحمت سے ہے جو اُنپر مبذول ہوئی اور جب یہ لوگ خلوص قلب سے متحد ہوگئے تو اب ہماری غیبی تائید اور ان لوگوں کا وجود اشاعت اسلام کیلئے کافی ہے؛

هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ
وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ
لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ
جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ
یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ
اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (سورہ انفال آیۃ ۶۲، ۶۳، ۶۴)

خدا وہ ہے جس نے تمہاری تائید کی اپنی مدد سے اور مومنین کے وجود سے اور ان کے دلوں میں اتحاد پیدا کیا۔ اگر تم تمام زمین کی دولت خرچ کردیتے۔ جب بھی انہیں یگانگت پیدا نہ کرسکتے تھے۔ یہ اتحاد خدا نے پیدا کیا ہے۔ وہ بہت بڑی عزت و حکمت کا مالک ہے۔ اے نبی تمہارے لئے خدا اور تمہاری اطاعت گذار مومنین کافی ہیں؛

یہی وہ بزرگوار ہیں جن کا درجہ عبادت گذاروں اور کعبۃ اللہ کو آباد کرنے والوں سے برتر قرار دیا گیا ہے۔ اسلئے کہ اُنہوں نے اپنے جان و مال کو راہ حق میں نثار کیا؛

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ط الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ط وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ط (توبہ پارہ ۱۰ رکوع ۳)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور کعبۃ اللہ کو آباد رکھنا برابر سمجھا ان لوگوں کے ثواب کے جو خدا اور روز قیامت پر ایمان لائے اور خدا کی راہ میں جہاد کرتے رہے۔ خدا کے نزدیک یہ سب برابر نہیں ہیں اور خدا ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا اپنی جان اور مال سے وہ خدا کے نزدیک درجہ میں اوروں سے بڑے ہیں اور وہی کامیاب ہونیوالے ہیں؛

یہی نفوس قدسیہ ہیں جنپر خدا نے اپنی نعمتیں مبذول فرمانے کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے اُن کو آتش جہنم سے رہائی دی؛

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ط (آل عمران پارہ ۴ رکوع ۱۱)

سب ملکر خدا کی رسی کو پکڑ لو۔ اور اختلاف نہ کرو اور خدا یتعالے کی نعمت کو یاد کرو۔ کہ تم باہم دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی تم اُس کی رحمت سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے غار کے کنارہ پر تھے خدا نے تم کو اس سے نکالا۔ اسی طرح خدا اپنے نشانہائے لطف و کرم کا ذکر کرتا ہے۔ کہ تم ہدایت پاؤ؛

یہی ارواح طیبہ ہیں جن کی صفات جلال و جمال کی تعریف کیگئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ توریت و انجیل بھی ان کے ذکر میں رطب اللسان ہیں؛

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ط وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ط سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ط ذٰلِكَ

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں کفار پر سخت ہیں باہمدگر رحیم ہیں۔ تم اُن کو دیکھتے ہو کہ رکوع و سجود کرتے ہیں اور خدا کا فضل اور اُسکی رضامندی طلب کرتے ہیں۔ سجدہ کے اثر سے اُنکے چہروں پر نشان ہیں۔ یہی اُن کی

مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ (جن کی) توصیف توریت میں ہے اور یہی انجیل میں ؛

یہی وہ رفیقانِ باصفا ہیں جن کے داغ مفارقت دے جانے کے بعد جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اپنے ہمراہی شیعیان اہلبیت میں کوئی ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔ حالانکہ ہمراہیان جناب مرتضیٰ (شیعہ اور سُنی دونوں کے نزدیک بجائے خود بہترین افراد اُمت ہیں اور شیعیان مابعد مجتہد ہوں یا مقلد اپنے تئیں انکے برابر سمجھنے کی جرأت نہ رکھتے ہونگے۔ کیونکہ وصی رسول کے تمام علوم و معارف اور ہر طرح کے نکات حکمیہ شائقین فرامین مرتضوی تک انہی خادمان دربار کی وساطت سے پہنچے ہیں اور یہ بزرگوار ایک طرف حقوق ولایت و امامت کی حمایت میں جناب مرتضیٰ کے ہمرکاب اپنا خون بہاتے رہے ہیں۔ دوسری طرف آنجناب کی زبان مبارک سے جو دُرپاشی ہوتی رہی ہے اسے عالم میں مشتہر کرتے رہے۔ دربار امامت کے اولین جان نثار اور بےواسطہ شاگرد ہیں۔ مجتہدین و علمائے ملت کے محسن قدیم اور بزرگترین استاد ہیں ان کی افضلیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر صحبت رسُول کی برکات اور غلامی دربار نبوت کا امتیاز وہ شرف ہے جسے ان لوگوں نہیں نہ پاکر جناب امیر علیہ السلام حسرت کے آنسو بہاتے ہیں اور فرماتے ہیں ؛

میں نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دیکھا ہے۔ تم میں کوئی بھی تو اُن کی نظیر دکھائی نہیں دیتا وہ اسحالت میں صبح کرتے تھے کہ اُلجھے ہوئے بال غبار آلودہ چہرے۔ اُنکی راتیں قیام و سجود میں گذرتی تھیں۔ کبھی انکی پیشانیاں صرف سجود ہوتی تھیں کبھی رُخسار۔ وہ اپنی معاد کے ذکر سے ایسے ہو جاتے تھے۔ جیسے بقیہ ملاحظہ انگاروں پر کھڑا ہوا ہو (اور ان میں ذرا بھی حس و حرکت نہ رہتی تھی) سجدوں کے طول سے اُنکی آنکھوں کے درمیان گھٹے پڑ پڑ کے ایسے ہو گئے تھے جیسے بکریوں کے زانو۔ جب خدائے تعالےٰ کا ذکر ہوتا تو انکی آنکھیں اشکبار ہوتی ہوئی جیب و دامن کو تر بتر کر دیتی تھیں وہ خوف عقوبت سے اور امید ثواب سے ایسے لرزتے تھے جیسے سخت آندھی کیوقت درخت جنبش کیا کرتے ہیں ؛ (ترجمہ نہج البلاغت صفحہ ۱۳۲)

"کہاں ہیں وہ گروہ جنہیں اسلام کی طرف بلایا جاتا تھا اور وہ اسے قبول کر لیتے تھے۔ وہ قرآن پڑھتے تھے اپنے اعتقاد کو اسکے ساتھ مضبوط کرتے تھے جہاد کیلئے برانگیختہ ہوتے تھے اور اپنی دودھ دینے والی اونٹنیوں کو اُن کی اولاد سے جدا کر دیتے تھے وہ اپنی تلواریں نیاموں سے کھینچ لیتے تھے وہ دستہ دستہ اور گروہ گروہ ہو کر اطراف زمین پر چھا جاتے تھے اسپر قبضہ کر لیتے تھے بعض انہیں سے ہلاک ہو جاتے تھے بعض نجات پا جاتے تھے۔ نہ زندہ رہنے والوں کی زندگی پر انہیں خوشخبری کی آرزو تھی نہ مرنیوالے کی تعزیت میں مصروف ہوتے تھے۔ ان کی آنکھیں روتے روتے تباہ ہو گئی تھیں ان کے شکم روزہ رکھتے رکھتے لاغر ہو گئے تھے دعائیں کرتے کرتے اُنکے ہونٹ سوکھ

گئے تھے شب بیداریوں سے زردیاں اُنپر چھا گئی تھیں۔ سجدوں کا غبار انکے چہروں پر موجود رہتا تھا وہ لوگ میرے بھائی تھے جو چلے گئے۔ ہمپر لازم ہے کہ انکی ملاقات کے پیاسے رہیں اور انکی جدائی پر اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹا کریں"۔ (ترجمہ نہج البلاغت صفحہ ۱۳۲)

"اُتو میری دُعا ہے۔ اور میں اسبات کو دوست رکھتا ہوں کہ پروردگار عالم میرے اور تمہارے درمیان تفرقہ اندازی کردے اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ ملحق فرماوے جو تم سے زیادہ میرے لئے سزاوار ہوں وہ ایسے لوگ تھے قسم خدا کی انکی رائیں اور تدبیریں ہمیون و مبارک تھیں۔ وہ دانشمندانہ اور حکیمانہ بردباریوں کے مالک تھے وہ راست گفتار تھے وہ بغاوت اور جور و ستم کے ترک کرنیوالے تھے۔ گذر گئے درآنحالیکہ اُن کے پاؤں طریقۂ اسلام پر تھے وہ راہ واضح پر چلے اور ہمیشہ رہنے والی سرائے عقبےٰ میں فتح و فیروزی حاصل کی نیک اور گوارا کرامتوں سے فیضیاب ہو گئے"۔ (ترجمہ نہج البلاغت صفحہ ۱۶۸)

صحابہ کرام کی یہ شان ہے جو حقتعالےٰ نے اُنکے سامنے قرآنمیں اور اُنکے وجود میں آنے سے بہت پہلے توریت و انجیل میں بیان فرمائی۔ اور یہ فضائل و کمالات ہیں جن کی یاد میں جناب مرتضےٰ علیہ السلام بار بار رطب اللسان ہوتے ہیں۔ شیعہ فریق کے مومنین و مجتہدین اور اہل سنت کے اولیاء کاملین زہد و اتقا میں محنت و ریاضت میں ہم سیہ کاروں سے افضل و برتر بیشک ہونگے مگر رسول علیہ السلام کی معیت حضور سرور عالم کے ہمرکاب جان و مال نثار کرنے کی سعادت حضور کے وصال پر حضور کے نام کو چار دانگ عالم میں مشہور کرنے کی خدمت۔ کمزوری کی حالت میں دنیا کی تمام عظمت و جبروت کا مقابلہ کرنے کی جرأت اور آئندہ نسلوں کے واسطے شاہراہ ہدایت کو صاف اور خارزار جہالت کو پامال کرنے کی مشقت روز ازل سے انہی جوانمردوں کے نام پر لکھی جا چکی تھی اور اس عدیم المثال کارنامہ کیلئے یہی اقبالمند منتخب ہو چکے تھے۔ انکی یہی جان نثاری اور خلوص نیت ہے جسکی بدولت بارگاہ ربانی سے قدر افزائی کے پروانے نازل ہوتے رہے اور انکے پس ماندہ بھائی ان کی مفارقت میں دنیا سے بیزار ہو کر یاد رفتگاں میں اشکباری کرتے رہے اور جب اُنکی دوسری نسل کو جناب علی مرتضیٰ جیسا مبصر و نقاد اُن سے ایسا کمتر پاتا ہے کہ جانے والوں کی یاد میں بیقرار ہو کر اپنے رفیقوں کے ساتھ رہنے پر موت کو ترجیح دیتا ہے تو بعد میں آنے والے ان رتبوں کو کیونکر پہنچ سکتے ہیں جبکہ اُن جیسی ابتلا سے دوچار ہونے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ہاں مبداء فیاض کی طرف سے بخل نہیں اور جس شخص کو جس قسم کی آزمائش میں پورا اترنے کا موقع میسر آیا ہے اس کا انعام اسکی کوشش کے مناسب ہمیشہ ہی عطا ہوا ہے۔ مگر جو امتحان دُنیا میں ایک ہی بار لیا گیا ہے اسکی کامیابی بھی شامل ہونیوالوں کو

کو ہی ملسکتی ہے۔ دوسرے کیا حق رکھتے ہیں!

صحابہ کرام کے نمایاں اور روشن حالات جو صفحۂ دہر پر ثبت ہیں۔ ممالک مفتوحہ پر منقوش ہیں اوراق تاریخ پر مکتوب ہیں اور کیسے چھپائے چھپ نہیں سکتے۔ اور اُن کے محاسن و محامد جو صحیفہ ہائے آسمانی میں مندرج ہیں فرامین دربار رسالت میں مذکور ہیں۔ ارشادات صلحائے کاملین میں بیان فرمائے گئے ہیں اُن سب کا احصا و شمار انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اس تحریر میں یہ سعادت حاصل کرنے کا موقع ملا تو اختصار کے ساتھ انکے کارناموں کیطرف اشارہ کیا گیا۔ آیات قرآنیہ میں سے جو اس مضمون پر کثرت سے ہیں چند ایک بلا انتخاب ذکر کر دی گئیں۔ سب سے معتبر جناب علی مرتضیٰ کی شہادت شیعی روایات کی سند پر درج کیگئی ظلم ہوگا اگر اس موقعہ پر فرامین دربار رسالت سے تبرک حاصل نہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تمام صحابہ کے بارہ میں اور نام بنام بہت سے خوش قسمت افراد کی نسبت نہایت کثرت سے مروی ہیں۔ معتبر اور صادق القول راویوں کی وساطت سے صحابہ کرام کی شان میں روایت ہے کہ "میرے اصحاب کے بارہ میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ۔ اگر کوئی شخص کوہ احد کے برابر زر خالص خیرات میں دے تو اُن کے سیر آدھ سیر کے برابر نہیں ہو سکتا۔" "جس نے اُن سے محبت کی میری محبت کی وجہ سے محبت کی جس نے اُن سے بغض رکھا میری عداوت کی وجہ سے بغض رکھا جس نے اُن کو اذیت دی مجھے اذیت پہنچائی جس نے مجھے اذیت پہنچائی گویا خدا کو اذیت پہنچائی اور جس نے خدا کو اذیت پہنچائی وہ عنقریب ماخوذ ہوگا۔" جناب علی مرتضیٰ کی نسبت ارشاد ہے کہ "تم میرے ساتھ وہ تعلق رکھتے ہو جو ہارون موسے کے ساتھ رکھتے تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہو گا۔ تم میرے بھائی ہو دنیا اور آخرت میں جو مجھے دوست سمجھے وہ علی کو دوست سمجھے۔ یا الٰہی تو دوست سمجھ اُسکو جو علی سے محبت رکھے اور دشمن سمجھ اُسکو جو علی سے دشمنی رکھے۔" جناب شیخین کا ایک طرف سے ایک کا ہاتھ اور دوسری جانب سے دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ "ہم اسی طرح قیامت کو اُٹھائے جائینگے" اور فرمایا ہے کہ "ہر نبی کے وزیر ہوتے ہیں میرے دو وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں اور دو وزیر صدیق و فاروق ہیں۔" جناب صدیق کی نسبت ارشاد ہے کہ "اگر میں خدا کے سوا کسیکو خلیل بناتا تو وہ ابوبکر تھے مگر میرا خلیل صرف خدا ہے میں نے ہر شخص کے احسان کا عوض ادا کر دیا ہے مگر ابوبکر کے احسان کا عوض خدا ہی ادا کر سکتا ہے۔" جناب فاروق کی نسبت فرمایا ہے کہ "میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے اور گذشتہ امتوں میں محدث (ملہم) ہوتے رہے ہیں میری اُمت میں کوئی ہے تو وہ عمر

شیطان عمر کو دیکھ کر رستہ چھوڑ دیتا ہے"۔ جناب ذوالنورین نے جیش عُسرت کی تیاری میں آنحضرت کو مسرور کیا تو وہ دفعہ ارشاد ہُوا کہ "اس کے بعد عثمان جو عمل کرے مضر نہو گا"۔ "ہر نبی کا رفیق ہوتا ہے، میرا رفیق جنت میں عثمان ہے۔ عثمان سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں"۔ اُن کے علاوہ احادیث میں اکثر جلیل القدر صحابہ کا ذکرِ خیر ہوا ہے حتے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت بھی دُعا مروی ہے کہ "خُداوندا اُن کو ہادی اور ہدایت یافتہ بنا"۔

یہ سب روایات حصول سعادت کی نیت سے درج کیگئی ہیں یا اس خیال سے کہ اہلسنت اپنے ایمان کو تازہ کرنے کا موقع پائیں۔ ورنہ بزرگان امامیہ اہلسنت کی روایات پر توجہ نہیں کر سکتے جبکہ انکے ہاں کسی روایت میں صحابہ کو مرتد کہا گیا ہے کسی میں منافق۔ کسی میں ظالم اور کسی میں ضعیف الایمان اور نہایت کوشش ہوتی رہی ہے کہ کبھی اُن کی نسبت کلمہ خیر درج ہو گیا ہو تو بعد میں کسی حیلہ سے اسکے خلاف اظہار بھی ثبت کر دیا جائے۔ مگر صداقت کا معجزہ ہے اور اُن خاصان خدا کی کرامت کہ باوجود سخت مخالفانہ کد و کاوش کے اُن کی عظمت و جلال کا اعتراف بھی بعض بعض جگہ نہایت وضاحت سے ہو گیا ہے۔ بالاجمال تمام اصحاب رسُول کی تعریف اور اُن کے اوصاف حسنہ کا ذکر حضرت علی مرتضیٰ کی زبان مبارک سے اوپر گذر چکا ہے۔ فرداً فرداً اصحاب کبار کی تعریف کا ان روایات میں گمان ہی نہیں ہو سکتا۔ مگر منجملہ خلفائے راشدین کے سب سے زیادہ عقیدت جناب مرتضےٰ سے ہے تو سب سے زیادہ نفرت جناب ذوالنورین سے اور انہی کی نسبت صداقت کا اظہار بھی علانیہ ہو گیا ہے۔ جناب مرتضےٰ کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ مباہلہ میں قرآن کے اندر رسُول اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے تئیں حاضر کرو مگر آنحضرت نے اس موقعہ پر اپنے ساتھ جناب مرتضیٰ ہی کو شریک کر لیا ہے۔ اس بنا پر جناب مرتضےٰ کے وجود کو اور آنحضرت کے وجود کو بالکل ایک تصوّر کرنا شاعرانہ تلمیح ہو گی۔ ورنہ آنحضرت جسکے بیٹے ہیں علی مرتضےٰ اسکے بیٹے نہیں ہو سکتے اور آنحضرت جسکے باپ ہیں علی مرتضیٰ اسکے باپ نہیں ہو سکتے۔ مگر ہاں یہ ہے بہت بڑا امتیازی خاصہ کہ جس موقع پر حضرت کی اپنی طلبی ہو وہاں جناب مرتضیٰ کو بھی ساتھ لے جائیں۔ اسی قسم کی عنایت جناب عثمان پر ہوئی ہے اور شیعی روایت میں اسکو تسلیم کیا گیا ہے کتاب الروضہ فروع کافی میں غزوہ حدیبیہ کا طویل ذکر ہے (صفحہ ۱۵۰) جسمیں وہ بیعت بیگئی ہے جس کی فضیلت قرآن میں وارد ہے۔ اسے بیعۃ الرضوان کہتے ہیں اور صحابہ کرام میں جنگ بدر میں شامل ہونے والوں کے بعد ان لوگوں کا درجہ سب سے افضل مانا جاتا ہے جو بیعت

رضوان میں شریک تھے۔ کیونکہ واقعہ بدر کی طرح اسموقعہ پر بھی بہت قلیل تعداد کو تمام اہل مکہ سے جنگ کرنے کا احتمال تھا۔ اور نہایت قوی الایمان لوگوں کا کام تھا کہ ایسے سخت معاہدہ میں اپنے تئیں پیش کریں۔ جنگ کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے باہر قیام فرماکر حضرت عثمان کو شہر میں یہ پیغام دیکر بھیجا کہ ہمکو حج کی اجازت دے دیجائے۔ عثمان کو وہاں روک لیا گیا یہاں خبر مشہور ہوئی کہ عثمان قتل کئے گئے آنحضرت نے فوراً جنگ کا اعلان کیا اور اصحاب سے بیعت لی کہ جنگ سے روگرداں نہ ہونگے۔ سب سے بیعت لے چکے تو حضرت نے اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ ایک ہاتھ ہمارا ہے اور دوسرا عثمان کا۔ یہ ویسا ہی شرف ہے جیسا حضرت علے کو عطا ہوا تھا۔ کہ حضرت نے اپنا اور عثمان کا ہاتھ ایک فرض کیا اور جو معاہدہ خود اپنی زبان مبارک سے کیا ہی یقین کرلیا ہے کہ عثمان اسپر کاربند رہینگے۔ حضرت امام جعفر صادق اس واقعہ کو بیان فرماتے ہیں اور عثمان کے واسطے حضرت کا اپنے دست ہائے مبارک سے بیعت لینا تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ عثمان کے جانے پر لوگوں نے کہا کہ عثمان بہت خوش قسمت نکلے پیغام بھی پہنچا ئینگے اور طواف کعبہ بھی کرلینگے حضرت نے فرمایا کہ عثمان ایسا نہ کرینگے چنانچہ یہی ہوا۔ واپس آئے تو آپنے دریافت فرمایا کہ طواف کیا تھا عرض کی کہ میں ہرگز طواف کی سعادت حاصل نہ کرسکتا تھا جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ موقع نہیں ملا عثمان کا ایسا خلوص اور حضرت کا اس خلوص پر ایسا اعتماد اور اپنے دست و زبان کے ساتھ عثمان کی طرف سے معاہدہ ان تمام فضائل پر اہلسنت کا ایمان ہے۔ اور شکر کا مقام ہے کہ امام صادق بھی اس عقیدہ میں اہلسنت کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں۔ بلکہ اسکے علاوہ دوسرے موقع پر امام جعفر فرماتے ہیں کہ کوئی پکارنے والا صبح کے وقت آسمان سے پکارتا ہے کہ علی اور آپکے شیعہ فائز المرام ہیں اور شام کے وقت کوئی پکارنے والا پکارتا ہے کہ عثمان اور آپکے شیعہ فائز المرام ہیں (کتاب الروضہ صفحہ ۶۷ مطبوعہ ۱۸۸۶ء) یہی روایت ایک اور جگہ دو ایک راویوں سے مروی ہے اور عثمان اور شیعیان عثمان کے علاوہ فلان اور شیعیان فلان کے فائز المرام ہونے کا بھی ذکر ہے (کتاب الروضہ صفحہ ۹۹) اور فلاں سے محاورہ شیعیان میں ابوبکر و عمر مراد ہوتے ہیں۔ یہ سب بیانات بالکل مطابق واقعہ اور صحیح ہیں۔ ابوبکر و عمر۔ علی اور عثمان میں نہ کچھ اختلاف تھا نہ انکے متبعین میں عناد سب ہنما اور ہادی باہم شیر و شکر اور ایک دوسرے کے معاون تھے اور سب کے متبعین ہم مذہب و ہم خیال۔ بعد میں چونکہ تفاوت سمجھ لیا گیا ہے۔ اسلئے عبد الرحمن بن مسلمہ اور ایک اور شخص سوال کرتا ہے کہ دونوں نداؤں میں سے صادق کسے سمجھیں۔ امام جعفر کیطرف سے جواب ہے:

يُصَدِّقُهُ عَلَيْهَا مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِهَا قَبْلَ اَنْ يُنَادِي اِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ اَفَمَنْ يَّهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْ اِلَّا اَنْ يُّهْدٰی (کتاب الروضہ صفحہ ۹۹ روایت داؤد بن فرقد)

منادی کی اس شہادت کو وہ شخص تصدیق کرتا ہی جو ندا کئے سے پہلے ہی اسپر ایمان رکھتا ہی حقتعالےٰ فرماتا ہی کیا جو شخص حق کی طرف ہدایت کرتا ہی اسکی اطاعت چاہئے یا اُس شخص کی جو ہدایت نہیں پاتا جب تک اُسے ہدایت نہ دیجائے۔

شیعہ خدا جانے اس فرمان کا کیا مطلب نکالتے ہونگے ورنہ لفظ تو صاف ہیں کہ ہم کو ندا سے پہلے ہی وو ندا اُنپر یقین ہے۔ ہم جو حق کی ہدایت کرنیوالے ہیں تمکو ہماری روایت پر یقین کرنا چاہئے جو لوگ خود دوسروں سے تصدیق کرتے پھریں وہ کیا بتا سکتے ہیں؟

غرض جناب ذوالنورین کی نسبت صاف اعلان ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ حال و قال میں متحد ہونے کی فضیلتیں آنجناب میں بھی اسی طرح پائی جاتی ہیں جس طرح جناب مرتضی میں۔ پھر دیکھئے کہ خندق کھودتے ہوئے آنحضرتؐ نے ایک پتھر پر کلہاڑی چلائی ہے تو پتھر ٹوٹ گیا ہے اور حضرتؐ نے فرمایا ہے؛

لَقَدْ فُتِحَتْ عَلَيَّ فِيْ ضَرْبَتِيْ هٰذِهٖ كُنُوْزُ كِسْرٰى وَقَيْصَرَ (کتاب الروضہ حدیث جعفر صادق بروایت ابان ابن عثمان صفحہ ۱۰۲ سنہ ۱۸۸۶ء)

میری اس ضرب سے کسریٰ و قیصر کے خزانے ہمارے لئے کھل گئے

اس فرمان میں جن لوگوں کی عرقریزی و جانفشانی کو حضرتؐ نے اپنی ذات اقدس کیطرف منسوب فرمایا ہے اور جن کی فتوحات روم و ایران کو اپنے دست مبارک کی ضرب قرار دیا ہے سب وہی بزرگوار ہیں جنپر لعن طعن کرنا ہمارے مہربانوں نے سب سے زیادہ کار ثواب مانا ہے۔ اِن تمام فتوحات کا بڑا حصہ جناب صدیقؓ و فاروقؓ کی خلافت میں پورا ہوا اور یہ سلسلہ جناب ذوالنورین اور حضرت معاویہ کی خلافت تک جاری رہا اور صحابہ کرام میں سے جو نفوس اس وقت تک زندہ رہے ہیں انمیں شاذ و نادر کوئی فرد ہوگا جس نے ان فتوحات میں کسی نہ کسی صورت سے حصہ نہ لیا ہو۔ پس ان تمام ممالک میں جہاد کی مہمیں بھیجنے والے میدان کارزار کا انتظام کرنے والے شمشیر زنی کے جوہر دکھانیوالے سب کے اعمال و افعال کو حضرتؐ نے اسی طرح اپنی ذات اقدس کا عمل قرار دیا ہے جسطرح مباہلہ میں اپنے ساتھ جناب مرتضےٰ کو شریک کیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آنحضرتؐ کو اپنے رفیقوں اور رنج و راحت میں شریک رہنے والوں پر جو شفقت و مرحمت تھی اسکا اقتضا ہے کہ حضرتؐ اُن کی جان کو اپنی جان کے برابر اور اُنکے جسم کو اپنے جسم کے برابر عزیز سمجھتے ہیں اور جیسا موقع ہوتا ہی اُسکے مطابق اپنے طرز عمل اور اسلوب بیان سے اُنکے ساتھ اتحاد و یگانگت کو ظاہر فرماتے ہیں۔ اسی اتحاد کا اظہار رہے

جب مباہلہ کے وقت بی بی فاطمہ کے ساتھ انکے شوہر کو بھی بلا لیا۔ اسی اتحاد کا اعتراف ہے۔ جب اپنے دست و زبان سے عثمان کی بیعت لی اسی اتحاد کا اعلان ہے جب روم فارس کی تسخیر کو اپنی ضرب قرار دیا اور یہی اتحاد صاف الفاظ میں اظہار فرمایا ہے۔ اس فرمان میں جو اہلسنت صحابہ کی نسبت روایت کرتے ہیں کہ ان کی محبت میری محبت ہے۔ ان کا بغض میرا بغض ہے اور انکی ایذا میری ایذا ہے حضرت کو اپنے تمام غلاموں کے ساتھ ایک ہی تعلق ہے اور سب پر یکساں عنایت۔ افسوس ہے انپر جو اس صلائے عام کا اعتراف نہ کریں اور تخصیص و تفریق کرتے ہوئے حضرت کیجانب تنگدلی کو منسوب کریں اور آنجناب کی ایذا دہی کا باعث ہوں۔

بعض جہلا کو حضرت عمر کے فاتح ایران ہونے سے انکار کرتے بھی سُنا ہے اگر مسلمانوں کی تاریخ کوئی راز سربستہ نہیں اور کافی سے زیادہ ثبوت موجود ہے مگر نہیں۔ اُن کو اوراق تاریخ میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں اپنی سب سے معتبر مذہبی کتاب دیکھیں۔ داخل حسنات بھی ہوں اور اس نکتہ کو بھی حل کر لیں۔ بلکہ اسی میں دو اور روائتیں دیکھ لیں تو ایک اور تماشا نظر آئے (۱) امام باقر علیہ السلام بروایت ابی عبیدہ سورۂ روم کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے اجتہاد کے مطابق پہلی آیت کے معنے یوں کرتے ہیں۔ کہ رومی اب تو مغلوب ہو گئے آئندہ چند سالوں میں وہ مسلمانوں کے ہاتھوں پھر مغلوب ہونگے[1] اور مومنین نصرت الٰہی کی خوشی کرینگے۔ راوی عرض کرتا ہے کہ یہاں چند سال فرمایا ہے حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور ابی بکر کا زمانہ گذر کر غَلَبَ الْمُوْمِنُوْنَ فَارِسَ فِیْ اَیَّامِ عُمَرَ (فارس وغیرہ پر عمر کے عہد میں تصرف ہوا ہے) آپنے فرمایا کہ خدا کے کاموں میں جب وہ چاہیے ایسی تقدیم و تاخیر ہو جایا کرتی ہے (کتاب الروضہ صفحہ ۱۲۶) (۲) ابی عمرو الزبیدی ایک بہت لمبی حدیث کے اثنا میں امام جعفر صادق سے دریافت کرتا ہے کہ مشرکین مکہ سے تو جہاد جائز ہوا اسلئے کہ انہوں نے ظلم کیا تھا قیصر و کسریٰ سے قتال کرنا کیونکر جائز ہوا۔ فرمایا۔ کہ مشرکین مکہ نے گھروں سے نکالا ان کا یہ ظلم تھا تو قیصر و کسریٰ نے وہ مال وندبایا ہوا تھا جسپر ان کا کوئی حق نہ تھا مسلمانوں کو ملنا چاہئے تھا۔ (فروع کافی کتاب الجہاد باب من یجب علیہ الجہاد) (۳)۔ بشیر الدخان امام جعفر کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ میں نے خواب میں جناب کو فرماتے سُنا ہے کہ امام مفروض الطاعہ کے بغیر جہاد کرنا ایسا ہی حرام ہے جیسا مردار خون اور خنزیر۔ کیا ایسا ہی ہے آپنے فرمایا۔ هُوَ كَذَالِكَ هُوَ كَذَالِكَ وہ ایسا ہی ہے وہ ایسا ہی ہے۔ کتاب الجہاد کافی باب الجہاد واجب مع من یکون)

[1] آیۃ میں سَیَغْلِبُوْنَ کو بصیغہ مجہول سَیُغْلَبُوْنَ پڑھا گیا ہے۔

ان تینوں روایتوں سے دو دلیلیں مرتب ہوتی ہیں:

۱۔ عمر نے قیصر و کسریٰ سے جہاد کیا (روایت اول) جو جہاد قیصر و کسریٰ سے کیا جائز تھا (روایت ثانی)

نتیجہ

جو جہاد عمرؓ نے کیا جائز تھا۔

۲۔ قیصر و کسریٰ سے جہاد کرنیوالا جائز جہاد کا بانی ہے جائز جہاد کا بانی امام مفروض الطاعہ کے سوا کوئی نہیں (روایت ثانی) ہو سکتا (روایت ثالث)

نتیجہ

قیصر و کسریٰ کے جہاد کا بانی امام مفروض الطاعہ کے سو کچھ ہو نہیں سکتا

یا یوں کہا جائے:

عمر جائز جہاد کا بانی ہے (نتیجہ دلیل اول) جائز جہاد کا بانی امام مفروض الطاعہ ہے۔ (روائت ثالث)

نتیجہ

عمر امام مفروض الطاعہ ہے

روایات ائمہ کی ہیں۔ دلیل منطقی قاعدہ کے مطابق ہے۔ اہلسنت کا اسپر ایمان ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے۔ کہ شیعہ کو قبول کرنے میں تامل کیوں ہے

غرض واقعات گذشتہ کو دیکھو۔ آیات کلام اللہ کو سمجھو۔ اقوال دربار رسالت کو مانو یا فرامین ائمہ کو تسلیم کرو۔ ہر طرح صحابہ کرام کی عظمت و توقیر کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہیں اور ان سے کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں نکل سکتا جسکی زندگی گوناگوں انقلابوں اور بینظیر عزم و استقلال سے خالی ہو۔ یا انکے اوقات گرامی فضائل و محامد کا ثبوت نہ دیں۔ ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ زمانہ رسالت سے بُعد ہو جانے پر اُنکے بعض افراد باہم گردست و گریباں ہوئے اور بعض نہایت افسوسناک واقعات منصہ ظہور پر آئے۔ مگر ایک تو چند واقعات کو غلط روایات کے ساتھ ملا کر اکثریت کا جلوہ دیا گیا ہے۔ ورنہ حاشیہ نشینان پیشگاہ رسالت میں سے چند متنفس تھے جن میں ایک عرصے کے بعد باہمد گر شکائتیں پیدا ہوئیں۔ باقی اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ کی سلک میں منسلک اور رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے رنگ سے رنگین رہے اور مدت مدید تک سب کو ایک دوسرے کی امداد اور مشورہ سے احیاء دین اور اشاعت اسلام کی اغراض میں انہماک رہا۔ بعد میں جن لوگوں کو ناگوار حالات میں مبتلا ہونا پڑا وہ اُن کا تقاضائے بشریت

تھا کہ انبیاء پاک کے سوا کوئی انسان خطا سے معصوم نہیں ہے۔ صرف اسقدر کہا جاسکتا ہے کہ جسقدر قوت باہمی جدال وقتال میں صرف ہوئی خدمت دین کی اسیقدر کوتاہی ہوئی اور جو لوگ حد اعتدال سے باہر ہوئے انکا درجہ ان بزرگوں کے برابر نہ رہا جن کا تمام وقت سلامت روی کے ساتھ خدمت دین میں گذرا۔ مگر جو کچھ ہوا وہ انکے برادرانہ مناقشات تھے جن میں بعد والوں کو دخل دینے کی ضرورت نہیں اور خدائے علیم ان کا فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ بے نتیجہ بحث کا دروازہ کھولا جائے تو بیجا دلیری کرنے والوں کے لئے کسی طرف سے مجال سخن تنگ نہیں مگر ارشاد رسول اس شوخ چشمی سے مانع ہے ہماری اپنی ہدایت کیلئے یہی بس ہے کہ تمام صحابۂ کرام نے بلا استثنا اپنے اقوال سے اپنے افعال سے۔ اپنی جان بازی سے جو حیات رسول میں کی یا اپنی جدوجہد سے جو بعد میں تا زیست جاری رکھی آئندہ نسلوں کیلئے دین کو روشن کیا۔ مذہب کو پھیلایا اور اسلام کی راہ سے خار وخاشاک کو چھانٹ کر تمام فضا کو ایسا گل وگلزار میں تبدیل کر دیا کہ آنے والے شوق سے آنے لگے اور اس گلشن کی گل چینی میں کسیکو رنج وصعوبت سے دوچار ہونے کا اندیشہ رہا یہ اُن کا احسان ہے جس کی شکر گذاری اسلام پر فدا ہونے والوں کا فرض ہے اور اُن کا باہمی نزاع وفساد انکے کرم واحسان کو جو بعد والوں پر ہوا کم نہیں کر سکتا۔ بزرگوں کے برادرانہ مناقشات پر خوردوں کا خوردہ گیر ہونا کسی ملت میں جائز نہیں اور احسان فراموشی وکفران نعمت شیوۂ انسانیت کے خلاف ہے!

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ

جو انسان کا شکر گذار نہیں خدا کا شکر گذار بھی نہیں ہو سکتا

(فرمان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام)

والسلام

(۲۵) ڈاکٹر عبدالرشید صاحب خلف الرشید جنگو میاں صاحب ایچ ایم بی۔ بلگام والہ۔ ہوبلی دہاڑوار (۲۶)
نور محمد عبداللہ صاحب لکھنا سوئی ہوس میمن واڑ روڈ بمبئی ۳ (۲۷) اہلیہ خاں صاحب نصیر احمد خاں صاحب
معرفت تحصیلدار صاحب موگہ (۲۸) صدیق احمد خاں صاحب ایچ پی یو معرفت تحصیلدار صاحب موگہ
(۲۹) مولوی محمد حسین صاحب خوشنویس عادلگڈھ ضلع گوجرانوالہ (۳۰) منشی وہاب بیگ صاحب سپروائزر جی آئی
پی ریلوے بہاول (۳۱) بیگم صاحبہ صاحبزادہ آباد احمد خاں صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس آفتاب منزل علیگڈھ
(۳۲) منشی نواب علی خانصاحب ٹھیکہ دار نامپلی دیوی باغ حیدرآباد دکن (۳۳) محمد خاں شوانی صاحب
براڈرک امریکہ (۳۴) جناب محمد ابراہیم صاحب کاکانڈی آنریری مجسٹریٹ میرپور خاص سندھ (۳۵)
مہرالدین صاحب ولد بدر بخش صاحب براڈرک امریکہ (۳۶) جلال الدین صاحب میریا سولا کیلی فورنیا امریکہ
(۳۷) چراغ الدین خاں صاحب میریا سولا کیلی فورنیا امریکہ (۳۸) محمد عظیم منشی صاحب منگلباری اسٹیٹ
دارجیلنگ (۳۹) حاجی محی الدین صاحب کچھرا پورہ کامپٹی (۴۰) مولوی محمد حسین صاحب کیلی فورنیا امریکہ
(۴۱) احمد محی الدین صاحب ولد محمد عثمان صاحب محرر رجسٹری کنٹر ضلع اورنگ آباد دکن (۴۲) علی محمد صاحب
ولد یعقوب علی صاحب موضع آموال ضلع جالندھر (۴۳) فتح دین صاحب براڈرک امریکہ (۴۴) خان
غلام سرور خاں صاحب ہیڈ کنسٹبل تھانہ کھالڑہ ضلع لاہور (۴۵) چوہدری محمد عبداللہ خاں صاحب
گڈس سپروائزر بغداد غربی (۴۶) منشی بوٹے خاں صاحب ہیڈ کنسٹبل تھانہ کھالڑہ ضلع لاہور (۴۷)
شیخ فضل الٰہی صاحب پوسٹ بکس ۲۲۱۶ کلکتہ (۴۸) پیر بخش صاحب پنجابی براڈرک امریکہ (۴۹)
عبداللہ خاں صاحب براڈرک امریکہ (۵۰) بابو ولی محمد خاں صاحب آئیل ڈلیوری کلرک جنرل سٹورز
مغلپورہ لاہور (۵۱) مرزا شاہ محمد صاحب مغل کیانی چک ۶۸ جنوبی ڈاکخانہ کوٹ مومن ضلع شاہپور (۵۲)
مرزا ظفر حسین بیگ صاحب چک مدکور ضلع شاہ پور (۵۳) ڈاکٹر شیخ محمد اسحاق صاحب سینئر سب اسسٹنٹ
سرجن ساگر (۵۴) ولی محمد صاحب موضع ہری پور ضلع جالندھر (۵۵) خان صاحب صوبیدار ڈاکٹر
امام علی خانصاحب محمد پور ضلع اعظم گڈھ (۵۶) عنایت خانصاحب سکرمنٹو کیلی فورنیا امریکہ (۵۷)
صوبیدار ولایت حسین صاحب ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ (۵۸) ڈاکٹر غلام نبی خانصاحب پوسٹ بکس
۲۷۳ براڈرک امریکہ (۵۹) بابو عبدالحکیم صاحب گارڈ بہار نگر کیمپ مارگل بصرہ عراق (۶۰)
خانصاحب ڈاکٹر جہان خانصاحب سب اسسٹنٹ سرجن انچارج پورٹ۔

سلطان علی منیجر

تاریخ افغانستان

سید جمال الدین افغانی کی تصنیف کا اُردو ترجمہ جو مولٰینا محمود علی صاحب اسسٹنٹ ایجوکیشنل سکرٹری سرکار بھوپال کے زور قلم کا نتیجہ ہے مُصنّف مرحوم سیّد جمال الدین افغانی اُمّتِ مُسلمہ کے اُن مایۂ ناز فرزندوں میں ہیں جنکی ذات پر دُنیا قیامت تک فخر کرے گی سیّد موصوف کی زندگی کا ہر لمحہ اور لحظہ صرف اُمّتِ اسلامیہ کی خدمت میں بسر ہوُا۔ حکومتوں کی جفائیں۔ قوموں کی درازدستیاں اور اپنی قوم کی سرد مہریاں اس حریتِ اسلام کے پروانے کی گرمجوشیوں میں کوئی کمی پیدا نہ کرسکیں اور وہ غازی مرد اور قلم کا دھنی ہمّت کا پہاڑ اور جوش کا بے پایاں سمندر جس مقصد کو لیکر اُٹھا تھا اگرچہ اپنی زندگی میں اس کو پروان نہ چڑھا سکا لیکن آج اتحاد اسلامی۔ عالمگیر خلافت اور تنظیم قوائے ملّیہ کی تمام صدائیں اور نعرے اسی نقیب اُمّت کی آوازوں کی صدائے بازگشت ہے اتحاد اسلامی اور بین اسلام ازم کا موجد اور موسّس سیّد جمال الدین افغانی تھا۔ یہ کتاب سیّد مرحوم نے افغانستان کی سوتی بستی کو جگانے کے لئے لکھی اور کون کہہ سکتا ہے کہ آج کے افغانستان کی محیر العقول ترقیاں اور حیرت انگیز سیاست دانیاں بہت حد تک اس کتاب کی روح فزا اور ہوش آور تعلیم کی مرہون منت ہیں، یہ افغانستان کی مکمل تاریخ ہے اور اس قدر مدلل اور سبق آموز کہ انسان پڑھتا ہے اور سیّد موصوف کی تاریخی وسعت معلومات اور سیاست دانی کی بے اختیار داد دیتا ہے۔ انگریزی سفیر کی افسوسناک فریب کاریاں جس کے ذریعہ سے انگریزوں نے افغانستان کو فتح کیا اس داستان کے سلسلہ کی نمایاں کڑی ہے یہ الفاظ سیّد جمال الدین کی تصنیف کے تعارف کے لئے بالکل غیر ضروری تھے۔ تاہم ناواقف لوگوں کے لئے اس کوتاہ بیانی کی ضرورت تھی۔ قیمت فی جلد صرف عہ/۸

ملنے کا پتہ

منیجر صُوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین۔ پنجاب